

پہلی مرتبہ سزا یافتہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ کی زبان سے

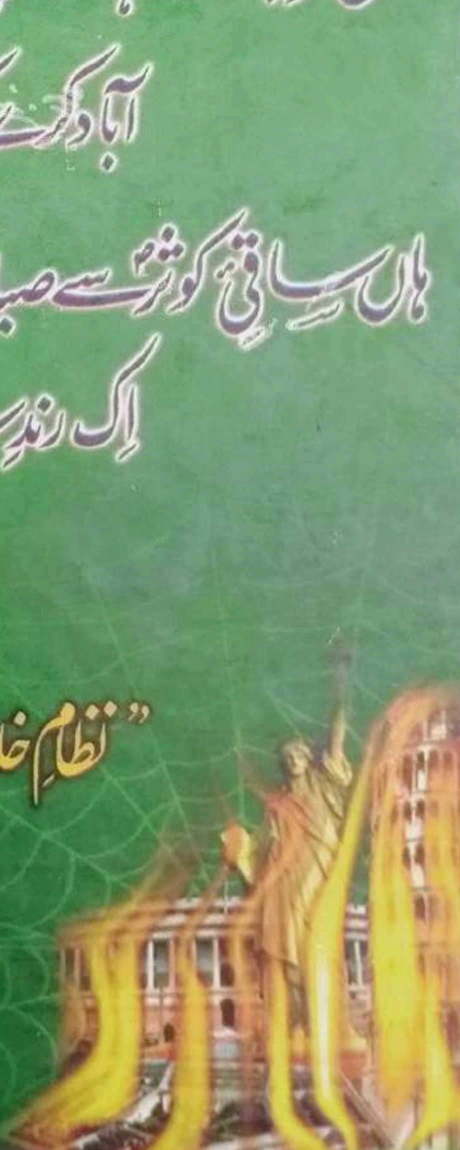
آپریشن خلافت 1995ء



دل محوِ محبت ہے اُسے کچھ نہیں پروا
آباد کرے کوئی کہ برباد کرے ہے
ہاں ساقیِ کوثر سے صبا عرض یہ کرنا!
اِک رندِ سیہ مست بہت یاد کرے ہے

سید نفیس الحسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

"نظامِ خلافت میں ہی مستقبل کے گلوبل ویلیج کی بقا ہے"



سابق بریگیڈیئر
مُستنصر باللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر وہ شخص (نہیں جائیگا) جس نے (جنت میں جانے سے) انکار کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کون (بدبخت) انکار کرے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

جس نے میری فرمانبرداری کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی یقیناً اس نے (جنت میں جانے سے خود ہی) انکار کیا۔"

(بخاری شریف)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں، جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے (عمل پیرا ہو گے) ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ ﷺ

(مؤطا امام مالک)

ISBN-978-969-9244-02-5

کتاب	:	آپریشن خلافت 1995ء
مصنف	:	ایکس بریگیڈئیر مستنصر باللہ
ترتیب وتدوین	:	یوسف منہاس، اویس حسن
اشاعت اوّل	:	جنوری 2008ء (محرم الحرام 1429ھ)
اشاعت دوم	:	اپریل 2008ء (ربیع الاوّل 1429ھ)
اشاعت سوم	:	مئی 2008ء (ربیع الثانی 1429ھ)
اشاعت چہارم	:	ستمبر 2008ء (رمضان المبارک 1429ھ)
ناشر	:	انقلاب پبلشرز اُردو بازار لاہور

.........ملنے کے پتے.................

مکتبہ سید احمد شہید اُردو بازار لاہور

عمرو بن العاصؓ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

کشمیر بک ڈپو تلہ گنگ روڈ چکوال

مکتبہ فاروقیہ حنفیہ اُردو بازار گوجرانوالہ

انقلاب پبلشرز™

اُردو بازار لاہور

برائے خط وکتابت: P.O. Box No 1889 Lahore
E-Mail: inqilabpublishers@yahoo.com
Web: www.muhammadqurankhilafat.com
Mob: 0333-4079748

کتاب میں ذکر کی گئی شخصیات

جنرل محمد یحییٰ خان	جنرل ترمذی	جنرل ضیاء الحق
جنرل آصف نواز جنجوعہ	جنرل عبدالوحید کاکڑ	جنرل جہانگیر کرامت
جنرل علی قلی خان	جنرل پرویز مشرف	جنرل عزیز خان
لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک	لیفٹیننٹ جنرل نصیر اختر	لیفٹیننٹ جنرل مظفر حسین عثمانی
لیفٹیننٹ جنرل محمود	لیفٹیننٹ جنرل جمشید گلزار	لیفٹیننٹ جنرل افضل جنجوعہ
لیفٹیننٹ جنرل جاوید حسن	میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی	میجر جنرل اعجاز امجد
میجر جنرل زاہد احسان	بریگیڈیئر ایف بی علی	بریگیڈیئر مستنصر باللہ (سزا یافتہ)
بریگیڈیئر جاوید افضل	بریگیڈیئر ریاض	بریگیڈیئر خورشید
کرنل ڈاکٹر غلام فرید بھٹی	کرنل آزاد منہاس	کرنل عنایت اللہ
کرنل لیاقت علی راجہ	کرنل محمد اقبال	کرنل کیانی
کرنل مسعود	کرنل امجد	کرنل ڈاکٹر محمد حامد
کرنل نظیر۔ قادیانی	میجر راجہ نادر پرویز	میجر اسد
میجر اکرام نبی	میجر شوکت	میجر وحید
میجر کامران	میجر اعجاز	صوبیدار محمد ایوب
سپاہی مقصود	صوفی محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ)	مفتی رشید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ
محترم حمید اللہ ملک مرحوم رحمۃ اللہ علیہ	علاؤالدین شمس صدیقی مرحوم	مفتی مختار الدین کربوغہ شریف
قاری سیف اللہ اختر	صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی	مولانا عبدالقادر ڈیروی
مولانا محمد اکرم اعوان	پروفیسر حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری	مولانا نور محمد مرحوم
قاری سعید الرحمٰن	ڈاکٹر اسرار احمد	صوفی محمد (تحریک نفاذ شریعت)
مولانا فضل الرحمٰن	قاضی حسین احمد	گل محمد صاحب
حبیب الرحمٰن صاحب	غلام اسحاق خان	عرفان اللہ مروت
رمزی یوسف	عامل کانسی	ندیم شفیع
حاجی فضل (درہ آدم خیل)	سعد رسول (درہ آدم خیل)	وحید (چکر کوٹ)
جہانزیب (ڈائریکٹر انٹیلی جنس)	جواد سلطان (انسپکٹر کسٹم)	محمد دجانہ
محترمہ رخسانہ مسیح اللہ	میاں محمد منیر احمد ہوتیانہ (بہاولپور)	ذوالفقار علی بھٹو
محترمہ بے نظیر بھٹو	آصف علی زرداری	میاں محمد نواز شریف
آفتاب شعبان میرانی	جواہر لال نہرو	راجیو گاندھی
جسٹس کے ایم صمدانی	جسٹس قربان صادق اکرام	مقبول الٰہی ملک ایڈووکیٹ
ملک محمد رفیق ایڈووکیٹ	ملک محمد رمضان ایڈووکیٹ	

حسن ترتیب

حسن ترتیب

حضور ﷺ نے فرمایا:

"دین خیر خواہی ہے۔"

ہم (صحابہ) نے پوچھا

"(یارسول اللہ ﷺ) کس کے ساتھ؟"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ سے، اس کی کتاب سے،

اس کے رسول سے، مسلمان

علمائے دین سے اور اپنے

تمام مسلمانوں سے۔"

(صحیح مسلم)

"آدمی دولت، اختیار اور اقتدار ملنے

کے بعد بدلتا نہیں بے نقاب ہوتا ہے۔"

(حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ)

''اب میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جو قومی اسٹیٹ جمہوری طرز پر تعمیر ہوگا۔ وہ اس بنیادی اصلاح میں آخر کس طرح مددگار ہوسکتا ہے؟ جمہوری حکومت میں اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آتا ہے جن کو ووٹروں کی پسندیدگی حاصل ہو۔ ووٹروں میں اگر اسلامی ذہنیت اور اسی فکر نہیں ہے اگر وہ صحیح اسلامی کریکٹر کے عاشق نہیں ہیں۔ اگر وہ اس بے لاگ عدل اور ان بے لچک اصولوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جن پر اسلامی حکومت چلائی جاتی ہے تو ان کے ووٹوں سے کبھی ''مسلمان'' قسم کے آدمی منتخب ہوکر پارلیمنٹ یا اسمبلی میں نہیں آسکتے اس ذریعہ سے تو اقتدار ان ہی لوگوں کو ملے گا جو مردم شماری کے رجسٹر میں تو چاہے مسلمان ہوں مگر اپنے نظریات اور طریق کار کے اعتبار سے جن کو اسلام کی ہوا بھی نہ لگی ہو اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اسی مقام پر کھڑے ہیں جس مقام پر غیر مسلم حکومت میں تھے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر مقام پر کیونکہ وہ قومی حکومت جس پر اسلام کا نمائشی لیبل لگا ہوگا۔ اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں اس سے بھی زیادہ جری و بے باک ہوگی۔ جتنی غیر مسلم حکومت ہوتی ہے غیر مسلم حکومت جن کاموں پر قید کی سزا دیتی ہے۔ مسلم ''قومی حکومت'' ان کی سزا پھانسی اور جلاوطنی کی صورت میں دے گی اور پھر بھی اس حکومت کے لیڈر جیتے جی غازی اور مرنے کے بعد رحمۃ اللہ علیہ ہی رہیں گے۔ پس یہ سمجھنا قطعی غلط ہے کہ اس قسم کی قومی حکومت کسی معنیٰ میں بھی اسلامی انقلاب لانے میں مددگار ہوسکتی ہے اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم کو اس حکومت میں بھی اجتماعی زندگی کی بنیادیں بدلنے ہی کی کوشش کرنی پڑے گی اور اگر ہمیں یہ کام حکومت کی مدد کے بغیر بلکہ اس کی مزاحمت کے باوجود اپنی قربانیوں ہی سے کرنا ہوگا تو ہم آج ہی سے یہ راہ عمل کیوں نہ اختیار کریں؟

اس نام نہاد قومی حکومت کے انتظار میں اپنا ووٹ یا اس کے قیام کی کوشش میں اپنی قوت ضائع کرنے کی حماقت آخر ہم کیوں کریں جبکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ ہمارے مقصد کے لیے نہ صرف غیر مفید ہوگی بلکہ کچھ زیادہ ہی سدِ راہ ثابت ہوگی۔

(مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ)

اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے

از

انسانیت کا دین؟ جمہوریت نہیں خلافت

(ڈاکٹر نجم الدین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مقصد کے تحت نوعِ انسانی کی تخلیق کی ہے اور وہ مقصد عبادتِ ربانی ہے۔ سورۃ الزاریات آیت نمبر 56 میں ہے۔

وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون

''اور ہم نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔''

کائنات ارضی میں بسانے کے بعد مقصد تخلیق اور زندگی کے نصب العین کے حصول کے لئے ایک مکمل لائحہ عمل بھی عطا کیا' انسان چونکہ فطرتاً نسیان وخطا کا مرکب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں چند لوگوں کو منتخب کیا جن کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ انسانوں کو مقصد تخلیق کی یاددہانی (تذکیر) کراتے رہیں تاکہ صراطِ مستقیم سے منحرف و بھٹکے ہوئے لوگ راہِ راست پر آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ منتخب کردہ انبیاء ورسل اپنے اپنے زمانے میں یہ ذمہ داری نبھاتے رہے اور نوعِ انسانی کو زندگی کے نصب العین کے حصول کے لئے ایک مکمل نظامِ حیات دے کر اور خود اس پر عمل پیرا ہو کر عملی نمونہ پیش کرتے رہے۔ جن لوگوں نے اس نظام کے مطابق زندگی گزاری وہ دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران ہوئے اور جن لوگوں نے اس سے انحراف وسرکشی کی وہ خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ٹھہرے۔ سب سے آخر میں خاتم الرسل حضرت محمد ﷺ تمام نوعِ انسانی کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ایک ہمہ گیر عالمی نظام لے کر آئے۔

آپ ﷺ نے اس عالمی نظام کی دعوت اپنے آبائی شہر مکہ مکرمہ سے شروع کی اس

دعوت کو عامتہ الناس تک پہنچانے کے لئے آپ ﷺ کو انتہائی مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ﷺ نے تمام تر نامساعد حالات اور کٹھن مراحل کے باوجود ثابت قدمی و استقلال کے ساتھ دعوتِ حق جاری رکھی۔ چند خوش نصیب افراد نے آپ ﷺ کی دعوت کو دل و جان سے قبول کیا اور اس نظام کے نفاذ کے لئے جانی و مالی ایثار کی لازوال مثال قائم کی۔ آخر کار آپ ﷺ نے اپنے رفقاء کار کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ میں اسلامی خلافت کی بنیاد رکھی۔

فتح مکہ کے بعد پورے جزیرۂ عرب نے اس مبارک نظام کو قبول کر لیا۔ آپ ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف تشریف لے جانے کے بعد آپ ﷺ کے جانشین خلفائے راشدین نے اس نظام کو عالمی سطح پر وسعت دی۔ اسی زمانے میں موجود دو بڑی ریاستوں روم و فارس کے غیر فطری و انسانیت کش نظاموں کو تہس نہس کر کے بھائی چارے اور مساوات پر مبنی اسلامی نظام کا نفاذ کر دیا۔

اسلامی نظام کے نفاذ سے دنیا میں امن و سکون، ترقی و خوشحالی اور علوم و فنون کا دور شروع ہوا۔ ظلم و جبر، دہشت، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا نام و نشان مٹ گیا۔ کفر و شرک کا خاتمہ اور توحید و رسالت کا علم بلند ہوا۔ دنیا کی تمام قومیں اسلامی نظام کے فیوض و برکات و سچائی دیکھ کر دل و جاں سے اسے قبول کرنے لگیں۔ جو فرد اسے قبول کرتا وہ اسے دوسروں تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کرتا تاکہ دوسرے لوگ بھی کفر و الحاد اور ظالمانہ نظاموں کو چھوڑ کر اسلامی نظام کے دائرہ کار میں آ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول ﷺ نے اپنے آخری دور میں جزیرۂ عرب سے باہر بھی جہاد کی ابتداء کی۔ آپ ﷺ کے خلفائے راشدین نے جہد مسلسل سے اسلامی نظام کو عالمی سطح پر متعارف کرایا۔ اسلامی افواج جدھر رُخ کرتیں ملکوں کے ملک فتح ہوتے جاتے اور اہل علاقہ خود آ کر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔

یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے صدیوں پر محیط طویل مدت تک دنیا پر حکومت کی۔ خلفائے راشدین کے سنہری دور کے بعد بنو اُمیہ نے مثالی حکومت کی۔ انہوں نے عظیم کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ مشرق کے علاوہ مغرب (اندلس) میں بھی کئی صدیاں اسلامی نظام کا نفاذ رہا۔ بنو عباس نے اسلامی ریاست کو مزید وسعت دی۔ عروج و زوال کے فطری نظام کے مصداق سقوطِ

بغداد کے ساتھ ہی مسلمانوں کا شاندار دور اپنے منطقی انجام کو پہنچا اور مصر میں فاطمیوں نے اپنی مضبوط بنیادوں پر حکومت قائم کی۔

خلافت عثمانیہ کے قیام سے اسلامی نظام خلافت کی ترقی و عروج کا دوسرا دور شروع ہوا۔ اس دور میں انسانیت پھر سے اسلامی نظام کی برکات و فیوض سے مستفید ہونے لگی۔ عثمانی خاندان نے جہاد مسلسل کے ذریعے مشرق و مغرب میں خلافت کا نفاذ کر دیا۔

کفریہ طاقتیں جنگوں اور مختلف سازشوں کے ذریعے خلافت عثمانیہ کے در پے رہیں لیکن خلافت عثمانیہ نے ہمیشہ جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے خلاف جہاد کیا اور ہر حال میں خلافت کو قائم کئے رکھا۔ یورپ خلافت عثمانیہ کا کچھ نہ بگاڑ سکا تو اس نے برصغیر میں زوال پذیر مغلیہ سلطنت کا رُخ کیا اور آہستہ آہستہ ایک متوازی حکومت قائم کر لی۔ مغلیہ حکمرانوں کی نااہلی و ناکامی اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو دیکھ کر حضرت الہام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے احیائے خلافت کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ آپ نے اپنے دور میں احیائے خلافت کے لئے باقاعدہ طور پر مجاہدین کے کیمپ تیار کئے۔ ان مجاہدین نے 1826ء میں سرحدی علاقوں سے اپنے کام کی ابتداء کی۔ نصرت الٰہی شامل ہوئی تو کئی علاقے فتح ہو گئے۔ مفتوحہ علاقوں میں فوری طور پر اسلامی آئین کا اجراء کیا گیا۔ اپنوں کی ریشہ دوانیوں اور انگریز سکھ گٹھ جوڑ کی وجہ سے 1831ء میں بالاکوٹ کے مقام پر ان مجاہدین نے جامِ شہادت نوش کئے۔ 1857ء میں انگریز پورے برصغیر پر مسلط ہو گئے اور زوال پذیر مغلیہ سلطنت کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں علماء کرام نے بھرپور کردار ادا کیا۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی امارت میں حضرت قاسم العلوم والخیرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور فقیر العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر عظیم مجاہدین نے شاملی کے میدان میں کارنامہ ہائے انجام دیئے۔ سقوطِ دہلی کے بعد میدان جنگ بدل گیا۔

اسلامی نظام حیات کے احیاء، برصغیر میں قائم اسلامی سلطنت کی بازیابی اور دینی علوم

کے تحفظ کے لئے مدارس ومساجد میں علماء ومجاہدین کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ جو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا تھا اس کو از سر نو جاری کیا گیا۔ جس کا نتیجہ کچھ دہائیوں بعد تحریک ریشمی رومال کی صورت میں نکلا۔ مذکورہ تحریک کے بانی ومرکزی راہنماؤں اور ارکان نے اسلامی ریاست کے قیام کے لئے جان ومال کی بازی لگادی۔ منصوبہ کامیاب نہ ہوسکا لیکن تحریک کے قائد حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے عظیم رفقائے کار نے برصغیر کے اندر روح حریت پھونک دی۔ حالات نے پلٹا کھایا تو علماء کرام نے جہادِ آزادی میں قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے عوام کی بروقت رہنمائی کی۔ آخر کار انگریز کو مجبوراً رخصت ہونا پڑا۔

برصغیر کی تقسیم ہوئی تو پاکستان کے نام سے مسلمانوں کو ایک علیحدہ علاقہ دے دیا گیا۔ برصغیر کی تقسیم اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کی تحریک چلانے والوں نے مسلم عوام کو یہ باور کرایا کہ علیحدہ ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ اور قرآن سنت ملک کا آئین ہوگا۔ برصغیر میں بسنے والے مسلمانوں نے اس بات کو قبول کرتے ہوئے اس تحریک میں نہ صرف زوروشور سے حصہ لیا بلکہ جانی و مالی نقصانات بھی اٹھائے لیکن ملک کی سیاسی قیادت کے بارے میں قائداعظم نے فرمایا ''جس جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوں کھوٹے سکے نکلتے ہیں'' تاہم علیحدہ ملک کے قیام کے بعد اسلامی نظامِ حکومت اور قرآن وسنت کے آئین کے نفاذ سے اعلانیہ انحراف کیا گیا۔ مسلمانوں سے بہت بڑا دھوکا ہو گیا اگر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ زور نہ دیتے تو ہمارے آئین میں قرارداد مقاصد بھی شامل نہ کی جاتی۔ تحریک میں شامل دین کا دُکھ رکھنے والے جید علماء کرام کو دیوار کے ساتھ لگادیا گیا اور بقول شخصے منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔ انگریز کے جانشین کالے انگریزوں نے اپنے آقا کا قانون برقرار رکھا۔ کفریہ اور باطل نظامِ جمہوریت کے نعرے لگا کر اسلامی نظامِ خلافت کی نفی کی گئی۔ فوجی آمروں اور طالع آزماؤں نے جمہوری حکومتوں کی ملک دشمن اور تباہ کن پالیسیاں دیکھ کر کئی بار شب خون مارا۔ دو دہائیوں سے زائد عرصہ تک وطن عزیز میں مارشل لاء کا نفاذ کیے رکھا۔ نفاذِ اسلام کے لئے کئی راستے اختیار کیے گئے۔ کسی نے احتجاجی اور مطالباتی راستہ اختیار کیا تو کسی نے انتخابات (الیکشن) کے ذریعے اپنی اپنی جدوجہد جاری رکھی۔

اسلامی نظامِ خلافت کے نفاذ سے نہ صرف انحراف کیا گیا بلکہ مفاد پرست لیڈروں اور دانشوروں نے اسلامی سوشلزم اور اسلامی جمہوریت کا نعرہ بھی لگایا تا کہ نظامِ خلافت کو اس نعرہ کی آڑ میں دبا دیا جائے اور عوام الناس اس نعرہ سے دھوکہ کھا کر نظامِ خلافت کے لئے جدوجہد کرنے والوں کا ساتھ نہ دیں۔ نظامِ خلافت کے تمام راستے مسدود کردیئے گئے اور مفاد پرست ٹولے اور اقتدار کے پجاریوں نے کفریہ وباطل نظامِ جمہوریت کو اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا۔

کسی نے تصنیف وتالیف کا بیڑہ اٹھایا تو کسی نے عوامی جلسوں میں اسلام زندہ باد کا نعرہ لگوانا کافی سمجھا۔ چونکہ یہ تمام راستے غیر اسلامی وغیر فطری تھے اس لئے ان کا کوئی مؤثر نتیجہ نہ نکلا اور نظامِ خلافت کی منزل روز بروز دور ہوتی چلی گئی۔ قیامِ پاکستان کو چار دہائیاں بیت چکی تھیں لیکن اسلامی نظامِ حیات کا کوئی نشان نظر نہ آتا تھا۔ اسی اثناء میں 90ء کی دہائی میں کچھ فوجی افسروں نے فوجی انقلاب کے ذریعے نظامِ خلافت کے احیاء کے لئے منصوبہ بندی شروع کردی۔ اسی منصوبہ کے خالقوں نے منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لئے شب و روز محنت کی۔ فوجی افسروں کی ذہنی تربیت کی گئی۔ انہیں اس مقصد کے حصول کے لئے جانی ومالی قربانی کے لئے تیار کیا گیا۔ ان کے اندر ایمان وایقان اور جذبۂ اخلاص پیدا کرنے کی حتیٰ الوسع کوشش کی گئی۔ آپریشن خلافت کے منصوبہ ساز مجاہدین نے جس جذبہ واخلاص کے ساتھ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اس کا اندازہ آپ آئندہ صفحات میں لگالیں گے۔ ان کے جذبہ واخلاص کو لفظوں میں بیان کرنا راقم الحروف کے لئے ایک مشکل امر ہے۔

اس کی ایک جھلک ان سے بالمشافہ ملاقات کے ذریعے ہی دیکھی جاسکتی ہے۔ آپریشن خلافت کے مجاہدین نے آپریشن کی کامیابی کے لئے جو جانی ومالی ایثار کیا وہ لائق صد تحسین ہے۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ کے مستقبل، ملازمت، پنشن، ریٹائرمنٹ کے بعد ملنے والی سہولیات اور عیش وآرام کی زندگی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ آپریشن کی ناکامی کے بعد گرفتاریاں ہوئیں۔ کال کوٹھڑیوں میں بند کیا گیا۔ ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی تشدد کیا گیا۔ فی الفور ملازمت سے معطل کردیا گیا۔ مقدمات بنا کر جنرل فیلڈ کورٹ مارشل کے تحت سزائیں دی گئیں۔ نظامِ خلافت کے یہ

شیدائی نہ صرف خود مصائب و آلام کا شکار ہوئے بلکہ ان کے اہل خانہ پر بھی مشکلات کے پہاڑ ٹوٹے۔ان کے گھریلو نظام درہم برہم ہو گئے۔لیکن سلام ہے آپریشن خلافت کے جری و بہادر مجاہدین کو جنہوں نے ان مصائب پر صبر کا مظاہرہ کیا اور ثابت قدم رہے۔انہیں اپنے اس کردار پر کوئی پشیمانی یا ندامت نہیں ہے بلکہ وہ اسے اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔آپریشن خلافت صدیوں سے جاری احیائے خلافت کی جدوجہد کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔آپریشن کی ناکامی کے اسباب سے **قطع نظر احیاء خلافت کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے لئے اس میں کئی سبق ہیں جن پر انہیں بھرپور توجہ دینی چاہئے تاکہ نظامِ خلافت کے راستے میں موجود رکاوٹوں کو ختم یا کم کرنے میں سہولت ہو اور منزل تک پہنچنے کے لئے صحیح راستہ اختیار کیا جائے۔**احیاء خلافت کے کئی طریقوں پر عمل کیا جا چکا ہے لیکن چونکہ یہ تمام راستے قرآن سنت کے موافق نہ تھے اس لئے ان کی ناکامی فطری تھی۔ احیاء خلافت کے لئے جدوجہد کرنے والوں پر لازم ہے کہ آپریشن خلافت پر غور و خوض کر کے صحیح راستہ منتخب کریں جو قرآن و سنت کے موافق اور وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو تاکہ احیاء خلافت کے لئے راہ ہموار ہو سکے اور منزل تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو

والسلام

ابو عثمان المظفر

کریم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔

14 دسمبر 2003ء

پیش لفظ

میں ہوش سنبھالنے کے پہلے لمحے سے مسلمانوں کی زبوں حالی پہ روتا رہا ہوں۔ خلافت راشدہ کے خواب آنکھوں میں بسائے جمہوریت کے صحرا میں بھٹکتا رہا ہوں۔ اُمت کے احیاء کا یہ خواب ملت اسلامیہ کے کروڑوں نوجوانوں کا خواب ہے مگر ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے یہ خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکا ہے۔ ہماری زندگیاں سنت رسول ﷺ سے خالی ہو چکی ہیں۔ ہماری حالت کا یہ عالم ہے ہم اپنی تمام تر صلاحیتوں' خوبیوں کو محض تحریر وتقریر کرنے میں صرف کر دیتے ہیں لیکن عمل کے میدان میں ہماری صلاحیتیں غائب ہوتی ہیں۔ ہماری تمام عمر باتیں کرنے میں ہی گزر جاتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔

''کیا کہیں احباب کیا کارہائے نمایاں کر گئے
بی اے کیا نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے''

لوگ کہتے ہیں بے خبری ایک نعمت ہوتی ہے لیکن میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بعض اوقات یہ بے خبری ایسا دُکھ دے جاتی ہے جو تمام عمر روح کو کچوکے لگاتی رہتی ہے۔ میں جب بھی اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ اگر مجھے بر وقت علم ہو جاتا اور میں بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے ملتا اور وہ مجھے دعوت دیتے تو کیا میں اگلی صفوں میں نہ ہوتا۔

میں نے پہلے پہل میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی' بریگیڈیئر مستنصر باللہ' قاری سیف اللہ اختر' کرنل آزاد منہاس اور کرنل عنایت کے بارے میں اخبارات میں پڑھا۔ اخبارات آدھا سچ لکھتے ہیں لیکن آدھے سچ کی تلاش میں رہا۔

بہت کچھ پڑھا لیکن پڑھنے اور بالمشافہ گفتگو میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ میں اکثر سوچتا تھا کہ کیا مجھے بھی کبھی موقع ملے گا کہ میں آپریشن خلافت کے کسی اہم رکن سے بہ نفس نفیس گفتگو کروں اور باقی آدھا سچ جان سکوں۔

اللہ تعالیٰ نیک انسانی خواہشات کی تکمیل بڑے عجیب انداز میں کرتا ہے۔

''میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے بے شک وہی خبردار اور حکمت والا ہے۔'' (سورۃ یوسف آیت نمبر 100)

پھر یوں ہوا کہ ایک ناکردہ جرم میرے کھاتہ میں لکھا گیا اور میری بے گناہی' معصومیت' جوانی سب کچھ وطن عزیز کے عدالتی نظام کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ تب سے میرے اندر محرومی' دکھ اور فرسٹریشن کا ایک لاوا تھا جو ہر لحظہ لڑنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھول گیا تھا کہ

''جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔'' (القرآن)

میرا رب تو سبب بنا رہا تھا۔ سبیل پیدا کر رہا تھا۔ میری خواہش کی تکمیل کر رہا تھا۔

میں جب سزا سنائے جانے کے بعد ڈسٹرکٹ جیل رحیم یار خان سے نیو سنٹرل جیل بہاولپور بحیثیت ایک قیدی کے منتقل کیا گیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپریشن خلافت کے منصوبہ ساز اور خالق بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے ملنے' بات کرنے کا اور باقی کا آدھا سچ جاننے کا موقع مل جائے گا۔ ملاقات کے آغاز میں وہ خاصے سنجیدہ اور خاموش رہتے۔ ان کی ساری دوستیاں سارے تعلق صرف اس مالک حقیقی کی نسبت سے ہیں جس کی رضا کے لئے انہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت زندگی کی بازی کھیل دی تھی۔

میں جب بھی ان سے ملنے جاتا تو میں ہمیشہ انہیں نوافل پڑھتے' ذکر و اذکار کرتے اور قرآن و حدیث کے مطالعے میں مصروف پاتا۔

ابتداء میں مجھے ان سے وقت حاصل کرنے میں بہت مشکل رہی۔ وہ مجھ سے سلام و دعا کے بعد اکثر خاموشی سے تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو جاتے اور مجھے تکتے جاتے۔ میں جو کچھ بولتا وہ بڑے غور سے سنتے۔ میں آخر کتنی دیر اکیلا بول سکتا۔ وہ مجھے کبھی واپس جانے کے لئے نہ کہتے۔ میں

خود ہی سلام ودعا کے بعد اٹھ آتا۔ وہ مجھے بڑے تپاک سے دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے۔ میں اکثر اپنے آپ سے سوال کرتا کہ آخران کی خاموشی کا سبب کیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں میں ان کے لئے اجنبی تھا یا پھر وہ مجھے ایک جذباتی اور گفتار کا غازی سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں۔ دراصل وہ مجھے پرکھ رہے تھے میری دلچسپی اور لگن کا اندازہ کر رہے تھے۔ وہ کسی بھی اجنبی سے بہت مشکل سے ملتے تھے۔ ویسے کسی پر یونہی اعتبار بھی تو نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے وہ اپنے رویئے میں حق بجانب نظر آئے۔

اس لئے ملاقات کے لئے بہت سے جتن کرنے پڑے لیکن میں نے ہمت نہ ہاری۔ ان سے ملاقات کے لئے جاتا رہا۔ پھر ایک دن مجھے محسوس ہوا جیسے بریگیڈیئر صاحب میرے ساتھ آپریشن خلافت پر تفصیلاً بات کرنے کو تیار ہیں۔ میرے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہیں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ میری محنت رنگ لے آئی تھی۔ میرا اخلوص ان کی نظروں میں معتبر ٹھہر رہا تھا۔ میں ان کے معیار پر پورا اُترا تھا۔ پھر ان سے بہت باتیں ہوئیں۔ کچھ ایسی باتیں جو کہ ہمیشہ دل میں محفوظ رکھنے والی ہیں اور کچھ ایسی باتیں جنہیں جاننے کے بعد میرے لئے بیان کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ محترم مستنصر باللہ سے بحیثیت ایک مسلمان بھائی کا رشتہ تو پہلے ہی تھا لیکن میرے قلب و نظر میں ان کے لئے احترام کا جذبہ اس وقت اور بڑھ گیا جب مجھے ان کی زبانی آپریشن خلافت کے عظیم مقاصد سے تفصیلاً شناسائی حاصل ہوئی اور آپریشن خلافت کے پس منظر کے حوالے سے محترم مستنصر باللہ سے میری بڑی طویل نشستیں سوالاً جواباً ہوئی ہیں۔ ان کے دلائل اتنے مدلل اور قوی ہیں کہ میں قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اب میں نے خود کو ان کی راہ کا مسافر بنالیا ہے۔ میں نے خود کو عالم اسلام کے ان کروڑوں نوجوان مجاہدین کی صف میں کھڑا کرلیا ہے جو اُمت مسلمہ کے احیاء کے لئے اور نظامِ خلافت کے قیام کے خواب کو تعبیر دینے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

اب میں نے تہیہ کرلیا تھا اور خود پر لازمی کرلیا تھا کہ میں عالم اسلام کو ان باوفا لوگوں کی عظیم جدوجہد سے ضرور آگاہ کروں گا جو امت مسلمہ اور خلافت کے لئے اپنی زندگیاں اور سب کچھ لٹا کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظروں میں سرخرو ٹھہرے ہیں۔

حقائق سے آگاہی ہر انسان کا حق ہے اور اس سے ان کو محروم کرنا صریحاً ناانصافی ہے۔

بریگیڈیئر مستنصر باللہ اوران کے جانثار ساتھیوں کے بارے میں اس وقت کی حکومت نے اور اخبارات نے جو کہا اور لکھا وہ سب پروپیگنڈا تھا۔ ذاتی مفاد اور مملکت کو نقصان پہنچانے والے الزامات کا ان حضرات سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا جبکہ آپریشن خلافت کا مقصد پاکستان کو مغربی نظامِ جمہوریت کے چنگل سے نکال کر نظامِ خلافت کی راہ پر گامزن کرنا تھا اور ایسا کرنا ہر غیرت مند مسلمان کا حق ہے۔ اس حق کا استعمال کسی بھی کلمہ گو کے نزدیک نہ جرم ہے نہ تھا اور نہ رہے گا۔ میرا دل بھی امت کے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ کوئی شخص اس کا اظہار کرے یا نہ کرے مگر اسلام کے زوال کا دکھ ہر باضمیر مسلمان کو ہے۔ آج کا ہر مسلمان کسی نہ کسی حوالے سے یہ ضرور سوچتا رہتا ہے یہ اس کی دلی خواہش بھی ہوتی ہے کہ کوئی معجزہ ہو جائے کہ مسلمان چشم زدن میں اپنی کھوئی ہوئی شان وشوکت حاصل کرلیں اور غیر مسلموں کی اندھی تقلید کی بجائے ایک بار پھر محمد ﷺ کے قدموں کے نشان کو اپنی منزل کا مقصود بنالیں اس منزل جس کی نشاندہی آپ ﷺ نے کی ہے مگر یہ اس وقت ہی ممکن ہے جب ہمارا قبلہ درست ہو جائے۔ یہ کب درست ہوگا جب ہم نظامِ جمہوریت کے چنگل سے نکل آئیں گے۔ آخر اس نظام جمہوریت نے مسلمانوں کو کیا دیا ہے۔ ترکی، الجزائر اور پاکستان کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جہاں اسلامی تحاریک جمہوریت کے ذریعے نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے ایک عرصہ سے کوششیں کر رہی ہیں کیا وہ کامیاب ہوگئیں؟ وہ اس راستے پر چل کر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں! بار بار تجربات سے بہتر ہے کہ وہ اپنا قبلہ درست کرلیں۔ کفر اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ میدان میں کب کا اتر چکا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم جمہوریت کے درآمد شدہ نظام کو چھوڑ کر اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کے دامن میں پناہ لے لیں جس میں انسانیت کی فلاح وبقاء مضمر ہے۔

آپریشن خلافت اس ہی منزل کی جانب ایک قدم تھا۔ لیکن تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود کوشش ناکام ہوگئی۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے جب آپریشن خلافت کے ناکام ہونے کا سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔

”اگر ہم مومن ہوتے تو ضرور کامیاب ہوتے۔“

بریگیڈیئر مستنصر باللہ کا یہ جواب امت مسلمہ کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔

میں تقریباً ایک سال تک محترم مستنصر باللہ کے خیالات اور حاصل مطالعہ سے فیض یاب ہوتا رہا۔ آپریشن خلافت سے متعلق کتاب لکھنے کا ارادہ تو میں کر چکا تھا لیکن بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے اس ارادہ کے اظہار کی جرأت نہیں کر رہا تھا کیونکہ اتنی ملاقاتوں کے بعد میں جان گیا تھا وہ شہرت سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہتے ہیں۔

آخر ایک روز میں نے اپنے ارادے کا اظہار کر ہی دیا۔

تمہیداً عرض کیا کہ سر کیوں نہ آپریشن خلافت 1995ء کے نام سے ایک کتاب لکھ کر عالم اسلام کے نوجوانوں کو آپریشن خلافت کے مقاصد سے آگاہ کیا جائے تاکہ **برصغیر کی اسلامی تاریخ میں آپریشن خلافت کو تحریک مجاہدین، تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت کے تسلسل کے طور پر یاد رکھا جائے تاکہ مستقبل کا کوئی ظہیر الاسلام عباسی، مستنصر باللہ، قاری سیف اللہ اختر خلافت کے قیام کو وجود میں لا کر امت مسلمہ کا احیاء کر سکے۔**

میں نہ پیشہ ور صحافی ہوں اور نہ ہی صحافت کا تجربہ ہے اس لئے بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے سوالات کرنے میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس کو درگزر کریں۔ ہاں البتہ اس بات کی یقین دہانی کرا سکتا ہوں جو کچھ وہ مجھے کہتے چلے گئے میں من و عن لکھتا چلا گیا۔ ہر جواب مکمل کرنے کے بعد میں دوسرے روز انہیں پڑھ کر سنا دیتا اس طرح میں جو کچھ ضبط تحریر میں لایا ان کا بیان کردہ ہے۔

یہ کتاب نہ تو ان کی کوئی تحریر ہے جو مہینوں سوچ بچار کے بعد لکھی جاتی ہے اور نہ ہی کوئی تقریر ہے عام اور سادہ الفاظ میں بغیر کسی دکھاوے اور بناوٹ کے سچے، کھرے خیالات ہیں جو کسی بھی سچے مسلمان کی سوچ کا مظہر ہو سکتے ہیں۔ ان خیالات و نظریات کا اظہار ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے کتاب آپریشن خلافت 1995ء مرتب ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں آپریشن خلافت کے مقاصد اور تمام تر حقائق خود بریگیڈیئر مستنصر باللہ کی یادداشت پر مشتمل ہیں۔

آپریشن خلافت کے فوجی افسران کے خلاف پیش کئے جانے والے اہم گواہوں کے بیانات، ان پر جرح اور بریگیڈیئر مستنصر باللہ کا ایک طویل اور فکر انگیز انٹرویو، خلافت اور جمہوریت

کے موضوع پر ایک تفصیلی بحث شامل ہے تاکہ اس کتاب کے قارئین کو نظامِ خلافت کی اہمیت کا احساس ہو جس کے لئے آپریشن خلافت میں حصہ لینے والے اراکین نے اللہ کی رضا اور دین کی سربلندی کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور جو ہمارے لئے اور ہماری آنے والی نوجوان نسل کے لئے مشعل راہ بن گئے۔

پوری کوشش کی گئی ہے کہ موضوع کے اعتبار سے اس میں پڑھنے والوں کے لئے کوئی تشنگی نہ ہو مگر کمی پھر بھی رہ جاتی ہے اس سے ضرور آگاہ کیجئے گا۔

بقول شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

اس کتاب کو مرتب کرنے کا مطلب کسی فردِ خاص یا افراد کی نظر میں سرخرو ہونا نہیں بلکہ اس کا مقصود انتہاء اپنے ربِ کریم کی خوشنودی اور سرورِ دوجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں سرخرو ہونا ہے۔ میں رب ذوالجلال کے حضور گریہ زاری کے ساتھ دعا گو ہوں کہ وہ میری اس ادنیٰ سی کوشش اور آپریشن خلافت کے تمام اراکین کی ان عظیم کوششوں اور قربانیوں کو اجر عظیم سے نوازے اور ان کی یہ کوششیں ان کے آباؤ اجداد اور اہل خانہ سب کے لئے نجات کا باعث ہوں۔
آمین

ندیم جبران
نیو سنٹرل جیل بہاولپور
13 اگست 2001ء

سوال نمبر 1: نظامِ خلافت کے نفاذ کا خیال آپ کو کب آیا' کیوں اور کیسے آیا؟ خواہش پاکستان کے حالات کی پیداوار تھی یا اس کے کوئی اور محرکات تھے جس کی بنا پر آپ کو 14 سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی؟

روشنی کی طرف

جواب: مجھے منیر نیازی کے مشہور زمانہ اشعار سے مدد لینی پڑے گی۔

کچھ یوں بھی راہیں مشکل تھیں کچھ گلے میں غم کا طوق بھی تھا
کچھ شہر کے لوگ بھی ظالم تھے کچھ ہمیں مرنے کا شوق بھی تھا

میں اس سلسلے میں سب سے پہلے تو اپنے صادق پبلک سکول بہاولپور کے اساتذہ جناب حبیب الرحمٰن صاحب اللہ تعالیٰ انہیں جزاء عطا فرمائے اور جناب علاؤ الدین شمس صدیقی مرحوم اللہ ان پر رحم فرمائے کا نہایت ممنون ہوں جنہوں نے ہمیں بڑے خلوص سے اسلامیات پڑھائی۔ جنہوں نے ہمیں حق اور سچ سے محبت اور باطل اور جھوٹ سے نفرت کا درس دیا اور علامہ علاؤ الدین شمس صدیقی مرحوم جو عاشق اقبال تھے انہوں نے نصابی کتابوں سے ہٹ کر ہمیں علامہ کے کلام سے روشناس کروایا۔ اس کے بعد میں والد محترم حمید اللہ ملک مرحوم کا احسان مند ہوں جو ہمیشہ مجھے نماز اور روزے کی تلقین کرتے تھے اور اس کے باوجود کہ میں ان کا ایک ہی بیٹا تھا فجر کی نماز کے لئے اٹھانے میں میرے ساتھ سختی برتتے تھے لیکن ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ "میری خواہش ہے کہ تم سوئے رہو اور میں تمہیں نیند سے بیدار نہ کروں لیکن بچوں کو فجر کی نماز کے لئے نہ اٹھانا درحقیقت اپنی اولاد سے دشمنی ہوتی ہے۔"

میں موسمی اور مطلبی نمازی تو بچپن ہی سے تھا یعنی امتحان کے دنوں میں نماز شروع کر دیتا اور نتیجہ نکلنے کے بعد چھوڑ دینی اور کبھی کسی مشکل اور پریشانی پر نماز پڑھ لینا اور جب پریشانی دور ہو جائے تو ترک کر دینا۔

1974ء میں جب کیپٹن تھا اور انفنٹری سکول کوئٹہ میں ہتھیاروں کا انسٹرکٹر تھا' مجھے پاکستان آرمی کی فائرنگ ٹیم کے ساتھ برطانیہ' امریکہ' ترکی اور ایرانی فوجی فائرنگ ٹیموں سے مقابلہ کے لئے انگلستان جانے کا موقع ملا۔ کچھ تو مسلمان ان کی تہذیب سے مرعوب ہو کر آتے ہیں اور پھر اسلامی دنیا میں ان کے نمائندے بن کر رہتے ہیں لیکن اللہ کے فضل و کرم سے ان کا معاشرہ دیکھ کر مجھ پر بالکل الٹ اثر ہوا اور زیادہ دکھ مجھے اپنے ہمراہی ساتھیوں سے ہوا جنہوں نے انگلستان میں داخل ہوتے ہی اپنا رنگ بدل لیا۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے میں رب ذوالجلال کے حضور اپنی استقامت کی دعا مانگتا رہا۔

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زناری

(اقبال)

اور اس طرح میں ایک نیا دکھ لے کر پاکستان کوئٹہ واپس آیا۔ کوئٹہ میں میرے والد صاحب کے ایک بزرگ دوست محترم گل محمد صاحب نے جو کہ آرمی میں آڈٹ آفیسر تھے میری دینی رہنمائی فرمائی۔

1974-75ء میں مجھے میرے ایک دوست اس وقت کیپٹن اور اب لیفٹیننٹ جنرل جاوید حسن نے ٹائن بی (Toynbee) کی کتاب پڑھنے کو دی اس لئے میں ان کا تاحیات ممنون رہوں گا۔ ٹائن بی (Toynbee) کی اس کتاب نے میری زندگی کو ایک نیا رخ دیا۔ آپ کے سوال کا جواب دینے کے لئے مجھے ٹائن بی کی تحقیق اور خیالات کا تفصیل سے ذکر کرنا ہوگا۔

تہذیبوں کا مطالعہ

برطانوی مؤرخ آرنلڈ جے ٹائن بی (Arnold J. Toynbee) دنیا کا سب سے بڑا تاریخ دان تسلیم کیا جاتا ہے جس کی کتاب اے سٹڈی آف ہسٹری (A Study of History)

نے گبن (Gibbon) کی کتاب دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر (The Decline and Fall of the Roman Empire) اور سپنگلر (Spengler) کی کتاب ڈیکلائن آف دی ویسٹ (Decline of the West) سے زیادہ شہرت حاصل کی۔

انسانی تاریخ کی یہ کتاب دس جلدوں پر مشتمل ہے جسے لکھنے میں 30 سال صرف ہوئے۔ ایک امریکی ڈی سی سمرویل (D.C. Somervell) نے اس کتاب کو دو جلدوں میں تلخیص کر دیا۔ گو اس نے اصل کتاب کو 1/5 حصہ میں تلخیص کیا مگر کمال مہارت سے ٹائن بی کے اصل الفاظ اور طریقے کار کو قائم رکھا۔ ٹائن بی نے 1920ء کی دہائی میں یہ کتاب لکھنا شروع کی اور 1953ء، 1955ء میں ختم کی۔

ڈی سی سمرویل (D.C.Somervell) کی دو جلدیں دوسری مرتبہ یونیورسٹی پریس نیویارک اینڈ لندن نے 1965ء میں شائع کیں۔ یہی دو جلدیں مجھے جاوید حسن صاحب نے دی تھیں۔ یہ ایک مشکل کتاب تھی۔ جب تک دنیا کا جغرافیہ، تاریخ، معاشیات، سیاسیات اور انگریزی ادب کا وسیع مطالعہ نہ کیا ہو اس کتاب کو سمجھنا مشکل ہے۔

ٹائن بی نے انسانی تاریخ کی تحقیق میں ابتداً ایک ایسے قابل فہم تاریخی یونٹ (Intelligible Unit of History) کو تلاش کیا جس کی تاریخ شروع سے آخر تک لکھ سکے۔ اس قابل فہم تاریخی یونٹ (Intelligible Unit of History) کے تمام سیاسی، معاشرتی، معاشی، جغرافیائی، روایتی، نسلی، لسانی اور مذہبی پہلوؤں کا تجزیہ کیا جا سکے۔

بادشاہوں کی تاریخ تو بادشاہوں کی کہانی تھی لوگوں کی نہیں۔ انسانی تاریخ کو جغرافیائی حصوں میں بانٹ کر اس کا تجزیہ کرنا بھی مشکل تھا کیونکہ بادشاہوں، مذاہب اور ثقافتوں کی حدود قدرتی جغرافیائی حدوں سے مطابقت نہ رکھتی تھیں۔ انسانی تاریخ کو لسانی بنیاد پر تقسیم کر کے تجزیہ کرنا بھی قدرے مشکل تھا کیونکہ زبان تقریباً ہر سو میل کے فاصلے کے بعد تبدیل ہو جاتی ہے۔ انسانی تاریخ کو موجودہ قومیتوں میں بانٹ کر ان کا تجزیہ کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر مملکت کی حدود درجنوں مرتبہ گھٹتی بڑھتی رہی ہیں۔ مثلاً تاریخی طور پر یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ ایک

علاقہ کئی بار کئی ملکوں کے قبضہ میں آتا اور جاتا رہا۔ ٹائن بی اپنے ملک برطانیہ کی مثال دیتا ہے کہ جو اس وقت کچھ جزیروں تک محدود ہے کسی وقت یہ ملک تمام یورپ پر پھیلا ہوا تھا۔ تقریباً ایک صدی تو اس کی مملکت تمام دنیا پر پھیلی ہوئی تھی جس میں مختلف لوگ، مذاہب اور تمدن شامل تھے۔ الغرض اس کو قابل فہم تاریخی یونٹ (Intelligible Unit of History) نہ مل سکا۔ وہ تحریر کرتا ہے کہ اگر عظیم برطانیہ قابل فہم تاریخی یونٹ (Intelligible Unit of History) نہیں ہوسکتا تو دنیا کا کوئی ملک بھی اس ضرورت پر پورا نہیں اتر سکتا۔

اس طرح اس نے عظیم برطانیہ کی تاریخ کے مختلف ادوار کا تجزیہ کیا۔

تجزیہ کے لئے وہ برطانیہ کی تاریخ کو موجودہ دور سے شروع کر کے اوائل کی تاریخ کی طرف لے گیا۔ ''دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام.....تو'' تاریخی ادوار مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) صنعتوں کا معاشی نظام (اٹھارہویں صدی کی آخری چوتھائی سے شروع ہوا)

(2) جمہوری پارلیمانی سسٹم (سترہویں صدی کی آخری چوتھائی سے شروع ہوا)

(3) مختلف براعظموں پر حکومت کا قیام (سولہویں صدی کی تیسری چوتھائی میں سمندری قزاقوں سے شروع ہوا اور بیرونی تجارت کی صورت میں دنیا پر پھیل گیا اور اس کے علاقے بڑھتے چلے گئے)

(4) تعمیر نو (سولہویں صدی کی دوسری دہائی سے شروع ہوا)

(5) نشاۃ ثانیہ (پندرہویں صدی کی آخری دہائی سے شروع ہوا)

(6) جاگیرداری نظام کا قیام (گیارہویں صدی سے شروع ہوا)

(7) انگریز کا پرانے ادیان کو چھوڑ کر مغربی عیسائیت کو قبول کرنا (چھٹی صدی کے اواخر میں اس کی ابتداء ہوئی)

ٹائن بی نے تاریخ کا تجزیہ کرتے ہوئے دیکھا کہ جو عوامل عمل پذیر ہیں وہ برطانوی قوم تک محدود نہیں بلکہ ان کی وجوہات بہت وسیع ہیں جو ہر جز پر اثر انداز ہیں اور جب تک ان اسباب کا کلی طور پر جائزہ نہ لیا جائے یہ جزوی طور پر سمجھ نہیں آتے لہٰذا ان کا پورے یورپی معاشرے پر اثر انداز ہونے کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ٹائن بی کے نزدیک

برطانیہ ایک جز ہے یل بہت بڑے کُل کا جسے وہ ایک "تہذیب" یا "سوسائٹی" قرار دیتا ہے جسے وہ مغربی عیسائی تہذیب (Western Christendom) قرار دیتا ہے۔ غرضیکہ اس نے دریافت کیا کہ صرف سوسائٹی (Society) یا تہذیب (Civilization) ایک قابل فہم تاریخی یونٹ (Intelligible Unit of History) بنتی ہے۔ اس نے یہ بھی دریافت کیا کہ اس تہذیب کی ابتداء 700 عیسوی میں یورپ میں ہوئی اور اس تہذیب کی پیدائش کا تعلق پہلے سے موجود ایک تہذیب سے تھا جسے وہ ہیلنک (Hellenic) اور گریکورومن سوسائٹی (Greeco-Roman Society) کا نام دیتا ہے۔ اس سوسائٹی کا آغاز ایجین جزیروں (Aegean Islands) میں 1100 ق م سے پہلے ہوا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ مغربی عیسائی تہذیب (Western Chirstendom) کے علاوہ اور بھی تہذیبیں موجود ہیں جو کہ ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ خاص طور پر تہذیب وتمدن میں اس طرح وہ لکھتا ہے کہ یقینی طور پر اس وقت دنیا کے اندر کم وبیش چار اور زندہ تہذیبیں موجود ہیں۔ یعنی اس وقت دنیا میں پانچ تہذیبیں موجود ہیں۔

1۔ مغربی عیسائی تہذیب (Western Christendom) یورپ اور امریکہ کا علاقہ

2۔ آرتھوڈوکس عیسائی تہذیب (Orthodox Christian Society) جنوبی مشرقی یورپ اور روس کا علاقہ۔ اب یہ مغربی عیسائی تہذیب کا حصہ بن چکی ہے اور دونوں کے مجموعہ کو مغربی تہذیب (Western Civilization) کہتے ہیں۔

3۔ اسلامی تہذیب (Islamic Civilization) پورا شمالی افریقہ، مشرق وسطیٰ، بحرالکاہل سے لے کر دیوارِ چین تک اور نیچے انڈونیشیا تک کا علاقہ۔ اس کی دو شاخیں ہیں۔ عرب اور فارس

4۔ ہندو سوسائٹی (Hindu Society) برصغیر کا علاقہ

5۔ مشرق بعید تہذیب (Far Eastern Society) وسط ایشیا کے اختتام سے یعنی منگولیا، چین کوریا، جاپان اور بحرالکاہل (Pacific Ocean) تک کا علاقہ

ٹائن بی کہتا ہے کہ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اگر ہم پچھلے ادوار کا جائزہ لیں اور 775 بعد از وفات مسیح کا وقت دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہی تہذیبیں اس وقت دنیا کے نقشہ پر موجود تھیں جیسا کہ آج موجودہ دور میں ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ معاشروں (Societies) سے ہم کیا سمجھتے ہیں۔

ٹائن بی لکھتا ہے کہ معاشرہ (Society) افراد کی سرگرمیوں کا ایک مشترکہ میدان ہے۔ ایک معاشرے کے رہنے والے افراد کی انفرادی اعمالی قوتیں' ایک معاشرے کی وہ ناگزیر اور اہم اعمالی قوتیں ہیں جن کے اثر پذیر ہونے سے اس تہذیب کی تاریخ بنتی ہے یہاں تک کہ افرادی اعمال یہ بھی تعین کرتے ہیں کہ اس تہذیب نے کب تک زندہ رہنا ہے۔

غرضیکہ قابل فہم تاریخی یونٹ (Intelligible Unit of History) نہ تو قومیت پر مبنی کوئی ملک ہے اور نہ ہی کوئی پوری انسانیت ہے بلکہ انسانوں کی سب سے بڑی گروہ بندی ہے جسے ہم نے ایک تہذیب کہا ہے۔

یہ تحقیق کرتے ہوئے کہ وہ کیا حالات تھے جس میں مغربی عیسائی تہذیب وقوع پذیر ہوئی ہم ایک اور تہذیب کے جائے مرگ پر پہنچتے ہیں جس سے مغربی عیسائی تہذیب نے جنم لیا یا بہتر الفاظ میں مغربی تہذیب اس سے مربوط ہے۔ اس طریقہ سے جب دوسری چار موجودہ تہذیبوں کی تاریخ کا تجزیہ کیا گیا تو یہ معلوم ہوا کہ ہر تہذیب پچھلی تہذیب سے منسلک تھی جو اب مٹ چکی ہیں۔ اس طرح اسے ایک موروثی تہذیب کہا جاتا ہے۔ ٹائن بی کہتا ہے کہ مجھے اسلامی تہذیب کی تحقیق میں معلوم ہوا کہ اسلامی تہذیب نے نہ تو کسی موروثی تہذیب سے جنم لیا اور نہ وہ کسی گذشتہ تہذیب سے منسلک تھی۔ مزید برآں اس نے یہ کہا کہ اگرچہ اسلام سنی اور شیعہ فرقوں میں بٹ گیا جیسا کہ عیسائی کیتھولک اور آرتھوڈوکس گرجاؤں میں تقسیم ہو گیا لیکن اسلام میں سنی شیعہ کی تقسیم نہ تو اتنی سخت تھی اور نہ ہی تاریخی نتائج کے لحاظ سے اتنی سنگین تھی جتنی کیتھولک اور آرتھوڈوکس گرجاؤں کی تھی۔ اس کے بعد ٹائن بی ان تہذیبوں کا ذکر کرتا ہے جو آج تک دنیا میں آ چکی ہیں۔ مختصر طور پر وہ یہ ہیں۔

1۔ مصری تہذیب (Egyptiac Civilization) ابتدائی تہذیب جس نے کسی

تہذیب سے جنم نہیں لیا۔ 4000 ق م دریائے نیل کے علاقہ میں ظہور پذیر ہوئی۔

2۔ اینڈین (Andean) ابتدائی تہذیب تھی جس نے کسی تہذیب سے جنم نہیں لیا۔ اینڈین ساحل پر ابتدائی عیسوی دور میں جنم لیا۔ یہ جنوبی امریکہ کے مغربی ساحل پر پھیلی ہوئی تھی۔

3۔ منوئن تہذیب (Minoan) ابتدائی تہذیب جس نے کسی تہذیب سے جنم نہیں لیا۔ اس سے ہیلنک اور سارئک (Hellenic and Syriac) تہذیبوں نے جنم لیا۔ اس نے Aegean جزائر میں 8000 ق م جنم لیا۔ یہ یونان اور ترکی کے قریبی سمندر میں پھیلے ہوئے جزائر کا علاقہ ہے۔

4۔ سنک تہذیب (Sinic) ابتدائی تہذیب تھی مشرقی بعید (Far Eastern) نے اس تہذیب سے جنم لیا۔ سنک تہذیب نے کسی تہذیب سے جنم نہیں لیا۔ اس نے چین میں 1500 ق م دریائے زرد (Yellow River) کی وادی میں جنم لیا۔

5۔ سومیرک (Sumeric) ابتدائی تہذیب تھی۔ اس تہذیب کا بھی یہ خاصہ ہے کہ اس نے کسی تہذیب سے جنم نہیں لیا جب کہ بیبلونک (Babylonci) اور ہٹائٹ (Hittite) تہذیبوں نے اس سے جنم لیا۔ اس نے دریائے فرات (Lower Tigris Euphrates Valley) کی وادی میں 3500 ق م جنم لیا۔

6۔ میعن (Mayan) تہذیب' یہ تہذیب بھی کسی پچھلی تہذیب کی مرہون منت نہیں اس سے یوکیٹک (Yucatic) اور میکسک (Mexic) تہذیبوں نے وسطی امریکہ کے جنگلوں میں 500 ق م جنم لیا۔

7-8۔ یوکیٹک اور میکسک (Yucatic and Mexic) تہذیبیں دونوں کی ابتداء معین (Mayan) تہذیب سے یوکیٹک (Yucatic) علاقہ میں 629 (بعد از وفات) ہوئی۔

9۔ ہٹائٹ (Hittite) تہذیب سومیرک (Sumeric) تہذیب سے معرض وجود میں آئی لیکن اس کا مذہب سومیرک (Sumeric) نہیں تھا۔ اس کی ابتداء شام سے اوپر

کے علاقہ Cappadocia میں ہوئی۔

10- شامی (Syriac) تہذیب' یہ تہذیب منوعن (Minoan) تہذیب سے منسلک تھی اس سے ایرانی اور عربی تہذیبیں منسلک ہوئیں 1100 ق م شام کے علاقہ میں جنم لیا۔

11- بیلونک (Babylonic) تہذیب' یہ تہذیب سومیرک (Sumeric) تہذیب سے قریبی طور پر منسلک تھی 1500 ق م عراق میں جنم لیا۔

12-13- ایرانی' عربی (Iranian, Arabic) اسلامی تہذیب (Islamic Civilization) یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب میں ضم ہو گئیں۔ یہ دونوں تہذیبیں شامی (Syriac) تہذیب سے منسلک تھیں اور 1516 (بعد از وفات) اسلامی تہذیب میں ضم ہو گئیں۔ ایرانی تہذیب کا علاقہ اناطولیہ' ایران اور دریائے اوکسس (Oxus River) تھا جبکہ عربی تہذیب کا علاقہ عرب' عراق' شام اور شمالی افریقہ تھا۔ ان تہذیبوں کی ابتداء 1300 (قبل مسیح) ہوئی۔

14- مشرقِ بعید (Far Eastern-Mainbody) اس تہذیب کا بڑا حصہ سنک (Sinic) تہذیب سے منسلک ہے اس کی ایک شاخ جاپان میں ہے جس کی ابتداء 500 (بعد از وفات) سے قبل چین میں ہوئی۔

15- مشرقِ بعید (Far Easten Japanese Offshoot) جاپانی شاخ یہ مشرقی بعید (Far Eastern) مین باڈی تہذیب کی شاخ ہے۔ اس کی ابتداء 500 (بعد از وفات) کے بعد جاپانی آرچی پلاگو (Japanese Archiplago) میں ہوئی۔

16- انڈک (Indic) تہذیب' یہ ابتدائی تہذیب تھی اس سے ہندو تہذیب نے جنم لیا۔ اس کی ابتداء دریائے سندھ اور گنگا کی وادیوں میں 1500 ق م میں ہوئی۔

17- ہندو (Hindu) تہذیب نے انڈک (Indic) تہذیب سے 800 (بعد از وفات) سے قبل شمالی ہندوستان میں جنم لیا۔

18- ہیلنک (Hellenic) تہذیب' منوعن (Minoan) تہذیب سے منسلک تھی لیکن زیادہ قریب بھی نہیں تھی۔ اس سے مغربی عیسائیت (Western Christendom)

اور آرتھوڈکس عیسائیت (Orthodox Christendom) یعنی مغربی تہذیب نے جنم لیا۔ اس تہذیب نے Aegean جزائر اور ساحلوں میں 1100 ق م جنم لیا۔

19۔ آرتھوڈوکس عیسائیت (Orthodox Christian Mainbody) ہیلنک (Hellenic) تہذیب سے منسلک ہے اس کی ایک شاخ روس میں ہے۔ اس کی ابتداء 700 (بعداز وفات) اناطولیہ میں ہوئی۔

20۔ آرتھوڈوکس عیسائیت روسی شاخ (Orthodox Christian Russian Offshoot) یہ آرتھوڈوکس عیسائیت مین بوڈی (Orthodox Christian Mainbody) کی ایک شاخ ہے اس کی ابتداء روس میں 1000 (بعداز وفات) ہوئی۔

21۔ مغربی عیسائیت (Western Christendom) تہذیب ہیلنک (Hellenic) تہذیب سے مغربی یورپ میں 1700 (بعداز وفات) قبل جنم لیا۔

ٹائن بی لکھتا ہے کہ ان اکیس تہذیبوں میں سے سولہ تہذیبیں ختم ہو چکی ہیں اور وہ پانچ تہذیبیں جن کا ذکر شروع میں کیا گیا ہے قائم ہیں۔

اگلا سوال یہ تھا کہ تہذیبیں کیسے جنم لیتی ہیں اور کیسے پھل پھول کر قائم ہوتی ہیں اور ترقی کرتی ہیں؟

ان اکیس تہذیبوں میں سے چھ تہذیبیں انسان کی ابتدائی زندگی کے بعد وجود میں آئیں اور پندرہ تہذیبوں نے کسی نہ کسی پچھلی تہذیب سے جنم لیا ماسوائے اسلامی تہذیب کے۔

عام طور پر یہ نظریہ رکھا جاتا تھا کہ یہ قومیں نسلی طور پر موجودہ تہذیبوں کے افراد سے برتر تھیں۔ ٹائن بی یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ نظریہ درست نہیں ہے۔ یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ سازگار حالات کی وجہ سے ابتدائی تہذیبیں وجود میں آئیں۔ وہ چھ تہذیبیں جنہوں نے خود اپنی ابتداء کی ان میں سے ایک تہذیب مصری تہذیب (Egyptiac Civilization) کا ہم جائزہ لیتے ہیں کہ وہ کیسے وجود میں آئی۔ ٹائن بی لکھتا ہے کہ تہذیبوں کے آغاز سے قبل شمالی افریقہ کا تمام علاقہ صحارا اور عربین ڈیزرٹ (Sahara and Arabian Desert) وافر پانی کے ساتھ ہرا بھرا تھا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ بارشیں کم ہوتی گئیں اور یہ تمام علاقہ بتدریج صحرا میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔

انسانوں کے ایک گروہ نے اپنی عادات کو بدل کر بدوی طرزِ زندگی اختیار کرلی۔ دوسری قسم کے لوگوں نے صحرا میں بدلتے ہوئے علاقے سے بچتے ہوئے جنوب کی طرف اور سکڑتے ہوئے سرسبز وشاداب سبز (Grassy) علاقوں میں رہائش رکھی اور اپنی پرانی طرزِ زندگی کو قائم رکھا اور تاحال اسی طرزِ زندگی پر قائم ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ دریائے نیل کے جنگلوں اور دریائی کچے علاقوں (Marshes) میں داخل ہوئے اور ہر آنے والی مشکل کا سامنا کیا۔ جنگلات صاف کئے۔ فصلوں کے لئے زمین تیار کی۔ رہنے کے لئے مکانات بنائے اور اس طرح مصری (Egyptiac) تہذیب وجود میں آئی۔ بقایا پانچوں ابتدائی تہذیبیں بھی کم وبیش اسی طرح وجود میں آئیں۔

اگلا سوال یہ ہے کہ تہذیبیں کیسے ترقی کرتی ہیں اور کیسے نشوونما پاتی ہیں یعنی:

1۔ قوموں کی ترقی کو جانچنے کے لئے ہمارے پاس کیا پیمانہ ہے؟ جب کوئی قوم جغرافیائی لحاظ سے پھیل رہی ہو ہمسایہ علاقوں پر قابض ہو رہی ہو تو کیا اس کا یہ مطلب ہے یہ تہذیب بڑھ رہی ہے؟

2۔ جب کوئی تہذیب مادی ٹیکنیک یعنی ٹیکنالوجی (Technology) میں ترقی کر رہی ہو تو کیا ہم یہ کہیں گے کہ یہ تہذیب (Civilization) بڑھ رہی ہے؟

ٹائن بی (Toynbee) مختلف مثالیں دے کر یہ ثابت کرتا ہے کہ ان میں سے کوئی نظریہ بھی درست نہیں۔ بعض اوقات تہذیب جنگیں جیتنے کے بعد جغرافیائی اعتبار سے بڑھ رہی ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ ٹوٹ چکی ہوتی ہے۔ اسی طرح زرعی اور صنعتی ترقی (Technology) تہذیبوں کی ترقی کا کوئی پیمانہ نہیں۔ ٹائن بی (Toynbee) کہتا ہے کہ **اصل مسئلہ بیرونی نہیں بلکہ اندرونی ہے، مادی نہیں بلکہ روحانی ہے۔**

ٹائن بی کہتا ہے کہ فرد اور تہذیب کا آپس میں جو رشتہ ہے اس کے بارے میں دو روایتی نظریئے رکھے جاتے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ تہذیب محض افراد کا مجموعہ ہے جس میں افراد آزاد ذرات (Atoms) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ تہذیب ایک جاندار چیز ہے اور افراد محض اس کے سیلز (Cells) اور ممبرز (Members) ہیں۔ کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ

مندرجہ بالا دونوں نظریئے درست نہیں۔

ٹائن بی کہتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ تہذیب افراد کے درمیان تعلقات کا ایک اہم نظام ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات استوار کیے بغیر کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور تہذیب انسانوں کے دائرہ اعمال کا ایک مشترکہ میدان ہے لیکن اعمال و افعال کا سرچشمہ افراد ہیں اور تمام تر ترقی کی ابتداء چند تخلیقی افراد سے یا معاشرے کی چھوٹی اقلیت سے ہوتی ہے۔ یہ چند افراد دو کام کرتے ہیں۔ ان کا پہلا کام ہوتا ہے نظریئے کا حصول یا ''دریافت'' وہ خواہ کچھ بھی ہو۔ ان کا دوسرا کام اپنے معاشرے اور تہذیب کے لوگوں کو اس نئی طرزِ زندگی پر ڈھالنا ہوتا ہے۔

لوگوں میں یہ تبدیلی (Theoretically) دو طریقوں سے ہوتی ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ تمام لوگ اسی کیفیت اور تجربے سے گزریں جس سے وہ چند تخلیقی افراد گزرے اور دوسرا یہ ہے کہ وہ تمام لوگ ان کے ظاہری طریقوں کی نقل کریں یعنی میمز (Mimesis) سے۔ حقیقتاً دوسرا طریقہ ہی واحد طریقہ ہے۔ میمز (Mimesis) ایک چھوٹا لیکن یقینی راستہ ہے جس سے تمام تر لوگ اور تمام قسم کے افراد مجموعی طور پر اپنے رہنما کی پیروی کر سکتے ہیں اور تہذیب کی ترقی ہو سکتی ہے، تہذیب بڑھ اور پھیل سکتی ہے۔

ان چند تخلیقی یا اقلیتی افراد کے میمز (Mimesis) کو زوال پذیر تہذیب کے اندرونی اور بیرونی پرولوٹیریٹز (Internal and External Proletariats) اختیار کرتے ہیں۔ اس تمام تحقیق میں لفظ پرولوٹیریٹ (Proletariat) سے ٹائن بی کا مطلب ہے کہ ایسے لوگوں کا گروہ جو ایک تہذیب میں موجود ہوتا ہے لیکن ذہنی اور دلی طور پر اس تہذیب کی تاریخ کے اس دور میں اس کا حصہ نہیں ہوتا۔ جتنی تیزی اور وسعت سے ان چند لوگوں کے میمز (Mimesis) دوسری تہذیب کے اندرونی اور بیرونی پرولوٹیریٹز (Inernal and External Proletariats) میں پھیلتے ہیں اتنی تیزی سے یہ نئی تہذیب پروان چڑھتی ہے اور بڑھتی ہے۔

اس کے بعد ٹائن بی (Toynbee) اپنے اس نظریہ کے ثبوت میں ایسے لوگوں کی مثالیں پیش کرتا ہے جن کے میمز (Mimesis) کی بہت تیزی سے تقلید کی گئی۔ ٹائن بی اس ضمن میں حضرت محمد ﷺ کا ذکر کرتا ہے اور سینٹ پال (St. Paul) سینٹ بناڈکٹ

(Michiavelli) بدھا' مکیاولی (St. Gregory)' سینٹ گریگری (St. Benedict)
اور دانتے (Dante) کے نام لیتا ہے۔

تہذیب کے پروان چڑھنے میں کچھ اور عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ مثلاً

1۔ دشوار گزار علاقوں میں جیسا کہ دریائے زرد (Yellow River) اور دریائے نیل کے جنگلاتی علاقوں میں پہلی تہذیبیں پروان چڑھیں۔

2۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ علاقے جہاں پچھلی تہذیب نے زیادہ پیش رفت نہیں کی وہاں بھی نئی تہذیب پروان چڑھتی ہے۔

3۔ ہیلنک (Hellinic) اور باقی تمام تہذیبوں کی تاریخ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اچانک تباہ کن شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یہ شکست ہارنے والی تہذیبوں میں نئی زندگی کے لئے ہیجان پیدا کر کے ان کے اعمالوں کی درستگی اور اگلی جوابی جنگ جیتنے کے لئے تیار کرتی ہے۔

تہذیب کا ٹوٹنا اور خاتمہ

ٹائن بی (Toynbee) خود سے سوال کرتا ہے کہ موت کا وہ کون سا دروازہ تھا جس سے پھلتی پھولتی سولہ تہذیبیں دم توڑ گئیں۔ کیا مغربی تہذیب اور اس وقت کی باقی زندہ تہذیبوں کا بھی یہی حشر ہوگا؟ اگر ایسا ہے تو یہ تہذیبیں کتنا عرصہ اور زندہ رہیں گی؟ ان کے جواب کے لئے ٹائن بی نے ان وجوہات کو جاننے کی کوشش کی جن سے کسی تہذیب میں ٹوٹنے (BreakDown) کا عمل ہوتا ہے اور آخر وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ ٹائن بی کی تحقیق کا دوسرا حصہ انہی سوالات کے جوابات پر مبنی ہے لیکن جواب دینے سے پہلے ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ تہذیبیں ایک دوسرے سے مختلف 'کیوں' اور 'کیسے' ہیں۔ ٹائن بی کے خیالات کی ایک امریکی ملٹری سکالر سیموئیل ہنٹنگٹن (Samuel Huntington) نے قابل قدر وضاحت کی ہے۔ ہنٹنگٹن (Huntington) سوال کرتا ہے کہ جب ہم تہذیبوں کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہماری کیا مراد ہوتی ہے؟ اس کی وضاحت میں وہ لکھتا ہے کہ تہذیب ایک تمدنی وجود ہے جس میں مذہب' گروہ' فرقے' قومیں'

زبانیں اس کے وجود کا حصہ ہیں۔ مثال کے طور پر جنوبی اٹلی کے ایک دیہات کا کلچر شمالی اٹلی کے کسی دیہات کے کلچر سے مختلف ہے۔ لیکن دونوں اطالوی ثقافت کا حصہ ہیں جو کہ جرمن ثقافت سے مختلف ہے۔ اسی طرح جرمنی کے دیہاتوں کی ثقافت یورپی معاشرے سے ملتی جلتی ہے اس طرح تمام یورپی ثقافت ایک دوسرے سے نزدیکی مشابہت رکھتی ہے لیکن یورپی ثقافت اسلامی اور چینی ثقافت کے ساتھ کسی بھی طرح سے مشابہت نہیں رکھتی۔ یعنی مغربی لوگ، مسلمان اور چینی کسی ایک بڑی تہذیب کا حصہ نہیں ہیں بلکہ یہ الگ الگ تہذیبیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ **تہذیب انسان کی سب سے بڑی گروہ بندی ہے اور ان تہذیبوں کے لوگوں میں سوائے اس کے کہ یہ سب انسان ہیں کوئی قدر مشترک نہیں پائی جاتی۔** تہذیب کا تعین اور پہچان میں اس کے مقاصد اس کے جزو یعنی مذہب، تاریخ، زبان، روایات اور تمدن شامل ہیں۔ یہ سب تہذیب کا جزو ہیں۔ اس طرح کسی بھی دو تہذیبوں میں مماثلت صرف یہ ہے کہ دونوں تہذیبوں کے افراد انسان ہیں۔ تہذیبیں متحرک (Dynamic) ہوتی ہیں۔ وہ اُبھرتی اور ڈوبتی ہیں۔ مختلف راستے اختیار کرتی ہیں اور دوسری تہذیبوں میں ضم بھی ہو جاتی ہیں اور جیسے ٹائن بی کہتا ہے کہ یہ ٹوٹ جاتی ہیں اور پارہ پارہ (Disintegrate) ہو جاتی ہیں، نظر آنا بند ہو جاتی ہیں اور وقت کی ریت میں دفن ہو جاتی ہیں۔ ٹائن بی کی طرح ہنٹنگٹن (Huntington) بھی یہ کہتا ہے کہ مغربی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ملک (Nation States) دنیا کے معاملات میں سب سے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسا رہا ہے مگر صرف چند صدیوں کے لئے۔ ان چند صدیوں کو چھوڑ کر انسانی تاریخ میں سب سے اہم کردار اور حصہ تہذیبوں کا ہی ہے۔

ٹائن بی کہتا ہے کہ تہذیبوں کی دوڑ بہت لمبی دوڑ ہوتی ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کچھ افراد کسی سو میل اونچی دیوار کی طرح چٹان (Cliff) پر چڑھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اس اونچی چٹان میں بڑے بڑے ہموار پتھر (Ledges) نکلے ہوئے ہوں۔ کسی ایک جھلک میں ہم کسی ایک چٹان کو دیکھیں کہ ایک آدمی ہموار پتھر (Ledge) پر لیٹا ہوا ہے، دوسرا جھکا ہوا ہے، تیسرا کھڑا ہوا ہے اور چوتھا چٹان پر ہموار پتھر (Ledge) کے قریب سے چڑھ رہا ہے تو یہ سمجھنا غلط ہو گا کہ جو آدمی اس وقت چٹان پر چڑھ رہا ہے وہ لیٹے ہوئے آدمی سے مقابلہ جیت

جائے گا۔ اسی طرح کسی ایک وقت کو دیکھ کر کسی تہذیب کے مقدر کا تعین کر دینا کہ وہ ٹوٹ چکی ہے یا دوسری تہذیب میں ضم ہو رہی ہے درست نہیں ہے۔ غرضیکہ کسی بھی تہذیب کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے کہ وہ ٹوٹ چکی ہے یا پارہ پارہ (Disintegrate) ہو چکی ہے ہمیں اس تہذیب کی کئی صدیوں کی تاریخ کا جائزہ لینا پڑے گا۔

اس کے بعد ٹائن بی نے تہذیبوں کے ٹوٹنے کے اسباب کے سلسلے میں مختلف نظریات کا تجزیہ کیا ہے۔ اس نے ہر مقولے (Hypothesis) کی روشنی میں مٹ جانے والی تہذیبوں کا الگ الگ جائزہ لیا تاکہ وہ ان مقولوں (Hypothesis) کے 'غلط' یا 'صحیح' ہونے کا فیصلہ کر سکے۔

1۔ ایک مکتبہ فکر کا استدلال یہ ہے کہ تہذیبیں ایسی وجوہات سے ٹوٹتی ہیں جو انسان کے بس میں نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ہیلنک (Hallenic) تہذیب کے دوران یہ سمجھا جاتا تھا کہ تہذیبیں کائناتی تبدیلیوں کی وجہ سے ٹوٹ کر ناپید ہو جاتی ہیں۔ سائنس نے اس نظریئے کو رد کر دیا۔ سائنسدانوں کا یہ نظریہ ہے کہ کائنات کی تمام مادی چیزیں حرارت میں تبدیل ہو کر ختم ہو جائیں گی لیکن وہ وقت ہمارے تصورات سے دور ہے۔

2۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تہذیبیں نسلی زوال پذیری (Racial Degeneration) کی وجہ سے ٹوٹتی ہیں اور آخرکار ختم ہو جاتی ہیں۔ ٹائن بی یہ کہتا ہے کہ یہ مفروضہ تانگے کو گھوڑے سے آگے لگانے کے مترادف ہے۔ نسلوں کا زوال (Racial Degeneration) معاشرتی زوال کا نتیجہ ہے معاشرتی زوال کی وجہ نہیں۔ یعنی نسلی زوال معاشرتی زوال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نسلی زوال اس لئے ہوتا ہے کہ معاشرے کے بگاڑ کی وجہ سے آنے والی نسلوں کو اپنی خداداد صلاحیتوں کے اظہار اور استعمال کے لئے کوئی میدان نہیں ملتے۔

3۔ علاوہ ازیں ایک اور نظریہ جو پلاٹو (Plato) نے قائم کیا تھا اس کے مطابق تمام کائنات ایک دائرے کی شکل میں چل رہی ہے۔ گھومتے ہوئے چاند، سورج اور زمین اس بڑے فلکی نظام کا حصہ ہیں جو خود ایک دائرے میں سفر کر رہا ہے اور جیسا کہ اس فلکی نظام میں سبزہ اُگتا مرتا اور پھر اُگتا ہے تہذیبیں بھی اسی طرح پیدا ہوتی ہیں اور ختم ہو

جاتی ہیں۔ پھر پیدا ہوتی ہیں اور پھر مر جاتی ہیں یا ناپید ہو جاتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہ تاریخ خود کو دھراتی ہے۔ ٹائن بی اس نظریہ کو رد کرنے کے لئے ایک لمبی بحث کرتا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ایک پہیہ گھومتا ہے لیکن وہ گھومتے گھومتے ختم نہیں ہوتا اور گاڑی کو منزل کی طرف لے جاتا ہے' اس طرح تہذیبوں کے پیدا ہونے اور ختم ہونے میں انسان کی ترقی پوشیدہ ہے۔

4- تہذیبوں کی ترقی کی وجوہات کا جائزہ لیتے ہوئے ہم نے یہ دیکھا تھا کہ تہذیبیں اس لئے ترقی نہیں کرتیں کہ جغرافیائی طور پر پھیل رہی ہیں اور ٹیکنالوجی (Technology) میں ترقی کر رہی ہیں۔ ان دو چیزوں میں ترقی تہذیب کی ترقی کی وجوہات نہیں ہوتی۔ بعض اوقات تہذیبیں ان دونوں میدانوں میں ترقی کے باوجود ٹوٹ رہی ہوتی ہیں۔ اسی طرح ٹیکنالوجی میں زوال' تہذیب کے زوال کا نتیجہ ہوتا ہے اس کا سبب نہیں۔ ٹائن بی لکھتا ہے کہ گبن (Gibbon) کا نظریہ کہ رومن سلطنت کا زوال اور ٹوٹنا جنگوں کے ہارنے کی وجہ سے ہوا غلط ثابت ہوا بلکہ جس وقت رومن سلطنت پر حملے ہوئے اس وقت سے پہلے ہی اس کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ آخر میں ٹائن بی نے بہت سی تہذیبوں کی مثالیں دے کر یہ ثابت کیا کہ ان پر جارحانہ حملے اس وقت کامیاب ہوئے جب وہ ٹوٹ چکی تھیں۔

ٹائن بی تہذیبوں کے ٹوٹنے کی وجوہات کے تمام نظریات کی تحقیق کرنے کے بعد انہیں رد کر دیتا ہے اور اپنی تحقیق کا لب لباب پیش کرتا ہے کہ تہذیبوں کا ٹوٹنا (BreakDown) ان تین وجوہات سے ہوتا ہے۔

1- تہذیب کی اقلیت میں تخلیقی قوت ختم ہو جاتی ہے اور وہ محض ایک تسلطی' جابرانہ قوت بن جاتی ہے۔

2- نتیجتاً اس تہذیب کی اکثریت تہذیب کے میمز (Mimesis) کو چھوڑتی چلی جاتی ہے۔

3- اوپر والی دو وجوہات کی بناء پر اس تہذیب میں معاشرتی وحدت ختم ہو جاتی ہے۔ جس

سے اس کے ٹوٹنے (BreakDown) کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔

ٹائن بی کہتا ہے جب ہم مندرجہ بالا تینوں وجوہات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی بھی تہذیب کے ٹوٹنے کی سب سے بڑی اور اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان افراد کی اکثریت اس تہذیب کے میمز (Mimesis) کو ترک کر چکی ہوتی ہے۔ دوئم یہ کہ اگر اس صورت میں جب اکثریت اپنے میمز (Mimesis) چھوڑ چکی ہو اور کوئی دوسری تہذیب کے میمز (Mimesis) اپنا لے تو اس تہذیب کا زوال اور ٹوٹنا (BreakDown) بہت تیز ہو جاتا ہے اور وہ دوسری تہذیب میں تیزی سے ضم ہو جاتی ہے۔

تہذیبوں کا ٹکراؤ

دوسرے الفاظ میں تہذیبوں کی جنگ درحقیقت تہذیبوں کے میمز (Mimesis) کی جنگ ہوتی ہے۔ جس تہذیب کے میمز (Mimesis) پھیلتے چلے جائیں وہ تہذیب ترقی کرتی جاتی ہے اور جو تہذیب اپنے میمز (Mimesis) کو چھوڑ دے وہ ٹوٹ کر ختم ہو جاتی ہے۔ ٹائن بی آخر میں لکھتا ہے کہ ان موجودہ زندہ تہذیبوں میں تمام تہذیبیں ٹوٹ چکی ہیں سوائے مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے۔ اسلامی تہذیب کے علاوہ تمام تہذیبیں مغربی تہذیب میں ضم ہوتی جا رہی ہیں۔ اس وقت مغربی تہذیب کی جنگ اسلامی تہذیب کے ساتھ ہے۔ مغربی تہذیب کی اس یلغار کا پلڑا بھاری نظر آ رہا ہے لیکن یہ تعین کرنا کہ کون سی تہذیب یہ جنگ جیتے گی قبل از وقت ہوگا۔ کتاب کے آخر میں ٹائن بی مغربی تہذیب کے مستقبل کے بارے میں بڑی طویل بحث کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تہذیبوں کے عروج اور زوال کا معاملہ مادی نہیں بلکہ روحانی ہے۔ وہ افسوس کرتا ہے کہ اس کی تہذیب اپنے آباؤ اجداد کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے صحیح تصور سے بھٹک چکی ہے۔ اب اس کی تہذیب سترہویں صدی سے قومیت (Nationalism) کے بت کی پرستش کر رہی ہے۔ اس کے بعد اس کی تہذیب میں یہ رغبت (Temptation) پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ مکمل انسانیت کو متبادل بت بنا دے اور قومیت (Nationalism) کے بت کو چھوڑ کر انسانیت کے بت کو پوجنا شروع کر دے۔ وہ لکھتا ہے کہ ہم بھول گئے ہیں کہ ہیلنک

(Hellenic) تہذیب نے بھی مکمل انسانیت کو بت یا خدا بنایا تھا لیکن وہ ٹوٹ کر ختم ہوگئی۔ اب دو ہزار سال بعد مغربی تہذیب کا بھی ہیلنک (Hellenic) تہذیب جیسا انجام ہوسکتا ہے۔

ٹائن بی کہتا ہے کہ وہ سطح جس پر یہ روحانی جنگ لڑی جاتی ہے وہ حربی ہے نہ معاشرتی، نہ معاشی اور نہ ہی ذہنی ہے۔ وہ نازک سوالات اور مسائل جن سے مغربی فرد کو سامنا ہے وہ تمام مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ مغربی تہذیب نے خود کوئی بتوں کی پرستش پر لگایا ہے لیکن ان بتوں میں سب سے بڑا قومی عصبیت کی بنیاد پر قائم ہونے والی مملکت (Nation State) کا بت ہے جسے گروہی مملکت (Parochial State) کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ جھوٹا مذہب یعنی گروہی مملکت کی عبادت ہی تھی جو ان سولہ تہذیبوں کی موت کا سبب بنی۔ آخر میں وہ مغربی تہذیب کی زندگی کے بارے میں بہت نا اُمید نظر آتا ہے پھر کہتا ہے وہ سیکولرازم (Secularism) لادینیت جس میں یہ دل برداشتہ مغربی تہذیب سترہویں صدی سے دھنس گئی اس میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ مغربی ارواح کے لئے یہ ناقابل برداشت ہو جائے گا کہ وہ زیادہ دیر مذہب کے بغیر رہیں۔ روحانی خلا نے مغربی لوگوں کو مختلف بتوں جیسے نیشنلزم (Nationalism) اور کمیونزم کی پوجا پر لگا دیا۔ دلبرداشتہ پیروکاروں نے مذہبی رواداری (Tolerance) کو ابتدائی طور پر آسان جانا لیکن اب جھوٹے خداؤں کو آزمانے کے بعد سترہویں صدی کی آغوش میں پلنے والی لادینیت (Secularism) کسی مذہب کے آگے دم توڑ جائے گی۔

سیکولرازم کی تعریف جو دی کیمبرج انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (The Cambridge Encyclopaedia, Britannica 1911) میں اس طرح ہے۔ "سیکولرازم کا لب لباب یہ ہے کہ انسان کی اخلاقی اقدار کا معیار صرف موجودہ دنیاوی زندگی کی فلاح ہے جس میں خدا اور اگلے جہان کا کوئی تصور نہیں۔"

ٹائن بی کی تحقیق اور بریگیڈئیر مستنصر باللہ

اب تک میں نے جو کہا وہ ٹائن بی کے خیالات اس کی زبان اور اس کے الفاظ ہی میں تھا۔ یہ ٹائن بی کی انسان کے بارے میں کہانی تھی۔ اب میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

ٹائن بی نے میرے ساتھ کیا کیا؟ اس نے مجھے دنیا کے حقائق سے آشنا کر دیا۔ انسان کی تخلیق کا مقصد بتایا، حق اور باطل کے درمیان دائمی جنگ کے بارے میں معلومات دیں۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ مختلف تہذیبوں کے درمیان ایک سنگین جنگ جاری ہے اور تہذیب کی کامیابی کا راز اس کے میمز (Mimesis) کسی بڑے کی پیروی میں ہے۔ اگر کوئی تہذیب قائم رہنا چاہتی ہے اور دوسری تہذیبوں کو توڑ کر اپنے اندر ضم کرنا چاہتی ہے تو اسے اپنے میمز (Mimesis) کی حفاظت کرنا ہو گی، دفاع کرنا ہوگا، عزت اور محبت کرنا ہو گی اور صرف یہ ہی نہیں اس کو دوسری تہذیبوں کے میمز (Mimesis) سے خود کو دور اور بچا کر رکھنا ہوگا۔

تہذیبوں کی جنگ میں نہ تو کوئی دوست تہذیب ہے اور نہ کوئی غیر جانبدار تہذیب، خاص طور پر اس وقت جبکہ ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے دنیا ایک زمینی گاؤں (Global Village) بن رہی ہے۔ تہذیبوں کا ٹکراؤ ناگزیر (Inevitable) ہو چکا ہے۔ تہذیبوں کی اس جنگ کا کوئی تماشائی نہیں ہے اور نہ ہی کسی تہذیب کے افراد یہ لڑائی دیکھنے کے لئے اکھاڑے (Arena) کے باہر بیٹھے ہیں۔ صرف ایک اکھاڑا ہے (سکڑتی ہوئی دنیا) اور پانچ بلکہ اب صرف دو (Gladiator) تہذیبیں اپنی بقاء کے لئے لڑ رہی ہیں اور صرف قدرت دیکھ رہی ہے۔ ہم چاہیں نہ چاہیں پسند کریں نہ کریں اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ جنگ لڑنا ہو گی اور اگر ہم زندہ نہیں رہنا چاہتے تو مرنے سے پہلے مار کھانی پڑے گی۔

جب ہم نچلی سطح پر آتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر تہذیب اور ہر کمیونٹی میں ہر فرد اس گھمسان کی جنگ میں موجود ہے۔ ہر فرد کو قدرت نے اختیار دیا ہے کہ وہ اس میدان میں رہتے ہوئے لڑے اور اپنے رہنما کی پیروی کرے یا اپنی وفاداری تبدیل کر کے دوسری تہذیب کے میمز (Mimesis) کو اپنا لے اس کی پیروی کرے اور اس طرح دشمن تہذیب میں شامل ہو جائے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ کتاب پڑھنے کے بعد مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ یہ میمز (Mimesis) کسی بڑے کی پیروی ہے جو اس ناگزیر جنگ میں تہذیبوں کے مقدر کا فیصلہ کرتی ہیں۔

آغاز میں تو مجھے اندازہ نہ ہوا کہ یہ میمز (Mimesis) کیا ہیں اور ان کے پیچھے کیا

فلسفہ پنہاں ہے۔ پھر میں نے خود سے یہ سوال کیا کہ اسلامی تہذیب کے میمز (Mimesis) کیا ہیں؟ اور کسی نے خاموشی سے یہ جواب دیا کہ افسوس (اپنی اس وقت 25 سالہ زندگی میں) یہ بھی معلوم نہ ہو سکا! کیا فائدہ کتابیں پڑھنے اور ڈگریاں حاصل کرنے کا؟ اسلامی تہذیب کے میمز (Mimesis) ہمارے پیغمبر ﷺ کی سنت ہی تو ہے۔ اس طرح مجھے معلوم ہوا کہ جب تک مسلمان حضور ﷺ کی سنت پر قائم رہیں گے اسلامی تہذیب قائم رہے گی۔ اسلامی تہذیب اس وقت تک ٹوٹ ہی نہیں سکتی جب تک مسلمان حضور ﷺ کی سنت کو ترجیح دیتے رہیں گے، احترام کرتے رہیں گے، محبت کرتے رہیں گے اور نتیجتاً اس پر قائم رہیں گے۔ یعنی اسلامی تہذیب کی بقاء مسلمانوں کے اتباعِ رسول میں ہے۔

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے — واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

اس دور میں سب مٹ جائیں گے، ہاں باقی وہ رہ جائے گا — جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے

اے شیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہل بصیرت کہتے ہیں — گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے

اقبال ٹائن بی کے کتاب لکھنے سے پہلے وفات پا چکے تھے انہیں اس دائمی حقیقت کا کیسے علم ہوا؟ پھر اقبال نے کہا!

کی مسلماں نے ترقی جو فرنگی بن کر — یہ فرنگی کی ترقی ہے مسلمان کی نہیں

اقبال ٹائن بی کو جانتے بھی نہ ہوں گے لیکن پھر اقبال نے برملا کہا۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم — اک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے — قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف

فطرت افراد سے اغماز بھی کر لیتی ہے — کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

انہوں نے کیسی تاریخی حقیقت بیان کی کہ اگر ملت نے حضور ﷺ کی سنت کی ناقدری کی اور اسے نظر انداز کیا تو اس کی تہذیب نہ صرف زمین بوس ہو جائے گی بلکہ اس کا نام ونشان بھی مٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ قوموں اور تہذیبوں کے گناہوں کو معاف نہیں کرتا۔ تاہم اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے کہ قومیں اپنے اعمال کو درست کر لیں ورنہ قوموں کو مکافات عمل کے قانون کے تحت اپنی بداعمالیوں کی سزا بہر حال بھگتنا پڑتی ہیں۔

نائن بی نے جس راز کو پانے کے لئے 30 سال صرف کئے اقبال وہ راز چشم زدن میں پا گیا۔ ان کی معلومات کا ایک اندرونی ذریعہ تھا ان کا استاد' ان کا رہنما' ان کے لئے روشنی کے مینار یعنی عشق رسول ﷺ۔ پھر مجھے خیال آیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا! (ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں)

"جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے۔" (ابوداؤد)

میں اس حدیث کے بارے میں پہلے بھی علم رکھتا تھا لیکن حضور ﷺ کے فرمان کے حقیقی معنی اور گہرائی کا احساس مجھے اب ہوا۔

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔ "نصارا دائیں سے مانگ نکالتے ہیں' یہودی بائیں سے مانگ نکالتے ہیں تم درمیان سے مانگ نکالو۔"

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔ "یہودی ایک عید کرتے ہیں' ہم دو عیدیں کریں گے۔"

الغرض ایک ایک قدم اور ایک ایک گھڑی اسلامی تہذیب کے میمز (Mimesis) یعنی سنت رسول ﷺ اور مغربی تہذیب کے میمز (Mimesis) میں مکمل تضاد ہے۔ ظاہری شکل و صورت' ہماری مانگ درمیان میں ہے ان کی بائیں طرف۔ ہمارے چہروں پر مونچھیں کٹی ہیں اور داڑھی سجی ہے ان کے چہروں پر مونچھیں بڑی ہیں اور داڑھی ندارد۔ بغلوں کے بالوں اور زیر ناف صفائی ہمارے لئے لازمی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے۔ ختنے ہمارے مذہب کا ضروری حصہ ہیں' لباس ہمارے ستر ہیں اور وہ چاہیں تو بے لباس پھر سکتے ہیں۔ ہمارے مرد اور عورتوں میں پردہ ہے اور وہ جانوروں کی طرح بے حجاب۔ ہمارے کھانے پینے کا طریقہ بھی سنت کے مطابق ہے' بیٹھ کر کھانا' بیٹھ کر پینا۔ ان کے مختلف طریقے ہیں رواج اور مالی حیثیت کے مطابق۔ ہمارا صبح کو اٹھنے کا طریقہ سنت کے مطابق' غسل خانے جانے اور نہانے' باہر آنے کا طریقہ سب سنت کے مطابق ہے جو ہماری تہذیب کے میمز (Mimesis) ہیں۔ اس طرح صبح سے لے کر رات تک ہر منٹ' ہر گھڑی' ہر عمل اور ہر حرکت میں ہمارے اور مغربی تہذیب کے میمز (Mimesis) میں تضاد ہیں۔ اسلامی تہذیب ایک ایسی فلک بوس عمارت کی طرح ہے جو توحید کے پلاٹ (Plot) پر بنی ہے جس کی بنیادیں خوفِ خدا سے بہت گہری ہوں' اس کی دیواروں اور چھتوں کی اینٹیں' سیمنٹ' کرش اور لوہا سنت رسول ﷺ ہو۔ اخلاقِ رسول ﷺ اس کی فنشنگ

(Finishing)، فرنیشنگ (Furnishing) اور سجاوٹ (Decoration) ہوں، عشق رسول ﷺ سے اس عمارت میں توانائی ہو، عمارت کے لوگوں کی ذہنی نشوونما (Mental Growth) اطاعت رسول ﷺ سے ہوئی ہو اور دل عشق رسول ﷺ سے سرشار ہوں اور حضور ﷺ کا مقصد حیات یعنی دنیا میں دین کی بالا دستی ان کا مقصد حیات ہو۔ میں حضور ﷺ کی سنت کی اہمیت میں کھویا ہوا تھا کہ ایک بار پھر اقبال نے کہا "تم اب اتنے حیران کیوں ہو، میں نے نہ کہا تھا۔"

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

وفا کیا ہے؟ تقریریں؟ نہیں وفا عمل ہے۔ مجھے حضور ﷺ کے اس فرمان کی گہرائی کا ادراک صحیح معنوں میں اب ہوا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا!

"جو ایسے وقت میری سنت کو پکڑے گا جب وہ مٹ رہی ہوگی اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔"

کیوں؟ وہ اس لئے کہ جب ایک مسلمان ایک مٹتی ہوئی سنت کو زندہ کرتا ہے تو وہ حضور ﷺ کی امت کی زندگی دراز کر رہا ہوتا ہے اور اگر پچاس سالوں یا سو سالوں کے بعد بھی مسلمان جہاد کے لئے ہتھیار اٹھائیں گے تو اس فرد کا آنے والے مسلمانوں کے جہاد اور شہادت میں پورا پورا حصہ ہوگا۔ میدانی جنگ کبھی کبھی لڑی جاتی ہے میمز (Mimesis) کی جنگ ہر وقت اور تمام عمر لڑنی ہوتی ہے۔

برصغیر میں کلیسائی نظام تعلیم اور کالے صاحبوں کا وجود میں آنا

کچھ دیر پہلے میں نے اہل کلیسا کے نظام تعلیم کا ذکر کیا تھا۔ وضاحتاً عرض کرنے کی

جسارت کر رہا ہوں۔ علامہ اقبال کو انگریزوں کے ٹھونسے ہوئے نظامِ تعلیم کی حقیقت معلوم تھی۔
1857ء کی جنگ آزادی کے بعد لارڈ میکالے (Lord Macualay) کو برطانیہ کی سرکاری طرف سے کام سونپا گیا کہ وہ برصغیر کے 'جاہل اور اجڈ' لوگوں کے لئے ایک نیا نظامِ تعلیم ترتیب دے جو آئندہ آنے والے وقت کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ لارڈ میکالے (Lord Macualay) نے کمال عیاری کے ساتھ سب سے پہلے اس نظامِ تعلیم کا مقصد متعین کیا کیونکہ تمام کام ایک مقصد کے لئے ہی کئے جاتے ہیں۔ ان کا وہ تاریخی مقصد انہیں کے الفاظ میں یہ تھا۔

"The aim of our Education system in India should be to create a class of people Indian in blood and colour but English in taste, morals and Intellect."

"ہندوستان میں ہمارے نظامِ تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جائے جو خون اور رنگ میں تو ہندوستانی ہو لیکن پسند اور ناپسند' اقدار اور ذہنیت میں انگریز ہو۔"

میکالے (Macualay) کا مقصد پورا ہو چکا۔ چنانچہ حال ہی کا ایک مغربی تجزیہ نگار لکھتا ہے۔

"When the White Sahib had played his innings and was on his way out and the Brown Sahib was coming into play, the White Sahib handed over his bat as a gesture of good will, to the Brown Sahib."

(Times: May 1994)

"جب گوری چمڑی والا صاحب اپنی اننگز کھیل چکا اور میدان سے باہر آ رہا تھا اور کالا صاحب اس کی جگہ اندر کھیلنے جا رہا تھا تو خیر سگالی کے طور پر گوری چمڑی والے صاحب نے اپنا بلا کالے صاحب کو دے دیا۔"

ٹائن بی نے تہذیبوں کے ٹوٹنے کی جو پہلی وجہ بیان کی تھی کہ تخلیقی اقلیت زوال پذیر ہو کر محض ایک حاکم اقلیت بن جاتی ہے اسلامی دنیا کے دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی یہی

ہوا۔ اگر اس حاکم اقلیت میں صرف تخلیقی قوت ختم ہوئی ہوتی تو ہم شاید زیادہ گلہ نہ کرتے لیکن یہ کالا صاحب مغربی تہذیب کا پیروکار بن گیا۔ اس قسم کے اندرونی پرولوٹیریٹس (Internal Proletariats) تمام اسلامی ملکوں پر حاکم ہیں۔

ٹائن بی لکھتا ہے کہ اندرونی پرولوٹیریٹس (Internal Proletariats) کی تعریف اس طرح ہے'' یہ کسی بھی تہذیب کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو جسمانی طور پر تو اس تہذیب کا حصہ ہوتے ہیں لیکن ذہنی اور دلی طور پر اس تہذیب کا حصہ نہیں ہوتے۔'' اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کے کالا صاحب غریب اور مظلوم عوام سے وہی سلوک کرتے ہیں جو انگریز حاکم اپنی غلام رعایا سے کرتا تھا۔ ان مغرب زدہ گماشتوں کا مقصد حیات صرف اور صرف یہ ہے کہ ان کے پاس وسائل ہوں خواہ ان کے ذرائع کچھ بھی ہوں جن سے وہ ہالی وڈ کی فلمیں دیکھ سکیں، پاپ میوزک سے دل بہلا سکیں، جینز پہن کر برگر کھا سکیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے مجھے ان کے برگر کھانے پر کوئی اعتراض نہیں اگر یہ غریب اور مظلوم عوام کو پیٹ بھر کر روٹی کھانے کا بندوبست کر دیتے جو کہ یہ کر سکتے ہیں۔

اس طرح میرے لئے اس وقت بھی 27 سال کی عمر میں یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں تھا کہ اس لولے، لنگڑے معاشرے کے علاج کے لئے ہمیں اس مغرب زدہ اقلیت کی جگہ اللہ کا خوف رکھنے والے مسلمان بطور حکمران لانے پڑیں گے۔ میرے خیال میں اگر ایسا نہ کیا گیا تو پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کا مستقبل تاریک سے تاریک تر ہوتا چلا جائے گا۔

اب میں تہذیبوں کے زوال کی تیسری وجہ کا ذکر کرتا ہوں جو ٹائن بی نے 30 سالہ تحقیق کی بنیاد پر قائم کی یعنی معاشرتی وحدت کا ٹوٹ جانا۔

یہ دیکھنا مشکل نہیں جب معاشرتی وحدت ختم ہو جائے تو سیاسی وحدت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں سیاسی وحدت کے ختم ہونے سے پہلے معاشرتی وحدت کا خاتمہ ہونا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں بڑی مثال 1971ء میں پاکستان کا دولخت ہونا ہے۔ اصولی و مکمل بات یہ ہے کہ وحدت، پہلے روحانی وحدت ہوتی ہے پھر معاشرتی وحدت ہوتی ہے اس کے بعد سیاسی وحدت قائم ہو سکتی ہے۔ یہ حیران کن ہے کہ ملت کی وحدت کے سلسلہ میں علامہ اقبال نے بغیر کسی تحقیق

کے وہ نتائج مسلمانوں کے سامنے پیش کیے جو مغربی دانشور (Scholars) بڑی تحقیق کے بعد تیار کرتے ہیں۔ یہاں صرف میں ان کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت — وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو — آتی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداداد
اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل — جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کوئی بھی مذہب اسی وقت پھلتا پھولتا اور ترقی کرتا ہے، جب اسے قوت سلطنت کی پشت پناہی حاصل ہو ورنہ مذہب یتیم ہو کر رہ جاتا ہے۔ پچھلے دو سو سالوں سے اسلام کی پشت پر مملکت کی طاقت نہ ہونے کی وجہ یہی تھی کہ انگریز راج میں مسلمان اَن گنت فرقوں میں بٹ گئے۔

آخری وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے، اللہ اور رسول ﷺ نے مسلمانوں کو خلافت قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ جمہوریت نہیں، آمریت نہیں اور نہ ہی مذہبی سوشلزم، کمیونزم یا جرنیلی راج۔ ٹائن بی اور بھی بہت باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مثلاً 1930ء میں وہ لکھتا ہے کہ افغانستان میں صحیح اسلامی تہذیب موجود ہے اور یہیں سے یہ تہذیب دوبارہ اُبھرے گی۔ میں نے صرف وہ چند اہم باتیں بیان کی ہیں جن کی وجہ سے نظامِ خلافت کو رائج دیکھنے کی خواہش ہوئی۔

میں نے محسوس کیا کہ سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے سے اُمت کی بقاء ہے اور سنت کو چھوڑنے سے نہ صرف امت کا شیرازہ بکھرے گا بلکہ امت کے پارہ پارہ ہونے کا احتمال اپنے تمام ترشبوتوں کے ساتھ موجود ہوگا۔

بار بار یہ خیال مجھے دکھ دیتا رہا کہ حضور ﷺ کی امت اسی طرح رسوا ہوتی رہے اور اسلامی تہذیب ٹوٹ کر ختم ہو جائے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انشاء اللہ میں یہ نہیں ہونے دوں گا۔ اس وقت میں نے دو فیصلے کیے۔ پہلا یہ کہ میں سب سے پہلے خود انگریزوں کے میمز (Mimesis) کو چھوڑ کر مکمل اسلام کے میمز (Mimesis) یعنی سنت رسول ﷺ کو سختی سے اپناؤں گا۔ دوسرا یہ کہ میں کچھ ایسا کر جاؤں گا کہ میرے تمام مسلمان بھائی بھی حضور ﷺ کی سنت کو مکمل طور پر سختی سے اپنالیں اور دل و جان سے اس پر عمل کریں اور سنت کے مقابلے میں ہر طریقے کو حقیر جانیں۔ یعنی

مسلمانوں کو ایک بار پھر حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مغربی ماحول کو تبدیل کر کے دینی ماحول پیدا کیا جائے۔ نظامِ تعلیم کو اسلامی رنگ میں ڈھالا جائے، مغربی معاشی نظام کی جگہ اپنا معاشی نظام وضع کیا جائے اور جمہوری نظام کا خاتمہ کیا جائے۔ یہ صرف اسی وقت ہی ممکن ہے کہ نظامِ خلافت رائج ہو جس کے لئے انقلاب ناگزیر ہے۔

دوسرا فیصلہ کرنے کے بعد اگلا منطقی قدم یہ تھا کہ میں اس شخص کو تلاش کروں اس مرد کو ڈھونڈوں جو اسلامی انقلاب لا سکے۔ تو خیال آیا کہ اوروں کی منتیں کرنے کی بجائے آئندہ کے 25-20 سال میں اپنی تعمیر پر صرف کروں، خود کو اس اہل بناؤں کہ مناسب وقت پر یہ مناسب فریضہ ادا کر سکوں۔ اس لئے سب سے پہلا انقلاب میری زندگی میں آیا کہ میں نے نماز کی سختی سے پابندی شروع کی اور صرف تحدیث نعمت کے طور پر بیان کر رہا ہوں کہ اسی وقت یعنی 1974ء میں 25 سال کی عمر سے تہجد کا سلسلہ شروع کیا اور وردی کے علاوہ انگریزی لباس چھوڑ دیا اور زیادہ سے زیادہ سنت رسول ﷺ پر رہنے کی کوشش کرتا رہا۔

سوال نمبر 2: اس سے پہلے کہ ہم جمہوریت پر گفتگو کریں آپ یہ فرمائیے جیسا کہ دیگر اصحاب بھی جانتے ہیں کہ مشورہ سنت ہے مگر کچھ لوگوں کا مؤقف ہے کہ مشورہ اور ووٹ ایک چیز ہے' میری ذاتی رائے میں ووٹ مشورہ لینے کا ایک جدید طریقہ ہے کیونکہ مشورہ اگر لاکھوں لوگوں سے لینا ہو تو وہ ایک پرچی ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ آپ مشورہ اور ووٹ کی علیحدہ علیحدہ تعریف کس طرح کریں گے؟

مشورہ اور ووٹ دو مختلف نظاموں پر مبنی ہیں

جواب: مشورہ اور ووٹ دو مختلف نظاموں پر مبنی ہیں اور انہی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مشورہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے' حضور ﷺ کی سنت ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا فعل ہے۔ ووٹ کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیث رسول ﷺ میں کہیں ملتا ہے اور 14 سو سالہ اسلامی تاریخ یعنی 1924ء خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے تک ووٹ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

سورۂ آل عمران میں ہے (ترجمہ تفسیر عثمانی) ''اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے۔'' (آیت 159)

فرمایا ''جب قصد کر چکا تو'' یعنی جب تم قصد کر لو' فیصلہ کر لو' عزم کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان سے مشورہ لے کام میں اور ان کی رائے کے مطابق قصد کر لیں۔

یہ بھی نہیں فرمایا کہ

''ان سے مشورہ لے کام میں اور اکثریت کے مطابق قصد کر۔''

وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ مشورہ لینے والا ہی فیصلہ کرے دوسرے فیصلہ نہیں کریں گے۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ''مشورہ'' الگ چیز ہے اور قصد یا فیصلہ مختلف چیز

ہے اگر مشورہ فیصلہ ہوتا تو مناسب بات یوں ہوتی کہ اکثریت کے فیصلے کے مطابق قصد (فیصلہ کر لیا کرو) پھر یہ جمہوریت یا ووٹنگ کہلاتی۔

مجمع الزوائد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ایک حدیث ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ جو بات ہم کتاب وسنت میں نہ پائیں اس میں کیا طریقہ استعمال کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ''فقہا، عابدین، سمجھدار، خدا پرستوں سے مشورہ کرو اور کسی اکے دکے کی رائے مت جاری کرو۔'' (تفسیر عثمانی)

اس حدیث سے مشورے کی وضاحت ہوتی ہے اور جمہوریت کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

سورۃ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''وہ اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔'' یہ نہیں فرمایا کہ ''مومنین اپنے معاملات اکثریت کے مشورہ کے مطابق کرتے ہیں۔'' اگر اللہ تعالیٰ ایسا فرما دیتا تو قیامت تک کے لئے اکثریت کے مشورے اور رائے فیصلہ بن جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے مشورہ کو فیصلہ نہیں بنایا اور اکثریت کا کوئی کردار (رول) نہیں رکھا۔

جمہوریت کی تعریف یہ ہے کہ

"It is a form of Government of the people, for the people and by the people."

یعنی جمہوریت میں حاکمیت افراد ہی کی ہے اس لئے ہر انسان کا ووٹ اس کا فیصلہ ہے۔ اگر ووٹ ان کا فیصلہ نہیں ہے اور صرف مشورہ ہے پھر تو ان کی حاکمیت بنتی ہی نہیں۔ حاکم حکم دیتا ہے اور مشیر حاکم نہیں ہوتے۔ مشورہ دینے والا حاکم نہیں ہوسکتا۔ حاکم تو فیصلہ کرنے والا ہوتا ہے اور جمہوریت میں اکثریت حاکم ہے اس لئے اگر ہم ووٹ کو مشورہ اور رائے بنا دیں تو ہمیں لوگوں کی حاکمیت کے جمہوری تصور اور نظریہ سے انکار کرنا پڑے گا پھر تو جمہوریت کی تعریف ہی غلط ہو جاتی ہے۔ مشورے تو بادشاہ اور ڈکٹیٹر بھی مانگتے اور سنتے ہیں اگر مشورہ اور ووٹ ایک ہی چیز ہے تو پھر مسئلہ حل ہو گیا کہ تمام بادشاہ اور ڈکٹیٹر جمہوری لیڈر بن جاتے ہیں اور ملک میں جمہوریت کا نفاذ ہو جاتا ہے۔ جمہوریت تو وہی اکثریت کی حاکمیت کا نام ہے اس لئے ووٹ نہ

رائے ہے نہ مشورہ۔

ووٹ اور مشورہ میں فرق بیان کرنے کے لئے کچھ عام اور مشہور باتیں بھی ہیں۔ مشورہ عاقل اور عابد سے لیا جاتا ہے ووٹ سب کے ہوتے ہیں مشورے کا وزن دیکھا جاتا ہے بعض اوقات ایک آدمی کی رائے سو آدمیوں پر بھاری ہوجاتی ہے۔ علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

دونوں میں کچھ اور فرق بھی ہیں۔ ووٹ منہ بند کر کے بھی دیا جاسکتا ہے مشورہ منہ بند کر کے دینا ممکن نہیں ہے بصورتِ دیگر تحریر کا سہارا لینا پڑے گا۔ اب مشورہ دینے والا خواہ بولے یا لکھے راز کھل جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور مشورہ دینے والے کی ذہانت اور لیاقت کا علم ہوجاتا ہے اس لئے اسے دس مرتبہ سوچ کر مشورہ دینا پڑتا ہے۔

سب سے اہم فرق یہ ہے کہ مشورہ حضور ﷺ کی سنت ہے اس کی بڑی برکات ہیں۔ اجتماعی زندگی اور انفرادی زندگی میں بھی۔ تجربہ ہے کہ جب انسان پر مصیبت آنی ہوتی ہے تو وہ مشورہ کرنا چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ قریبی دوستوں سے بھی راز چھپا لیتا ہے اور مشورہ نہیں کرتا اور ویسے بھی یہ حقیقت ثابت ہے کہ جہاں سنت موجود ہو اور اسے چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اپنایا جائے تو یقیناً دین اور دنیا میں خسارہ ہوتا ہے۔

ووٹ سنت نہیں بلکہ سنت کی ضد ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''کسی اکے دکے کی رائے مت جاری کرو''، لیکن ہر 'اکے دکے' کی رائے بلکہ فیصلہ جمہوریت کی بنیاد ہے اور یہ حضور ﷺ کے فرمان کی صریحاً خلاف ورزی ہے پھر اس پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ الیکشن، ووٹنگ اور جمہوریت میں شر ہی شر ہے۔

سوال نمبر 3: اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جمہوریت حکومت بنانے حکومت چلانے اور حکومت تبدیل کرنے کا ایک اہم طریقہ ہے۔ بظاہر اس میں کوئی چیز اسلام کے خلاف نہیں۔ جمہوری نظام کیا ہے ذرا وضاحت کیجئے؟

جمہوریت کیا ہے؟

جواب: غالباً یہ ارسطو نے کہا تھا کہ بحث کرنے سے پہلے "Let us first define our terms (Terminologies)" یعنی جو اہم اصطلاحات استعمال کریں پہلے ان پر متفقہ فیصلہ کر لیں کہ ان سے ہماری کیا مراد ہوگی۔ جمہوریت کی کئی سو تعریفیں ہیں اس لئے اس کی ایک بین الاقوامی مانی جانے والی تعریف کا تعین کر لیں اس کے بعد میں کوشش کروں گا کہ جمہوریت کے اساسی (Fundamentals) اور اجزاء (Constituents) کے بارے میں کچھ عرض کروں اس سے انشاءاللہ ہمیں اس نظام کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور صاف ظاہر ہے کہ کسی چیز کو سمجھنے کے بعد ہی انسان درست رائے قائم کرسکتا ہے۔

ڈیموکریسی (Democracy) یونانی لفظ لوگ (Demos) اور کریٹز (Kratos) حاکمیت سے بنا ہے یعنی لوگوں کی اتھارٹی (Authority) لوگوں کی حکومت، لوگوں کی حاکمیت۔

امریکہ میں لنکن کی تعریف کے بعد جمہوریت کی سب سے پسندیدہ تعریف ای وی وائٹ (E.V. White) کی تسلیم کی جاتی ہے جو انہوں نے دوسری جنگ عظیم میں امریکی وار بورڈ (War Board) کے استفسار پر انہیں بھیجی۔ یہاں عرض کرتا چلوں کہ جنگ کے دوران امریکہ کو جمہوری طریقہ سے نظام حکومت چلانا مشکل ہو رہا تھا۔ ان کے اکثر مثبت اقدام میں جمہوری قوانین آڑے آرہے تھے اس لئے انہوں نے ملک کے دانشوروں سے کوئی حل تلاش کرنے کے لئے کہا اور جمہوریت کی وضاحت طلب کی۔ اس پر جمہوریت کی تعریف درج ذیل

لفظوں میں بیان کی۔

"Democracy is the recurrent suspicion that more than half the people are right more than half the time...."

"یعنی جمہوریت بار بار ابھرنے والا شک ہے کہ آدھے سے زیادہ لوگ آدھے سے زیادہ بار صحیح ہوتے ہیں۔" (اخبار دی نیویارک' فروری 1943ء)

ایک اور تعریف یہ ہے:

"In the strict meanings elements of the word democracy means merely rule by the many" **(Elements of Democratic Government by Corry and Abraham, New York, Oxford University Press, 1964)**

"یعنی جمہوریت کا مطلب ہے اکثریت کی حکومت۔"

بہرحال جو تعریف اپنے خوبصورت الفاظ کی وجہ سے سب سے زیادہ مقبول ہوئی اور بین الاقوامی طور پر صحیح تسلیم کی جاتی ہے وہی جو لنکن نے 1863ء کے لگ بھگ ان الفاظ میں بیان کی۔

"It is a system of Government of the people, for the people and by the people."

"یعنی لوگوں کی حکومت لوگوں کے لئے اور لوگوں کے ذریعے۔"

جیسے ڈیموکریسی (Democracy) یونانی لفظ ہے اس کی ابتداء بھی یونان ہی سے ہوئی۔ یونانی لوگ کئی سو خداؤں کو مانتے تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ ہر چیز کا الگ الگ خدا ہے جیسے زندگی کا خدا' موت کا خدا' شادی کا' صحت کا' بارش کا' محبت کا' بیماری کا اور قحط وغیرہ کا۔ گریک مائتھولوجی (Greek Mythology) اس کا مشہور نام ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ اس نظریہ کے تحت ایک خدا دوسرے خدا کے معاملے میں دخل نہیں دیتا لہٰذا یونانی دانشوروں نے لوگوں کو بادشاہوں کے جبر اور ظلم سے نجات دلانے کے لئے یہ نظریہ عام کیا کہ جب خود خدا تمام اختیارات

اپنے ہاتھ میں نہیں لیتا اور نظامِ کائنات چلانے کے لئے دوسرے خداؤں کو اختیار تفویض (Delegate) کرر کھے ہیں تو یونان کا بادشاہ خدا سے زیادہ طاقتور اور بڑا تو نہیں کہ اکیلا ہی تمام اختیارات کا سرچشمہ بنا ہوا ہے۔ اس طرح لوگوں نے بادشاہ پر دباؤ ڈالا کہ معاشرے میں اختیارات کی تقسیم ہونی چاہئے۔ نیتجتاً یونان کی سٹی سٹیٹس (City States) میں جمہوریت کا نظام 170 سال (338-508 ق م) تک رائج رہا۔ یعنی اکثریت کی حکومت قائم رہی لیکن Athens کا ایک سرکاری مذہب تھا۔ یعنی انگریزی اصطلاح میں چرچ اور اسٹیٹ یکجا تھے۔

لیکن سقراط کی عقل نے یہ نظام مسترد کر دیا ہم جانتے ہیں کہ سقراط اس جمہوری نظام کی مخالفت اور تنقید کرتا رہا یہاں تک کہ جمہوریت کی تائید کرنے سے زہر کا پیالہ پی کر مرنے کو زیادہ بہتر سمجھا۔ فیصلہ اکثریت نے کیا اور اسے زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ اسی طرح ارسطو (Aristotle) اور افلاطون (Ploto) جمہوریت کے سخت مخالف رہے۔ سقراط نے ایک مشہور تمثیل میں لکھا کہ یہ ایک بدترین نظام ہے اور جمہوریت کی مثال ایک ایسے بحری جہاز کی ہے جس کا کپتان 'عوام' جہاز رانی، موسم اور ستاروں کے علوم سے محروم ہے اس لئے وہ کسی وقت بھی جہاز کو اپنی ناعاقبت اندیشی سے پاش پاش کر سکتا ہے۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ یونان کے ایک شہر سپارٹا (Sparta) میں جب یورگس (Yeurgus) سے کسی نے جمہوریت کا مطلب پوچھا تو اس نے جواب دیا "جاؤ پہلے اپنے گھر میں جمہوریت قائم کرو۔"

اب جمہوری نظام کو سمجھنے کے لئے ہمیں ان بنیادی اجزاء (Constitutents) کا جائزہ لینا ہوگا جن پر یہ نظام قائم ہے۔ اس کے تین اجزاء ہیں۔

1۔ حکومت (Government)

2۔ آئین (Constitution)

3۔ اکثریت (Majority)

طرزِ حکومت کی درجہ بندی

سب سے پہلے ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ حکومت کسے کہتے ہیں۔ اس کی بہت سی قسمیں (Classifications) کی گئی ہیں۔ کوئی بھی مکمل (Perfect) نہیں۔ لیکن اب تک جو سب سے بہتر درجہ بندی (Classification) تسلیم کی جاتی ہے وہ ارسطو (Aristotle) نے کی تھی۔

1۔ فردِ واحد کی حکومت (Monarchy, Dictatorship etc)

2۔ چند لوگوں کی حکومت (Aristocracy)

3۔ اکثریت کی حکومت (Democracy)

ارسطو کافر تھا اور اَن گنت خداؤں کو مانتا تھا اور شاید حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں علم نہیں رکھتا تھا ورنہ شاید وہ اللہ کی حکومت 'خلافت' کا بھی ذکر کرتا۔

جمہوریت کا دوسرا جز آئین ہے۔ اپنے نوجوان دوستوں کے لئے آئین کی مختصر تعریف۔ ملک کا نظام ایک دیئے گئے قانون کی تحت چلانے کے لئے حکومت ایک پہلے سے بنائے ہوئے دائرہ اختیار اور قانون کے اندر اپنے فرائض انجام دیتی ہے۔ ان حدود، دائرہ کار اور بنیادی قانون کو ہم آئین کہتے ہیں۔ آئین حکومت کے (Organs) کا تعین کرتا ہے یعنی قانون ساز ادارہ (Legislature)، عدلیہ (Judiciary) اور انتظامی حکومت (Executive) وغیرہ یہ کام کیسے کریں گے۔ ان سب کے اختیارات آئین میں دیئے جاتے ہیں اور انفرادی حقوق (Individual Rights) کا تعین کیا جاتا ہے اور ان کی حفاظت کا بندوبست آئین ہی کے تحت کیا جاتا ہے۔ آئین کو تبدیل کرنا مشکل بنا دیا جاتا ہے جیسے دو تہائی کی اکثریت کی ضرورت وغیرہ۔ مختصراً ہم یہ کہیں گے کہ آئین ایک طریقہ ہے، ایک قانون ہے ملک کو چلانے کا۔ مختصر الفاظ میں یہ سمجھا جائے کہ جمہوری نظام میں آئین کی وہ حیثیت ہے جو اسلام میں قرآن اور سنت کی ہے۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ نے کسی فرد پر جبر نہیں کیا کہ وہ ان کے ملک کا باشندہ بنے لیکن اگر وہ ایک بار ملک کا شہری (Citizen) بن گیا ہے اب اسے ملک کے آئین کی خلاف ورزی

کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی بلکہ اگر وہ صرف وہاں رہ رہا ہے تب بھی اسے اس ملک کے آئین کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں۔ اسی طرح دین اسلام کے ہر پیروکار مسلمان مرد و عورت پر قرآن و سنت کی اطاعت لازم ہے۔ جمہوریت میں آئین کی اطاعت کروانا انگلستان میں وزیر اعظم جبکہ امریکہ اور فرانس میں صدر کا فرض ہے۔ دین اسلام میں یا اسلامی نظام کے تحت یہ فرض اللہ کے نائب یعنی خلیفہ پر لازم ہے۔

اب ہمارا کام آسان ہو گیا جیسے اسلام کے بارے میں جاننے کے لئے ہم قرآن اور حدیث کو دیکھتے ہیں اس طرح اگر جمہوریت کو صحیح طریقے سے جاننا ہو تو ہمیں جمہوری ملکوں کے آئین کا مطالعہ کرنا ہوگا اور یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں۔

جمہوری نظام ایک لادینی نظام ہے

برطانیہ، امریکہ، فرانس ماڈل جمہوری ملک تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان ممالک کی بات کریں گے۔ برطانیہ کا آئین میگنا کارٹا (Magna Carta) کے بعد کئی سو سٹیچوٹس (Statutes) کو ملا کر بنایا جاسکتا تھا مگر انہوں نے اپنی امتیازی حیثیت کو ہر صورت برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ ویسے بھی آبادی میں مختصر قوم ہونے کے ناطے سے ان میں ایک یکجہتی بھی ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنا آئین غیر تحریری رکھا ہوا ہے۔ اس لئے امریکہ اور فرانس کے آئین جو ہمارے سامنے ہیں ہم انہیں دیکھ لیتے ہیں۔

اول الذکر یہ کہ دونوں آئینوں میں کسی جگہ بھی خدا کا ذکر ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام جمہوری ممالک کے آئین دیکھ لیجئے چاہے وہ یورپ کے ہوں، ایشیا یا امریکہ یا افریقہ کے سوائے پاکستان کے کسی بھی جمہوری آئین میں لفظ 'خدا' نظر نہیں آئے گا۔ **امریکہ کے آئین میں خدا کے وجود کا سرے سے اقرار ہی نہیں بلکہ یوں کہئے اس آئین کے تحت ملک کو چلانے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔** دوسرے لفظوں میں یوں سمجھا جاتا ہے کہ مملکت (State) اور چرچ (Church) کو الگ الگ رکھا جائے۔ مملکت کے معاملات میں چرچ کو مداخلت کی اجازت نہیں دی جائے گی یعنی یہ حکومت سیکولر طریقے سے چلے گی۔ امریکہ کے آئین میں پہلی ترمیم 15 دسمبر

1791ء میں کی گئی تھی۔

"Congress shall make no law respecting the establishment of religion."

"کانگریس کسی بھی مذہبی ادارے کے بارے میں کوئی قانون نہیں بنائے گی۔"

باقی جملہ یہ ہے۔

"or prohibiting the free exercise thereof...."

مطلب یہ ہے کہ کانگریس کسی مذہبی معاملے میں مداخلت نہیں کرے گی۔

یہ شق ہے جس سے مملکت (State) اور مذہب (Church) الگ الگ کر دیئے گئے ہیں یعنی امورِ مملکت سیکولر بنیادوں پر چلائے جائیں گے۔ امریکہ میں بسنے والے تمام عیسائی، یہودی، دہریئے اس سیکولر آئین پر متفق و متحد ہیں۔

امریکہ کے آئین میں لفظ 'سیکولر' اس لئے نہیں پایا جاتا کیونکہ اٹھارہویں صدی میں یہ اصطلاح عام نہیں تھی لیکن بیسویں صدی میں بنائے جانے والے تمام آئینوں میں یہ لفظ پایا جاتا ہے۔ جمہوری ماڈل فرانس کی پانچویں ری پبلک (Republic) کا آئین جو 28 ستمبر 1958ء ریفرنڈم کے ذریعہ منظور کیا گیا تھا اس میں آرٹیکل نمبر 2 یوں ہے۔

Article No.2

"France is a Republic, Indivisible, Secular, Democratic and Social."

اسی میں ہے:

"It's Principle is Government of the people by the people and for the people."

بیسویں صدی میں تمام جمہوری ملکوں کے بنائے گئے آئین بھی ابتداء میں ہی بیان کر دیتے ہیں کہ حاکمیت لوگوں کی ہوگی۔ مثال کے طور پر فرانس کے آئین دیکھ لیں۔

Article No.3

"National sovereignty belongs to the people......"

''ملک کے مقتدرِ اعلیٰ لوگ ہوں گے۔''

یعنی ملک پر حاکمیت عوام کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جمہوری نظام ایک لادینی نظام ہے اور اس میں انسان کی حاکمیت کو تسلیم اور قائم کیا گیا ہے۔ لادینیت کو آئین کے ذریعہ بقاء دی گئی ہے' دائمی تحفظ مہیا کیا گیا ہے اور فلاح دی گئی جبکہ مذہب کو کیپسول میں بند کر دیا گیا ہے۔ اسمبلیاں کسی مذہب یا دین کی تائید میں کوئی قانون نہیں بنا سکتیں۔ مغربی مفکر کہتے ہیں کہ اس سے مذہبی جن بند رہیں گے اور عوام میں تفرقہ نہیں پڑے گا۔ لوگ لادینی اصولوں پر متحد کر دیئے گئے ہیں اور سٹیٹ کی طاقت سے یعنی اسمبلیوں (Legislature) اور عدالتی نظام کے آکسیجن ٹینٹ میں سیکولرازم کو زندہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ کام نہایت مہارت سے کیا جاتا ہے۔

امریکہ میں چرچ کو الگ رکھنے کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ میں یہاں دو مثالوں کا ذکر کروں گا۔

1۔ 1962ء میں اوریگن (Oregon) ریاست کی سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ کسی بھی قسم کے سکولوں کو سرکاری ہوں یا پرائیوٹ' سرکار (مملکت) کے پیسے سے بچوں کو دینی کتب نہیں دی جا سکتیں کیونکہ یہ آئین کی ترمیم نمبر 1 (Amendment No. 1) کی خلاف ورزی ہوگی۔

(Corry and Abraham, 1964 page 248)

2۔ ایک اور دلچسپ فیصلہ' الی نیوس (Illinois) ریاست کے شہر کمپین (Champaign) میں سکول کے اوقات کے دوران کلاسز سے فارغ اوقات میں اضافی پیریڈ ہوتا تھا جس میں بچوں کو ان کے والدین کی تحریری خواہش پر ایک مذہبی استاد باہر سے آ کر دینی تعلیم دیتا تھا۔ یہ معاملہ امریکہ کی سپریم کورٹ تک پہنچا۔ سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ

''یہ آئین کے آرٹیکل نمبر 1 (Article No. 1) کی خلاف ورزی ہے اور یہ کام غیر آئینی ہے کیونکہ بچوں کو سکول لانے والی بسیں مملکت (State) کی ہیں اور اسکول کی عمارت بھی مملکت کی ہے۔ مذہب (چرچ) کو مملکت میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔'' اور اس کے بعد دینی تعلیم کا پیریڈ بند کر دیا گیا۔ یہ فیصلہ سپریم کورٹ نے 8:1 کی تائید سے دیا' اس پر

لوگوں نے بہت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ لیکن آئین آئین ہوتا ہے (Corry & Abraham 1964, page 249) ایک اور ایسے ہی فیصلے پر امریکی عوام نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ یہ کیس نیویارک پریئر کیس (New York Prayer Case) کہلاتا ہے۔

3۔ نیویارک کے سرکاری تعلیمی بورڈ نے ایک بائیس الفاظ کی Non Denominated دعا تیار کی یعنی ایسے الفاظ میں دعا جو تمام مذاہب کو قابل قبول ہو۔ یہ دعا اساتذہ اور طالب علم اپنی اپنی جماعتوں میں کلاسز شروع ہونے سے پہلے پڑھنے لگے۔ معاملہ پھر امریکی سپریم کورٹ تک پہنچ گیا۔ امریکی سپریم کورٹ نے دعا کے اس سلسلہ کو اپنے فیصلہ میں 8:1 سے پابندی لگا دی کہ چرچ اور سٹیٹ کو الگ الگ رکھنے کی آئینی شق کی خلاف ورزی ہے۔ کورٹ نے کہا کہ امریکی کی تمام ریاستوں کو سرکاری طور پر ایسی دعا بنانے یا منظوری دینے سے پرہیز کرنا چاہئے اور یہ کام مذہبی لوگوں پر چھوڑ دینا چاہئے۔ (Corry & Abraham 1964, page 251)

یہ وہ قابل ذکر وجوہات ہیں جن کی بنیاد پر مغربی عوام جمہوری نظام کی لادینیت سے بیزار ہوتے جا رہے ہیں اور روحانیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ یہ کہنا بجا ہوگا (علامہ اقبال سے معذرت کے ساتھ)

''وہ ہٹا کر دین سیاست سے بن جاتا ہے جمہوری''

اس ضمن میں یہ عرض کرنا ضروری ہو گیا ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور وجہ بھی بتا دی کہ میں اس (آدم) سے بہتر ہوں مگر خدائی حاکمیت کا انکار نہیں کیا۔ یہ صرف انسان ہی کا کام ہے کہ نہ صرف اللہ کی حاکمیت سے انکار کرتا ہے بلکہ اس کے خلاف بغاوت کر کے اپنی حاکمیت کا اعلان بھی کرتا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ انسان اپنے اس فیصلے کو صحیح بھی سمجھتا ہے۔

دراصل مغربی جمہوریت ایک ایسی مصیبت کا شکار ہو گئی ہے جس میں تمام مذاہب اور تمام قومیتوں کے لوگوں کو متحد کرنے کے لئے سیکولرازم کو قائم رکھنا اس کی مجبوری ہے۔ اگر اسمبلیاں (Assemblies) مذہبی تائید میں کوئی قانون سازی کرتی ہیں تو ان کو اکثریت کی حاکمیت کے ساتھ خدا کی حاکمیت کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے اور اس سے پورے سیکولر اور جمہوری آئین کی روح نکل جاتی ہے کیونکہ اس کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ حاکمیت (Sovereignty) لوگوں کی

ہے۔ظاہر ہے ایک ملک میں دو حاکمیتیں نہیں ہو سکتیں۔ دو خدا نہیں ہو سکتے یا دوسرے لفظوں میں دو قانون نہیں ہو سکتے۔ مذہب کو قانون سازی میں لانے کا ایک اور بڑا نقصان یہ ہوگا کہ ان کے الفاظ کے مطابق مذہبی جنات بوتلوں سے باہر نکل آئیں گے جس سے ان کی اپنی سالمیت خطرے میں پڑ جائے گی۔

خدا کی حاکمیت کو تسلیم کرنا ان کے لئے اتنا خطرناک اور خوفناک بن چکا ہے کہ مغربی جمہوریت ہر قیمت پر سٹیٹ اور چرچ کو الگ رکھنے پر مجبور ہے۔ سیکولرازم نے جو ہمارے ترکی بھائیوں کے لئے مشکل حالات پیدا کر دیئے ہیں اس سے تمام مسلمان اور دین کی سمجھ رکھنے والے لوگ بخوبی واقف ہیں اور ان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس عذاب سے نجات عطا فرمائے۔ (آمین)

مغربی اقوام کا یہ فیصلہ کہ فردِ واحد اپنی مرضی کا کلی مختار نہیں ہوگا اور ملک میں بسنے والے لوگوں کی مرضی کو اولیت دی جائے گی۔ اس کے بعد یہ ممکن نہ تھا کہ ہر ہفتے پورے ملک میں ووٹنگ اور ریفرنڈم ہو اس لئے نمائندہ جمہوریت (Representantive Democracy) وجود میں آئی۔ لوگ اپنی حاکمیت چند نمائندوں کو اکثریت کی بنیاد پر تفویض (Delegate) کر دیتے ہیں۔ یہ نمائندے اکثریت کی بنیاد پر وزیراعظم کا انتخاب کرتے ہیں حکومت اور قانون سازی کرتے ہیں یعنی حاکمیت کے لئے ایک اقلیت وجود میں آجاتی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں یہ پارلیمانی طریقہ ہے اور دوسرا طریقہ یہ کہ اسمبلی ممبرز (Congress) کے انتخاب کے علاوہ لوگ اکثریت کی بنیاد پر ایک حاکم چن لیتے ہیں یعنی اپنی حاکمیت ایک فرد کے ہاتھ میں ایک معینہ مدت کے لئے دے دیتے ہیں یہ صدارتی طریقہ نظام ہے۔

دونوں طریقوں میں یہ حاکم اقلیتیں آئین کے دائرے کے اندر جو قانون سازی کرنا چاہیں کر سکتی ہیں۔ ان کی قانون سازی کی طاقت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک برطانوی دانشور کہتا ہے کہ ”انگلستان کی پارلیمنٹ اتنی طاقتور ہے کہ وہ چاہے تو عورت کو مرد قرار دے وہ چاہے تو حرام بچے کو حلالی قرار دے اور اگر وہ چاہے تو مجرم کو اپنے مقدمہ میں خود جج بنا دے۔“

جمہوریت کی خصوصیات

ہماری اب تک کی گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جمہوریت کی چار بڑی خصوصیات ہیں۔

1۔ لوگوں کی حاکمیت (Sovereignty of the People)

2۔ سیکولرازم، لادینیت (Secularism)

3۔ آئین پرستی (Constitutionalism)

4۔ اکثریت سازی (Majoritarianism)

اگر نظامِ جمہوریت کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے اور اس کی اب تک کی کارکردگی دیکھی جائے تو اس میں مغربی تہذیب کے لئے ان کی رائے میں کچھ مثبت پہلو نظر آئیں گے۔ مثال کے طور پر جمہوری نظام نے معاشرے کو جنگوں اور فساد سے نکال کر متحد کر دیا۔ لوگوں کو موقع اور حق دیا کہ وہ اپنی مرضی کی حکومت بنائیں اور تبدیل کریں۔ معاشرے میں لوگوں کو مکمل شخصی آزادی دی کہ وہ آئین کے دائرے میں رہ کر جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہی کی رائے کے مطابق جمہوری نظام چند چیزوں کا حل پیش نہیں کر سکا اور معاشرے کے مجموعی حالات کار کو اخلاقی قدروں کی بنیاد پر حل کرنے میں ناکام رہا۔

سب سے پہلی ناکامی کہ معاشرے کی اقدار تیزی سے بگڑی چلی جا رہی ہیں۔ تمام مذاہب حق اور اخلاقی اقدار کا معیار مقرر کرتے ہیں لیکن جمہوری نظام نے سیکولرازم کے تحت تمام مذاہب کو کیپسول میں بند کر دیا۔ اس طرح نہ صرف حق کے معیار پر کاری ضرب پڑی بلکہ اس کی دائمی حیثیت بھی بُری طرح متاثر ہوئی۔ اقدار کا معیار، حق اور ناحق کا تعین کرنا جو اب تک خدا واحد کے حکم سے چلا آ رہا تھا۔ عوام کے توسط سے نمائندہ اسمبلیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ نتیجتاً ہم نے بیسویں صدی میں دیکھ لیا کہ مغرب میں تمام حیوانی اطوار جائز ہوتے چلے گئے۔ ہم جنس پرستی (Gay, Lesbianism)، جانوروں کے ساتھ بدفعلی، لامحدود زنا (Open Marriages)، بچوں کے ساتھ بدفعلی، مکمل طور پر برہنہ پھرنے کے لئے علاقوں کا تعین کر دینا وغیرہ وغیرہ۔ آپ

بہتر طور پر جانتے ہیں۔ یعنی آزادی کے پجاری نہ صرف نفس کے تابع بلکہ ہوس کے پجاری بن گئے۔ بگڑتے ہوئے معاشرے نے اپنے معیار کے مطابق اپنے قائد چنے کیونکہ یہ قائدان ہی میں سے تھے اوران کے ووٹوں ہی سے قائد بنے تھے لہٰذا عوام کی خوشی کے لئے انہیں مزید گمراہ کرتے چلے گئے۔ اس طرح اگلے انتخابات تک معاشرہ تیزی سے بگڑ چکا تھا۔ اس مزید بگڑے ہوئے معاشرے نے کردار کے کمزور لوگوں کو اپنا حاکم مقرر کیا اور اسی نئی قیادت نے اپنی کمزوریوں کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا کیا۔

اس سلسلہ میں سیکولرازم کا مسئلہ مغرب کے لئے بہت سنگین ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ٹائن بی نے کہا!

"That the Phenomenon of the growth and breakdown of civilizations is not physical but spiritual."

''تہذیبوں کے ترقی کرنے اور ٹوٹنے کی وجوہات مادی نہیں بلکہ روحانی ہوتی ہیں۔''

"He also laments that his society has astrayed from the one true God of their forefathers and since seventeenth century it was now worshipping the idol of Nationalism."

''وہ بہت افسوس کرتا ہے کہ اس کی تہذیب اپنے آباؤاجداد کے ایک حقیقی خدا کے تصور سے بھٹک گئی ہے اور سترہویں صدی کے اواخر سے اب وہ قومیت کے بت کی پرستش کر رہی ہے۔''

He says "The plain on which the spiritual battle is to be fought is neither military nor social nor economic, nor intellectual. The critical questions and problems confronting man are all religious."

''وہ کہتا ہے کہ وہ سطح جس پر روحانی جنگ لڑی جاتی ہے نہ فوجی، نہ سماجی، نہ معاشی، نہ فکری ہے بلکہ تمام فیصلہ کن سوالات اور مسائل جن کا انسان کو سامنا ہے سب مذہبی ہیں۔''

"In his opinion this spiritual vacuum will not last long i.e, western souls will not find it bearable to live without a religion for long."

''ان کے نظریہ کے مطابق یہ روحانی خلا زیادہ دیر نہیں رہے گا یعنی مغربی افراد کے لئے مذہب کے بغیر زیادہ دیر رہنا ناقابل برداشت ہوگا۔''

مغربی تہذیب کا زوال یقینی ہے

ضمناً عرض کروں قابل غور بات یہ ہے کہ ٹائن بی نے یہ نہیں کہا کہ عیسائیت کے بغیر زندہ نہیں رہیں گے بلکہ وہ مذہب کا کوئی تعین نہیں کرتا البتہ ایک خدا کے ہونے کے عقیدہ کی بھی بات کرتا ہے۔

یہ تمام حوالے جن کا ذکر کیا گیا ان کا مقصد یہ ہے کہ ٹائن بی نے کہا کہ روحانی زوال تہذیب کے ٹوٹنے اور ختم ہونے کا سبب بنتا ہے اور مغربی تہذیب سترہویں صدی کے اواخر سے روحانی خلا کا شکار چلی آرہی ہے۔

ہمیں یہ معلوم ہوا کہ جمہوری لادینی نظام نے مغربی قومیتوں میں سیاسی وحدت پیدا کر کے انہیں جغرافیائی قومیں (States) بنایا۔ سیکولرازم کے تحت بنائے ہوئے آئین نے امریکہ، فرانس اور آسٹریلیا جیسے ملکوں کی ریاستوں اور مختلف مذاہب اور قومیتوں کو متحد رکھا ہوا ہے اور جب تک ان کے آئین سیکولر رہیں گے ان ممالک میں جمہوری نظام صحیح طریقے سے چلتا رہے گا اور ملک کی وحدت قائم رہے گی۔ اب ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ مغربی تہذیب کی ترقی اور بقاء تو روحانی ترقی میں ہے اور جمہوری ملکوں کی بقاء سیکولرازم کے قائم رہنے اور روحانی خلاء اور روحانی خاتمے میں ہے۔ دوسرے الفاظ میں سیکولرازم مغربی ممالک کے جمہوری آئین کے لئے اور جمہوری مملکت کی وحدت کے لئے آب حیات کی حیثیت رکھتا ہے لیکن مغربی تہذیب کے لئے یہ ایک ویسا ہی زہر کا پیالہ ہے جیسا سقراط (Socrates) نے پیا تھا۔

1۔ اب اگر مغربی ممالک میں جمہوری نظام یوں ہی چلتا رہا تو مغربی تہذیب کا خاتمہ

(BreakDown) یقینی ہو جائے گا۔

2۔ اگر مغربی فرد (جیسا کہ ٹائن بی کہتا ہے کہ مذہب کے بغیر نہیں رہے گا) سیکولرازم کے خلاف بغاوت کرتا ہے تو مغربی ممالک ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

3۔ میرے خیال میں یہ بھی عین ممکن ہے کہ مغربی ملکوں میں سیکولرازم اور روحانیت (Spiritualism) مذہب کی جنگ شاید اتنی سخت ہو جائے کہ جب ان کا آخری معرکہ ہو تو دونوں اتنے نڈھال اور شکستہ ہو چکے ہوں کہ ایک دوسرے کو لے ڈوبیں یعنی نہ سیاسی وحدت رہے اور نہ مغربی تہذیب۔ یہاں مجھے شیکسپیئر کے الفاظ یاد آ گئے۔

"Like two spent swimmers who cling to each other and choke their art to death." (Macbeth)

''جیسے دو بہت تھکے ہوئے تیراک ایک دوسرے کو لپٹ جائیں اور اپنے فن کے باوجود ایک دوسرے کو ڈبو دیں۔''

اس ضمن میں اقبال نے کیا خوب کہا ہے!

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانا بنے گا' ناپائیدار ہو گا

4۔ ایک اور ممکن صورت (Possibility) یہ بھی ہے کہ مغربی تہذیب ٹائن بی کے مطابق پوری ''انسانیت کے اتحاد کے بت کی پرستش شروع کر دے۔'' اس کے کچھ آثار زمینی گاؤں (Global Village) کے روپ میں ابھرنے لگے ہیں۔ یہ ممکن ہے کچھ عرصہ بعد عام ملک اپنی انفرادی' مذہبی اور تہذیبی حیثیت کو ختم کر کے ایک سیکولر چارٹر (Charter) پر متحد ہو جائیں۔ اگر دو یا تین سو سال کے بعد ایسا ہو گیا تو پھر بھی مغربی تہذیب کے روحانی خلاء کا مسئلہ حل نہیں ہوتا اور یہ روحانی خلاء اگر مزید بڑھتا گیا تو مغربی تہذیب کا BreakDown یقینی ہو جائے گا۔ یہاں وضاحت کر دوں کہ مختلف ممالک اور قوموں میں نظریاتی اختلافات کے علاوہ معاشی وسائل پر قبضہ کرنے کی جنگ اور منڈیوں کے حصول کی جنگ چلی آ رہی ہے اس لیے گلوبل گاؤں کی ممکن صورت فی الحال بعید القیاس نظر آ رہی ہے۔ یہ جنگل بہت چھوٹا ہو جائے گا اور اتنے چھوٹے جنگل

میں یہ کیسے ممکن ہوگا کہ بھوکے شیر گیدڑوں کو چھوڑ دیں۔

5۔ ایک اور صورت میں انسانیت کے اتحاد کا بت بنانے کی بجائے مغربی تہذیب، روحانیت اور مذہب کے طرف لپکے گی جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں سیاسی وحدت ختم ہوگی اور ملک ٹوٹ جائیں گے (کیونکہ سیکولرازم اپنی موت مر چکا ہوگا) لیکن میرے خیال میں اس روحانی Resurrection کے باوجود یعنی اگر مغربی فرد روحانی طور پر دوبارہ زندہ ہوتا ہے تب بھی غالب امکان یہ ہے کہ مغربی تہذیب ٹوٹ جائے گی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مغربی تہذیب لادینی (سیکولر) بنیادوں پر قائم ہے۔ روحانیت (مذہب) لادینیت (سیکولرازم) کی جگہ لے گا تو مغربی تہذیب کا خاتمہ ہے۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ ہم سب جانتے ہیں کہ مغربی لوگ صدیوں آپس میں مذہبی جنگیں لڑتے رہے ہیں۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان اور چرچ اور سٹیٹ کے درمیان، اور ان مذہبی جنگی نتائج کو دیکھ کر ہی ٹائن بی دلبرداشتہ ہو کر کہتا ہے کہ مغربی قوموں نے ایک خدا کو چھوڑ کر قومیت کے بت کی پوجا کرنی شروع کر دی ہے۔ اب اگر مغربی انسان کسی ایک مذہب جیسے کہ اسلام کو اپنانے کے علاوہ اپنے اپنے انہی مذاہب کی طرف لوٹتا ہے تو "بوتل میں بند تمام جن باہر آ جائیں گے" پھر نہ صرف سیاسی وحدت ختم ہوگی اور ملک ٹوٹیں گے بلکہ ایک مرتبہ پھر مغربی تہذیب گروہوں میں بٹ جائیں گی۔ اور پھر مذہبی جنگیں قدرتی بات ہے۔ میرے اس تجزیے کو کچھ لوگ محض پسندیدہ خیالات کی دوڑ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو معجزات کی بات ہے لیکن ایسا ہے نہیں۔

تیری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا میری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا

(اقبال)

میں یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ مغربی تہذیب کا زوال (BreakDown) شروع ہو چکا ہے لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس کا زوال (BreakDown) مستقبل قریب میں واقع ہو جائے گا۔ غرض جس زاویہ سے بھی دیکھیں مغربی تہذیب کا خاتمہ (BreakDown) دکھائی دیتا ہے۔

مگر ہمارے لیے اہم اور فیصلہ کن سوال یہ ہے کہ کیا مغربی تہذیب خود خاتمے سے پہلے اسلامی تہذیب کو ضم کر لے گی یا اسلامی تہذیب اس سے بچ نکلے گی۔ اس کا آسان اور صحیح واضح جواب یہ

ہے کہ اسلامی تہذیب کا ختم ہونا مغرب کے ہاتھ میں نہیں بلکہ خود مسلمان کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا دین دیا ہی نہیں جسے دوسرے ختم کر سکیں۔ یہ اسی وقت ختم ہوگا جب خود دین والے اسے ختم کریں گے۔ اگر مسلمان چاہے گا تو اسلامی تہذیب زندہ و قائم رہ کر مغربی تہذیب کے تابوت کو زمین میں دفن ہوتا دیکھے گی۔ اور اگر مسلمان اپنی تہذیب کو زندہ رکھنا نہ چاہیں تو مغرب والے اسلامی تہذیب کے جنازے کو قبر میں رکھ کر مٹی ڈال دیں گے اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کو قائم و دائم رکھنا مسلمانوں کے لیے ذرہ برابر بھی مشکل نہیں۔ مسلمان کو صرف اور صرف یہ کرنا ہے کہ محمد ﷺ کی سنت کو اپنائے رکھے۔ اگر مسلمان صرف اتنا بھی نہیں کر سکتا تو اس دنیا میں اپنی ذلت اور رسوائی و تباہی تو وہ دیکھ ہی رہا ہے۔ غالب امکان ہے کہ اگلے جہان میں بھی جہنم کی آگ ہی دیکھے گا اور حضور ﷺ کی شفاعت کے انتظار میں رہے گا۔ واسطہ پھر بھی اسے محمد ﷺ سے ہی پڑے گا۔ کیا احسان کر گیا اقبال ''کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں'' جس نے اپنے نبی سے وفا نہ کی، اس کی سنت کو اپنانا پسند نہ کیا، مناسب ہی نہ جانا، ضرورت ہی نہ سمجھی، اس کی تباہی میں شک کرنے والے کو چاہیے کہ رسولِ عربی ﷺ پر اتارا جانے والا قرآن مجید فرقان حمید غور سے پڑھے اور اپنے لیے راستہ کا تعین از خود کرے۔

سوال نمبر4: آپ نے نظام جمہوریت کے خلاف جو بغاوت کی ہے، تو یقیناً آپ کے پاس قرآن و حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول کچھ ٹھوس دلائل ہونگے۔ اس بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

آپریشن خلافت اور شریعت

جواب: سب سے پہلے تو میں یہ عرض کرونگا کہ بغاوت تو جمہوری نظام والوں نے اللہ کے خلاف کی ہے اور اپنی حاکمیت کا اعلان کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ میں عالم نہیں ہوں۔ البتہ

"حق بات کو لیکن میں چھپا کے نہیں رکھتا۔"

اللہ نے مجھ پر خصوصی احسان اور کرم فرمایا کہ دین کی سمجھ عطا فرمائی۔ اس لیے اپنے محدود علم کے مطابق جو جانتا ہوں عرض کرنے کی کوشش کرونگا۔ جمہوری نظام والی تمام مغربی قومیں تمام دنیا پر جمہوری نظام مسلط کرنا چاہتی ہیں۔ طالبان کا کیا قصور؟ یہی کہ انہوں نے جمہوری نظام رائج نہیں کیا؟ وہ حکومتیں اور طاقتیں جو اپنے تعلیمی اداروں میں ایک مذہبی دعا کو برداشت نہیں کر سکتیں سوچیں تو مسلمان مردوں کی ڈاڑھی اور نیک بیبیوں کے پردے سے ان کے دلوں پر کتنے اور کیسے چھرے چلتے ہونگے۔

"لیکن مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ۔"

ایسے ہی خیال آ گیا عرض کرتا چلوں۔ فوج میں جب ہم دشمن کی ممکنہ جارحیت کے خلاف اپنے دفاع کے لیے منصوبہ بندی کرتے ہیں تو ہم دشمن کی عقل و دانش کو (Under Estimate) نہیں کرتے یعنی کمتر نہیں سمجھتے۔ لیکن اکثر اوقات ہم اس تجزیے میں غلطی کر جاتے ہیں کہ دشمن کو ہم سے کتنی شدید نفرت ہے اور وہ ہمیں مٹانے کے لیے کس انتہا تک آگے جا سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں ہم مسلمان بحیثیت امت اس بات پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کرتے کہ مغربی تہذیب، مغربی قوتوں

اور یہود ونصارا کو ہم مسلمانوں سے کتنی شدید نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان کے عزائم (aims) اور حکمت عملیوں (Strategies) کو سمجھنے میں غلطی کر جاتے ہیں۔

بہر حال اب میں جمہوریت کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرتا ہوں اس میں سب سے پہلی اور بنیادی چیز ہے 'حاکمیت' انسانی تاریخ میں حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر اب تک تمام جھگڑا اور فساد ہی 'حاکمیت' کا رہا ہے کہ حاکم کون ہے؟ مقتدر اعلیٰ کون ہے؟ طاقت کا سرچشمہ کون ہے؟ حکومت کس کی ہوگی؟ قانون کس کا ہوگا؟ حق اور ناحق کا تعین کون کرے گا؟

مسلمانوں کو تو کوئی شک ہی نہیں کہ حاکمیت تو اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ وہی مقتدر اعلیٰ ہے وہی طاقت کا سرچشمہ ہے، وہی قانون دینے والا ہے اور محمد ﷺ اللہ کے پیامبر اور ہمیں یہ قانون سکھانے والے، عمل درآمد کروانے والے ہیں۔ سورۃ نمل آیت نمبر 61 کا ترجمہ ہے۔

"اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کیساتھ۔ کوئی نہیں، بہتوں کو ان میں سمجھ نہیں۔"

حاکمیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہمیں یہ بھی بتا دیا گیا کہ "بہتوں کو ان میں سمجھ نہیں۔" یعنی اکثریت کو سمجھ نہیں اور اکثریت نہیں مانے گی۔ اس سے نظریہ اکثریت کی بھی نفی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا کہ اکثریت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو نہیں مانے گی۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں کے حالات واطوار اور اعمال بیان فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے انکار کی موجودہ صورت ہم نظریہ جمہوریت کی شکل میں دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔ اسی سورۃ کی آیت نمبر 62 میں ہے۔

"اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ تم بہت کم دھیان کرتے ہو۔"

آگے ہے۔

"اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ اللہ اس سے بہت اوپر ہے اس سے جس کو تم شریک بتلاتے ہو۔"

جمہوریت انسان کو شریک بتلاتی ہے۔ یقیناً اللہ اس سے بہت اوپر ہے۔ اگلی ہی آیات نمبر 64 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ تو کہہ لاؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو۔"

ہزاروں صدیاں گزر گئیں سند آج تک کوئی نہیں لا سکا۔ کیا جمہوریت کا یہ نظریہ شرک نہیں؟ یقیناً ہے۔ اکثریت کی حاکمیت کیسے ہو سکتی ہے۔ سند کون لائے گا؟ اور کہاں سے آئے گی؟

سورۃ اعراف آیت نمبر 188۔

"تو کہہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا اور نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے۔"

انسان اپنی حاکمیت کی کیا سند لائے گا وہ تو اپنی جان کا بھی مالک نہیں، حاکم نہیں۔ عجیب بات ہے حضور ﷺ تو یہ سکھائیں کہ "میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے اور برے کا" اور حضور ﷺ کے امتی یہ کہیں کہ 'حاکمیت' ہماری ہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ اگلی آیت میں جو میں بیان کرونگا وہ ایسی ہے کہ جمہوری نظام کی دھجیاں اڑا دیتی ہے۔ سورۃ یوسف آیت نمبر 40۔

"حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے اللہ کے۔ اس نے فرما دیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔ یہی ہے راستہ سیدھا پر بہت لوگ (اکثر لوگ) نہیں جانتے۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اُتری ہی جمہوری نظام کے خلاف ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہاں اکثریت سے مراد کفار کی ہے کیونکہ کفار ہی شرک کرتے ہیں اور غیر اللہ کو پوجتے ہیں اس کا فیصلہ بھی سورۃ یوسف میں ہو جاتا ہے۔ سورۃ یوسف کی آیت نمبر 106۔

"اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ (لوگوں کی اکثریت) اللہ پر مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد بھی، مسلمان بننے کے بعد بھی، یعنی کلمہ پڑھنے کے بعد بھی اکثر لوگ شرک کرتے ہیں۔ وہ تمام مسلمان اس آیت کی زد میں آتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد بھی جمہوری نظام کے تحت انسان (اکثریت) کو حاکم مانتے ہیں۔

اب بتائیں انسان کی حاکمیت کہاں گئی۔ اور نظریہ اکثریت کہاں گیا۔ سورۃ القصص میں ہے:

"سو مت ہو مددگار کافروں کا اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے۔"

(آیت 87-86)

اس میں یقیناً شامل ہے کہ کفری نظریہ جمہوریت کی تائید و حمایت نہیں بلکہ شدید مخالفت

کرنی چاہیے۔اسی جگہ آ گئے ہے۔

''اور مت ہو شرک والوں میں۔'' (آیت 87)

''اور مت پکار اللہ کے سوا دوسرا حاکم۔'' (آیت 88)

سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔

''مت ٹھہرا اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم۔ پھر بیٹھ رہے گا تو الزام کھا کر بے کس ہو کر۔''

(آیت 22)

کافر شرک میں ڈوبے تو اگلا جہاں برباد ہوتا ہے مسلمان شرک کرنے لگے تو اس کے دونوں جہان برباد ہو جاتے ہیں۔ یہی مسلمان ملکوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ہمارے لیے ہر آنے والا دن پریشان کن اور مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔

اب ایک نظر کفار کے سردار (یعنی فرعون پر)۔

سورۃ النّٰزعٰت آیت نمبر 23, 24 میں ہے۔

''پھر (اس نے) سب کو جمع کیا' پھر پکارا تو کہا میں ہوں تمہارا ربّ سب سے اوپر۔''

یعنی سب سے بڑا ربّ تو میں (فرعون) ہوں۔ یہ موسیٰ (علیہ السلام) کس کا بھیجا ہوا ہے۔

فرعون نے اپنی حاکمیت کا اعلان کیا۔ جمہوریت میں بھی انسانوں نے اپنی حاکمیت کا اعلان کیا۔ اللہ نے فرعون کو قیامت تک کے لیے نمونہ (نشان عبرت) بنا دیا۔ ہم بھی فی الحال کسی نمونے سے کم نہیں لیکن ہمارے پاس ابھی کچھ وقت ہے ہم ابھی مرے نہیں۔

سورۃ الانفال آیت نمبر 21-20 میں ہے۔

''اے ایمان والو۔ حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اس سے مت پھرو سن کر۔ اور ان جیسے مت ہو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور نہیں سنا۔''

افسوس جمہوری نظام کے مسلمان لوگ بھی انہی میں سے ہیں ''جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا درحقیقت انہوں نے سنا نہیں۔'' وہ انسان جو اپنے آپ کو مقتدرِ اعلیٰ اور حاکم کہلاتا ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور ہم عاجز نہیں اس بات سے کہ بدلہ میں لے آئیں تمہاری طرح کے لوگ اور اُٹھا

کھڑا کریں تم کو وہاں جہاں تم نہیں جانتے۔" (واقعہ آیت نمبر 61)

یہ وقعت ہے اس انسان کی جو خود کو حاکم سمجھے ہوئے ہے۔ لیکن افسوس ہم نے اپنے اللہ کو نہیں پہچانا۔ اور کچھ لوگوں نے حق کا معیار اپنی عقل کو بنا رکھا ہے۔ جہاں عقل استعمال کرنی چاہیے وہاں استعمال نہیں کرتے۔ **مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی سب سے بالا ہستی سرور دو جہان سردار انبیاء سراج المصطفیٰ ﷺ کو طاقت کا سرچشمہ نہیں بنایا تو ہم کیسے طاقت کا سرچشمہ ہو سکتے ہیں۔** ساری دنیا کے انسان کفار اور مسلمان جنات وحیوان اکٹھے اور متحد ہو جائیں تو بھی طاقت کا سرچشمہ نہیں ہو سکتے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ طاقت کا سرچشمہ لوگ ہیں اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں وہ کفر اور شرک کی بات کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو کم از کم یہ سوچنا چاہیے کہ ایسا نظریہ رکھنے اور کہنے سے ہمارے **پیغمبر محمد ﷺ** کی شان میں گستاخی بھی ہوتی ہے۔ جو شخص یہ جانتے ہوئے کہ جمہوریت لادینیت ہے ایک شرکیہ نظریہ اور نظام ہے۔ جمہوری نظام کو صحیح مانتا ہے اور صحیح کہتا ہے اسے بھی میں بغیر کسی ہچکچاہٹ بغیر کسی لحاظ اور بغیر کسی تکلف کے کافر کہوں گا۔

جو مسلمان یہ جانتے ہوئے کہ جمہوریت ایک **مکمل** طور پر سیکولر نظریہ سیکولر نظام ہے اور شرکیہ نظریہ اور نظام ہے اور یہ کہے کہ پاکستان میں جمہوری نظام رائج ہونا چاہیے وہ جو بھی ہو، جس عہدہ پر بھی ہو اسے اتار کر وہ سزا دینی چاہیے جو اللہ اور رسول ﷺ نے ایک مرتد کے لیے رکھی ہے۔ ہاں اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ہے۔

جیسے شراب پینے والا' بنانے والا' لانے والا' پلانے والا' خریدنے والا' پہرہ دینے والا سب کے سب برابر کے گنہگار ہیں اسی طرح جمہوریت کے شرکیہ اور لادینی نظام چلانے والے اسے بقاء دینے والے' اس میں حصہ لینے والے' اس کے نفاذ پر اصرار کرنے والے' الیکشن کروانے والے' ووٹ ڈالنے والے' ڈلوانے والے سب گنہگار ہیں۔ ان کی حیثیت شرک کرنے والوں کی ہے۔ اور یہ جاننے کے باوجود کہ وہ شرکیہ نظام میں حصہ لے رہے ہیں اور اس سے تائب نہیں ہوتے تو ان کو کافر نہ کہنے والا کافر ہو گا۔

مشکل ہے کہ اک بندہ حق بیں وحق اندیش　　خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دماوند

جمہوریت خاشاک کا تودہ نہیں عذاب کا تودہ ہے۔ مسلمانوں کو اسے سمجھنے میں بہت

مغالطہ ہوا ہے۔ دراصل پہلے ذرائع ابلاغ اتنے وسیع نہیں تھے ہمارے علماء کو علم ہی نہ ہو سکا کہ جمہوریت کیا ہے۔ اب ہمارے پاس غلطی کا جواز نہیں۔

سورۃ المائدہ آیت نمبر 77:

''اور مت چلو خیالات پر ان لوگوں کے جو گمراہ ہو چکے پہلے اور گمراہ کر گئے بہتوں کو اور بہک گئے سیدھی راہ سے۔''

حاکمیت کی بات ختم ہوئی اب میں کچھ 'اکثریت' کے بارے میں عرض کروں گا اور آپ کے حکم کے مطابق قرآن و حدیث کے حوالے سے بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

پہلی بات کہ حق وہ ہے جو کل حق تھا آج بھی حق ہے اور آئندہ تا قیامت حق ہی رہے گا۔ سچ وہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک سچ ہے اور قیامت تک سچ رہے گا۔ کیونکہ سچ بتانے والا اللہ ہے۔ لوگوں کی سوچ اور انداز تو بدل سکتے ہیں بدلتے رہے ہیں، بدل رہے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ حق اور سچ کبھی بدلے ہیں نہ بدلیں گے۔ حق وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ حق کہیں۔ حق کا معیار حضور ﷺ کی زبان مبارک ہے۔ لوگوں کی رائے، اکثریت کی رائے پہلے کبھی حق کا معیار تھی آج ہے اور نہ کبھی آئندہ ہوگی۔ بلکہ اس کے برعکس قرآن میں پچاسی سے زیادہ آیات مبارکہ ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اکثریت کی مذمت کی ہے۔ اکثریت کی مذمت میں قرآن میں مختلف مقامات پر آیا ہے کہ اکثر لوگ فاسق، جاہل، ظالم ہوتے ہیں، سمجھ نہیں رکھتے، غور نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور اپنے نبی پر اور جو نبی پر اترا تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔''

منع اس لیے کیا گیا کہ مشہور مثل ہے خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ یہودی ایسے ہی برباد ہوئے کہ بت پرستوں سے تعلقات رکھتے تھے۔

ہم جمہوریت کو پکڑنے میں رنگ پکڑنے سے بھی آگے نکل چکے ہیں مغربی تہذیب کے اس نظریہ کو صحیح جان کر بلکہ ناگزیر سمجھ کر ان کی تقلید کر رہے ہیں۔ آپ بتائیں اللہ تعالیٰ تو اکثریت کو فاسق اور جاہل، نافرمان اور ناسمجھ کہے اور ہم اسی اکثریت یعنی اکثریت کفار یعنی

مغربی تہذیب کے 'نظریہ اکثریت' کو حق کا معیار کہیں۔ تو ایسی صورت میں ہماری بربادی لازمی ہو گی یا نہیں؟

اس آیت میں کہ "اکثر لوگ نافرمان ہیں" یہ پتہ چلتا ہے کہ اکثریت شیطان کے نرغے میں ہوتی ہے۔ اکثریت بہکی ہوئی ہوتی ہے۔ اکثریت پر شیطان حاوی ہوتا ہے اور میرے جمہوریت نواز احباب ایسی ہی اکثریت کو حق اور فیصلے کا معیار سمجھتے ہیں اور میرے بہت سے دوست ایسی ہی اکثریت کے ذریعے اسلام کے نفاذ کے خواب دیکھتے ہیں۔

اکثریت کی اس حق نوازی کا یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض اوقات اسمبلیوں میں اقلیتوں کے ممبرز کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور اسلامی جماعتوں کے ممبرز کی تعداد کم۔ ایک مرتبہ پھر سورۃ یوسف کی آیات نمبر 106 بیان کروں گا۔

"اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ (اکثریت) اللہ پر مگر ساتھ شریک بھی ٹھہراتے ہیں۔"

دوسرے الفاظ میں لوگوں کی اکثریت کلمہ بھی پڑھتی ہے اور شرک بھی کرتی ہے اس کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عثمانی میں لکھتے ہیں۔

"اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کا سننا اور دیکھنا محض سرسری ہے۔ آیات اللہ میں غور و فکر کرتے تو کچھ فائدہ پہنچتا تھا۔ جب دھیان ہی نہیں (قرآنی آیات پر) تو ایمان کہاں سے ہو۔"

آپ فیصلہ کیجیے' اللہ تعالیٰ ایمان والوں میں اکثریت کی یہ کیفیت بتا رہے ہیں اور ہم اپنے معاملات میں اکثریت کو حاکم بنا رہے ہیں ان سے حاکمیت منسوب کر رہے ہیں ان سے قانون سازی کروا رہے ہیں ان لوگوں کے درمیان اقتدار کا فیصلہ کروانے پر تلے ہوئے ہیں۔

سورۃ انعام آیت نمبر 116 میں ہے۔

"اگر تو کہا مانے گا اکثر لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھ کو بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے وہ سب چلتے ہیں اپنے خیال پر اور سب اٹکل ہی دوڑاتے ہیں۔"

اکثریت کی مذمت میں اور اکثریت کی رائے پر چلنے کے خلاف قرآن میں اور بھی آیات ہیں۔

دوٹنگ سے مسائل کو حل کرنا رائے قبول کرنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ ووٹ رائے نہیں ہوتا ووٹ فیصلہ ہوتا ہے جسے قبول کرنا ہوتا ہے ووٹوں کی اکثریت کو رد نہیں کر سکتے۔

قرآن میں ہے "(اے نبی ﷺ) تو کہہ (ان لوگوں سے پوچھ) کیا برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ۔ سوچتے وہی ہیں جن کو عقل ہو۔" (الذمر آیت 9)

یہ الفاظ بہت وسیع مفہوم رکھتے ہیں زندگی کا کوئی پہلو اس آیت سے باہر نہیں مگر "سوچتے وہی ہیں جن کو عقل ہو"۔ اور عقل ایسے نظریے کو کیسے درست مان سکتی ہے جس میں عالم اور جاہل کی رائے کو برابر رکھا جائے۔

"گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کار شو   کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید"

اقبال نے کیا خوب کہا جمہوریت سے نکل بھاگ دانائے راز اور پختہ کار کی پیروی کر کیونکہ دوسو گدھے مل کر بھی وہ بات نہیں سوچ سکتے جو کسی ایک انسان کی عقل میں آسکتی ہے۔

'حق' جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں دائمی ہوتا ہے لوگوں کی سوچ کا معیار بدلتا رہتا ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ تنزل پذیر ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی سوچ اور رائے پر کئی درجنوں عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر عوام کا تعلیمی معیار لوگوں کی معاشی حالت' جاگیرداری' کنبہ' ذات برادریاں موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ اور متعدد حکومتوں کی پالیسیاں اور رویے وغیرہ وغیرہ اکثریت کی رائے اکثر اوقات "چلو اس طرف کو جدھر کی ہوا ہو" کا شکار ہو جاتی ہے اور بعض اوقات دشمن کا پھیلایا ہوا پروپیگنڈا سنگین حالات پیدا کر دیتا ہے۔ ہم دشمن کی نفسیاتی جنگ کے اثرات اور نتائج سے بخوبی واقف ہیں جیسا کہ 1971-1970ء میں مشرقی پاکستان میں ہوا۔

معاشرے کی اقدار گرتی چلی جاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرا زمانہ سب سے اچھا زمانہ ہے۔ یعنی حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبر ہم تک پہنچا دی کہ وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اعمال اور افعال بگڑتے چلے جائیں گے۔ یہ ایک عقلی دلیل بھی ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ کیسے ممکن تھا کہ حضور ﷺ حق کا معیار لوگوں کی رائے کو کہہ جائیں یا یہ کہہ جائیں کہ اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلے کر لیا کرو۔

آخر میں عرض کرونگا کہ اگر قرآن وحدیث یہ اجازت دے دیتے کہ دنیا کے معاملات نبٹانے کا معیار اور حق کا معیار اکثریت کی رائے ہو سکتے ہیں اور عدلیہ' انتظامیہ اور (Legislature) اکثریت کی رائے کے مطابق ڈھالے جاسکتے ہیں تو انسان کو اپنی مرضی کرنے کا لائسنس اور سرٹیفکیٹ مل جاتا کہ وہ جہاں چاہے جب چاہے کثرت رائے سے اپنے قوانین بنا لے اور اپنی اقتدار قائم کرلے۔ اللہ تعالیٰ کی اس اجازت کے بعد انسان جو کچھ بھی کرتا وہ حق بجانب ہوتا۔ قیامت کا اور روز جزاء کا تصور ہی ختم ہو جاتا۔ پکڑ کس بات کی ہوتی۔ پھر یہ تمام پیغمبر اور آسمانی کتب بے معنی سے ہو کر رہ جاتے۔ اس لیے مسلمانوں کو اس میں بال برابر بھی شک نہیں ہونا چاہیے کہ جمہوری نظام کی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

مسلمان حاکمیت صرف خدا واحد کی مانتا ہے' اس کا آئین قرآن اور سنت ہیں اور فیصلے اکثریت کی بجائے قرآن اور سنت کی روشنی میں کرتا ہے۔ تو اسے اس شرکیہ نظام میں پڑ کر جہنم کا ایندھن بننے کی کیا ضرورت ہے۔ اسلام کا نفاذ جمہوری طریقے سے نہیں صرف سنت کے طریقے سے ہی ہوسکتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی سنت کے طریقے کے مطابق ہوگا تو اللہ کے ہاں قابل قبول ہوگا۔

امریکی صدر ٹرومین (Truman) نے ایک مرتبہ کہا:

"There is no harm in walking with the Devil to cross over the bridge."

ترجمہ: ''یعنی پرلے کنارے پر جانے کے لیے اگر شیطان کے ساتھ بھی پل پار کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں۔''

یہاں میں جسارت کرونگا یہ کہنے کی مغرب زدہ ذہن ابدی نظام حیات کو چھوڑ کر مغربی جمہوریت کی اندھی تقلید کرنے والے دریائے مسیسپی (Mississippe) اور کولوریڈو (Colorado) کے پل تو اس بیان کی روشنی میں پار کر سکتے ہیں لیکن جنت کے راستے کا واحد ''پل صراط'' ہے۔ صراط مستقیم اس لیے وہ افراد' گروہ یا جماعتیں کوئی جمہوریت کو پل بنا کر جنت میں جانے کی توقع کرتے ہیں ان کی خدمت میں بڑے دکھ سے صرف یہ عرض کرونگا کہ شیطان نے

انہیں کندھوں پر بٹھالیا ہے اور انہیں موقع ہی نہیں دے رہا کہ اس حقیقت کو جان جائیں کہ 'صراط مستقیم' کسے کہتے ہیں کیا انہیں یقین ہے کہ وہ پیغمبروں' صدیقین' صالحین او صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستہ پر ہیں؟ کیا کوئی ایسی مثال ہے کہ کسی پیغمبر' کسی صدیق' کسی صحابی نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کے لیے صالحہ افراد کی جانیں بچانے کے لیے' حفاظت کے لیے شرکیہ راستہ اختیار کیا ہو؟ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ایک لمحہ کے لیے بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ تمام فرقے (تمام لوگ) جہنم میں جائیں گے سوائے جو اس طریقے پر ہوگا جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے۔ "ما انا علیہ واصحابی" یہ ہے سنت کا مفہوم "واصحابی" سے جماعت صحابہ مراد ہیں۔ آخر میں یہ کہونگا کہ جب دینی عالم جمہوری نظام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے تو امت کی گمراہی یقینی بات ہے۔ میری گزارش یہ ہے کہ ہمارے علماء سیاست و جمہوریت سے مکمل طور پر نکل آئیں اور لوگوں میں دل و جان سے فہم قرآن پیدا کرنے کے لیے خود کو وقف کر دیں تو جو دین 50 سالوں میں اس ملک میں نہیں آیا انشاء اللہ تعالیٰ 10 سالوں میں رائج ہو جائے گا۔ اگر 'فہم القرآن' کا فریضہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبہ سے اپنالیں یا کم سے کم' لگن کا مظاہرہ کریں تو انشاء اللہ کامیابی یقینی ہے۔

ہر فرد کی ذمہ داری

ہوا میں باتیں کرنے سے فائدہ نہیں' نہ میں علماء اور لوگوں سے کہوں گا کہ وہ ستارے توڑ لائیں نہ یہ کہ خود کو فرشتہ بنالیں۔ میں صرف یہ عرض کروں گا کہ:

۱۔ ہم مسلمان ہیں اس پر فخر کرنا چاہئے اور سچے مسلمان کی طرح Behave کرنا چاہئے یعنی ہمارے کردار میں' اخلاق میں' گفتار میں خوف خدا اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہیئے۔

۲۔ تمام دینی جماعتوں' علماء اور دینی لوگوں کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر شہر میں' ہر علاقہ میں' ہر محلّہ میں' ہر گلی میں' لوگوں میں قرآن فہمی پیدا کریں۔ مسلمانوں کا قرآن سے تعلق قائم کریں خاص طور پر حقوق العباد کی تعلیم اور انہیں پورا کرنے کی تلقین کریں۔

۳۔ اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم' رسول کی تمام سنتوں کو ہم جان کی طرح عزیز رکھیں ان کی تمام

دعائیں یاد کریں، ہر موقع پر پڑھیں اور ہمارا ہر قدم رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ ہماری تہذیب، ہماری امت کی بقاء زندگی اور فلاح اسی میں ہے۔

۴۔ تعلیم، تعلیمی اداروں میں ہے لیکن بچوں کی دینی تربیت مکمل طور پر والدین کا فریضہ ہے ہر والد اور والدہ سے روز قیامت اپنی اولاد کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر جہاد نہیں کر سکتے، دعوت و تبلیغ میں حصہ نہیں لے سکتے، صدقہ و خیرات کی گنجائش محسوس نہیں کرتے کم از کم ہر فرد اپنے گھر سے ٹی وی اور کیبل ختم کر کے بچوں کی صحیح تربیت تو کر سکتا ہے اور یہ کہ بچے والد یا والدہ کی موجودگی میں انٹرنیٹ پر بیٹھیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کو اکیلے انٹرنیٹ پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔ موبائیل کے بغیر بھی لڑکے اور لڑکیاں کا گزارہ ہو سکتا ہے۔ اگر ایک مسلمان مرد اپنے گھر کو بھی درست نہیں کر سکتا تو وہ دونوں جہانوں میں اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے مکمل تیاری کرے۔ اگلے جہاں میں عذاب الٰہی اور اس جہاں میں ذلت اور تباہی۔

اور بھی بہت سی چیزیں ہیں، اگر ہماری دینی جماعتیں جمہوریت کی بجائے یہ راستہ اختیار کریں تو انشاء اللہ دس سالوں میں اس ملک کا مقدر بدل سکتا ہے۔

آپ جان چکے ہیں کہ جمہوریت کے بل بوتے 50 سال تو کیا سو سالوں میں بھی اسلام نہیں آ سکتا بلکہ شر ہی شر آئے گا، جمہوریت جائے گی تو خلافت دوبارہ آئے گی اور جو حضرات جمہوری نظام میں شامل ہیں وہ اس شرکیہ اور کفریہ نظام کو قائم رکھنے میں برابر کے حصہ دار ہیں انہوں نے خلافت کا راستہ روکا ہوا ہے اور اس کا تمام بوجھ ان کے کندھوں پر ہے۔ اس میں وہ شخص بھی حصہ دار ہے جو کسی بھی وجہ سے ووٹ ڈالتا ہے، اور چاہے وہ نفاذ اسلام کے لیے ہی ووٹ ڈالے۔

''اور جس نے کی ذرہ برابر بھی برائی تو وہ دیکھ لے گا اس کو۔'' (سورۃ زلزال)

اجر کے لیے یہ ضروری ہے کہ کام نیک ہو، صرف رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے اور سنت کے طریقہ پر کیا جائے۔ یہ اللہ کی شرائط ہیں کسی بھی عمل کی قبولیت کیلئے۔

سوال نمبر 5: آپ نے فرمایا 'جمہوریت کے ذریعے سو سال تک بھی اسلام نہیں آسکتا'۔ اب واضح ہو گیا کہ اس لیے آپ اور آپ کے دیگر ساتھیوں نے انقلابی راستہ اختیار کیا 'آپریشن خلافت' کے ذریعے نظام خلافت رائج کرنے کی کوشش کی۔ اس انقلاب کے بارے میں ہمیں وہی معلوم ہے جو اخبارات اور مختلف کتابوں میں ہمیں بتایا گیا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ملک میں ہر حکومت نے ہر دور میں حقائق کو ہمیشہ عوام سے چھپا کر رکھا' چاہے وہ پچھلی بغاوتیں ہوں' حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ ہو' اوجڑی کیمپ کا واقعہ ہو' جنرل ضیاء الحق کا ہوائی حادثہ یا تمام اندرونی محلاتی سازشیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ خود ہمیں آپریشن خلافت کے بارے میں تمام حقائق سے آگاہ کریں؟ آپ کا مقصد و منصوبہ کیا تھا اور یہ کہاں تک پہنچ چکا تھا انکشاف کیسے ہوا؟ آپ لوگوں سے کیا سلوک ہوا۔ اور اگر آپ کامیاب ہو جاتے تو اسلام کے نفاذ کے لیے آپ کا لائحہ عمل کیا ہونا تھا؟

فیلڈ جنرل کورٹ مارشل

جواب: ہمارا فیلڈ جنرل کورٹ مارشل 31 دسمبر 1995ء کو اٹک میں شروع ہوا۔ میجر جنرل زاہد احسان اس کے سربراہ تھے جو کہ ماشاءاللہ بہت ذہین اور لائق جنرل تھے اور ہمیں سخت سزائیں دیں۔ مگر افسوس کہ ہمارے کورٹ مارشل کے بعد انہیں دل کا عارضہ ہو گیا اور وہ لیفٹیننٹ جنرل نہ بن سکے۔ بعد میں نادرا (Nadra) کے پہلے سربراہ بنے۔

جی یہ بات درست ہے کہ عام طور پر حقائق کو دبایا اور چھپایا جاتا ہے یا مسخ کر دیا جاتا

ہے۔ ہمارے سلسلے میں حکومت وقت اور اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل عبدالوحید کاکڑ صاحب کی پوری پوری کوشش تھی کہ ہم چار افسروں اور قاری سیف اللہ اختر کو سرسری فوجی سماعت کے بعد شوٹ (Shoot) کر دیا جائے۔ جنرل جہانگیر کرامت نے نئے چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ 10 جنوری 1996ء کو سنبھالا ان کے دباؤ کی وجہ سے جنرل عبدالوحید کاکڑ اور بینظیر صاحبہ کا منصوبہ کامیاب نہ ہوا۔ قاری سیف اللہ اختر فوجی نہیں تھے اس لیے ان کا کورٹ مارشل بھی نہیں ہو سکتا تھا انہیں مجبوراً رہا کر دیا گیا۔ فیلڈ جنرل کورٹ مارشل دس مہینے جاری رہا۔ 30 اکتوبر 1996ء کو ہمیں سزائیں سنائی گئیں اور مجھے چودہ سال قید بامشقت کا پروانہ دے کر نیو سینٹرل جیل بہاولپور پہنچا دیا گیا۔

حکومتی ذرائع ابلاغ میں ہم پر تواتر کے ساتھ ایک الزام یہ بھی عائد کیا جاتا رہا کہ ہمارا مقصد صرف اقتدار حاصل کرنا تھا۔ اندرونی بات یہ ہے کہ 1994ء میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی مجھے بہت مجبور کرتے رہے کہ اس انقلاب کی قیادت میں کروں اور وہ میرے ماتحت کام کریں گے حالانکہ وہ میجر جنرل اور میں ان سے بہت جونیئر بریگیڈیئر تھا۔ لیکن میرے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ ایسے عظیم، شریف، مومن اور پڑھے لکھے ذہین جنرل کی موجودگی میں لیڈر بنتا۔

انقلاب کے کامیاب ہونے کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں اختلافات سے بچنے کے لیے ہم نے ایک منشور بھی تیار کر لیا جو مولانا محمد عبدالقادر ڈیروی صاحب نے لکھا۔ یہ ایک تقریر کی صورت میں لکھا گیا جو میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے سب سے پہلے کرنی تھی۔ یہی ہمارا مقصد تھا، ہمارا منشور بھی اور ہمارے لائحہ عمل کا خلاصہ۔

جنرل علی قلی خان کی امریکہ کے لئے خدمات

ستمبر 1995ء میں ہمیں گرفتار کیا گیا۔ 25 اکتوبر 1995ء سے 30 اکتوبر 1996ء تک ہم اٹک قلعہ کی کوٹھڑیوں میں بند رہے۔ آسمان اس وقت دکھائی دیتا تھا جب ہمیں کورٹ مارشل کے لیے باہر یعنی دوسرے بلاک میں لے جایا جاتا تھا۔ اس وقت جنرل علی قلی خان جو پہلے ڈائریکٹر جنرل ملٹری انٹیلی جنس (DGMI) تھے بعد میں پنڈی کور کمانڈر بھی رہے۔ میجر جنرل کی

حیثیت میں انہوں نے خود ریڈ پارٹی (Raid Party) کی قیادت کرتے ہوئے 1994ء میں رمزی یوسف کو اسلام آباد کے ایک ہوٹل سے پکڑا اور امریکی ایجنسی ایف بی آئی (FBI) کے حوالے کیا تھا اس کے علاوہ بحیثیت ڈائریکٹر جنرل ملٹری انٹیلی جنس شیعہ اور سنیوں کے بارے میں ایک بڑا معلوماتی تجزیہ تیار کروایا اور خود امریکہ لے گئے۔ پاکستان میں سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد کا معاملہ اس کے بعد مزید گرم ہوگیا۔ان تمام تر خدمات کے باوجود چیف آف آرمی سٹاف بننے کی حسرت دل میں لئے ریٹائرمنٹ کا پروانہ لے کر گھر کو سدھار گئے۔

لیکن میں پھر بھی انصاف کی بات کہونگا کہ وہ بہت اچھے چیف آف آرمی سٹاف (COAS) ہوتے۔ کاش جناب نواز شریف صاحب نے انہیں چنا ہوتا کم سے کم وہ لادین (Secular) تو نہیں تھے۔

فوجی آمریت کا توڑ

چیف آف آرمی سٹاف (COAS) کی بات چلی تو میرے خیال میں پاکستان کے حالات سنوارنے کے لئے کچھ بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے جو شاید ابتداء میں کچھ حلقوں کو نامناسب دیکھائی دیں۔مثلاً

(i) راولپنڈی اور اسلام آباد میں جی ایچ کیو (GHQ) اور کور ہیڈکوارٹر (Corps H.Q) نہیں ہونے چاہئے۔ جی ایچ کیو (GHQ) سرگودھا یا کسی اور مناسب جگہیں پر منتقل ہوسکتا ہے۔

(ii) اسلام آباد پریزیڈینسی (Presidency)، پی ایم ہاؤس (PM's Houes)، نیشنل اسمبلی (National Assembly) اور دیگر حساس جگہوں کی سکیورٹی (Security)، پی اے ایف (P.A.F) کے حوالے کرنی چاہئے۔

(iii) آرمی میں کمانڈز (Commands) بنا کر ان پر دو یا تین جنرلز (Generals) مقرر کئے جائیں جو صرف آپریشنز (Operationally) اور صرف آپریشنز (Operationally) چیف آف آرمی سٹاف (COAS) کے ماتحت ہوں۔

(iv) میجر جنرلز (Major Generals) ، لیفٹیننٹ جنرلز (Lt. Generals) اور جنرلز (Generals) بنانے کے لئے باقی تمام طریقوں اور پروسیجرز (Procedures) کے علاوہ خلیفہ یا سربراہ مملکت خود ان کا انٹرویو (Interview) لے۔ اگر خلیفہ یا سربراہ مملکت کی تسلی ہو تو انہیں پروموٹ (Promote) کیا جائے۔

(v) اگر کسی میجر جنرل (Major General) ، لیفٹیننٹ جنرل (Lt. General) ، یا جنرل (General) کو سزا دی جائے یا جبری یعنی وقت سے پہلے (Prematurely) ریٹائر کیا جائے تو انصاف کے حصول کے لئے وہ سپریم کورٹ میں اپیل کر سکے۔ اس کے لئے آئینی ترمیم کی ضرورت ہو گی۔

بس چند باتیں ذہن میں آ گئی تو بیان کر دیا ان پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

جنرل عبدالوحید کاکڑ چیف آف آرمی سٹاف کیسے بنے

جنرل عبدالوحید کاکڑ ریٹائرمنٹ کے بعد گھوڑے سے گرے اور کچھ ہڈیاں تڑوا بیٹھے۔ عرصہ تک سی ایم ایچ (CMH) پنڈی میں زیر علاج رہے لیکن فوجی بڑے بے وفا نکلے کوئی انہیں پوچھنے نہ گیا۔ میں آزاد ہوتا تو ان کی مزاج پرسی کے لیے ضرور جاتا۔ مجھے وہ وقت یاد آ گیا جب چیف آف آرمی سٹاف جنرل آصف نواز جنجوعہ کا جنوری 1993ء میں اچانک انتقال ہوا اس وقت میں کراچی میں چیف آف سٹاف تھا۔ جناب عرفان اللہ مروت میرے پاس آئے کہ انہیں ان کے سسر صدر غلام اسحاق خان نے مشورے کے لیے بلوایا ہے کہ کسے نیا سی او اے ایس (COAS) بنایا جائے تو آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ اگر ملک اور فوج پر کوئی احسان کرنا چاہتے ہیں تو لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک جو اس وقت پنڈی کے کور کمانڈر تھے انہیں سی او اے ایس (COAS) بنا دیں۔ مگر صدر غلام اسحاق خان نے اپنی صدارت بچانے کے لیے پٹھان بھائی جنرل عبدالوحید کاکڑ صاحب کو سی او اے ایس (COAS) مقرر کر دیا۔ مگر جنرل عبدالوحید کاکڑ صحیح محب وطن تھے۔ برادریوں کے قائل نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے آتے ہی صدر صاحب کی بات نہیں مانی بلکہ چھ مہینوں کے بعد نواز شریف حکومت کی چھٹی کروائی اور آرمی والے بینظیر

صاحبہ کو لے آئے۔

جنرل عبدالوحید کاکڑ اور بے نظیر بھٹو

جنرل عبدالوحید کاکڑ بے نظیر صاحبہ سے بہت متاثر تھے اور بعض اوقات ان کی موجودگی میں نامناسب قسم کے لطیفے سنا دیتے تھے۔ ملٹری انٹیلی جنس میں ایک مرتبہ یہ خبر گرم ہوئی کہ جنرل عبد الوحید کاکڑ نے بینظیر صاحبہ سے کہا کہ زرداری صاحب کی وجہ سے ان کی حکومت بہت بدنام ہو رہی ہے۔ اگر وہ کہیں تو زرداری صاحب کو راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ لیکن بے نظیر صاحبہ نے فرمایا کہ:

"No I love my husband."

نہیں مجھے اپنے خاوند سے محبت ہے۔

محافظ اور قانون شکنی

بات اٹک قلعہ سے شروع ہوئی تھی دور چلی گئی۔ ہم لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا مجھے اس کا کوئی غم نہیں لیکن مجھے اس کا دکھ رہتا تھا اور ہے کہ فوجی جنرل کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ تمام لوگوں سے فوجی ملٹری قانون پر عمل کروائے یعنی فوجی قانون کا نفاذ اس کی ذمہ داری ہے۔ دکھ اس بات کا ہے کہ جب وہ کسی غیر قانونی کام کا ارادہ کر لیں تو خود ہی قانون کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں اور تمام جونیئر ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ ہمارے ساتھ بھی یہی کیا گیا۔ جس قانون کے تحت ہمارا کورٹ مارشل ہو رہا تھا خود اسی قانون کی خلاف ورزیاں کیس مقدمے کے اندر بھی اور باہر بھی۔ یعنی ملٹری قانون کی خلاف ورزی کرنا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ایسے کام جرنیلوں کے شایان شان نہیں ہوتے۔ وہ قانون کے محافظ بنتے بنتے اسی طرح 'یحییٰ' اور 'نیازی' بن جاتے ہیں۔ خدا کرے کوئی ان دونوں کا مجموعہ نہ بن جائے۔

افواج پاکستان کے بہترین جنرلز

میں جرنیلوں کے خلاف نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب جنرل پرویز مشرف آئے تو ان

سے پہلے سی او اے ایس (COAS) جنرل جہانگیر کرامت ایسے بہترین میجر جنرلز کو لیفٹیننٹ جنرلز بنا گئے تھے کہ جنرلز کی ایسی اعلیٰ ٹیم نہ پہلے کبھی پاکستان آرمی کے پاس تھی اور نہ شاید کبھی ہو گی۔ لیفٹیننٹ جنرل مظفر حسین عثمانی، لیفٹیننٹ جنرل عزیز خان، لیفٹیننٹ جنرل محمود۔ لیفٹیننٹ جنرل جمشید گلزار، لیفٹیننٹ جنرل افضل جنجوعہ سب لائق ذہین، نہایت شریف، راسخ العقیدہ مسلمان، زیادہ تر نمازی پرہیز گار، خدا ترس، غرض پروفیشن کے لحاظ سے اور ذاتی کردار کے اعتبار سے ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے ان کا حق ادا نہیں ہوتا۔

جنرل عزیز خان کا پہلا نام عزیز پرویز خان تھا مگر انہوں نے اس بدبخت شخص کا نام رکھنا گوارہ نہ کیا جس نے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا خط غصے اور نفرت سے پھاڑ دیا تھا۔ اس لیے بریگیڈیئر رینک میں انہوں نے اپنے نام سے 'پرویز' خارج کروا دیا۔ جنرل محمود اپنی جگہ پر باکردار، مضبوط اور عزم کے پکے جنرل مظفر حسین عثمانی، تہجد گزار، نہایت دلیر اور نڈر، اور پروفیشن کے لحاظ سے بھی بے مثال۔ اگر کبھی ضرورت پڑ جائے تو جنرل عثمانی اس قابل ہیں کہ انہیں بے دھڑک خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین بنایا جا سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ ہماری حکومت نے دباؤ میں آ کر بحیثیت اسلامی مملکت دوسرے اسلامی ممالک کے لیے بھی کوئی قابل تقلید کام نہیں کیا۔

بے نظیر بھٹو اور خالصتان

میں اپنی ذاتی رائے میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ افواج پاکستان میں بھٹو کی حکومت کبھی پسند نہیں کی گئی۔ 1974ء میں بریگیڈیئر ایف بی علی اور راجہ نادر پرویز کا حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف تھا اور ہم لوگوں کی کوشش بے نظیر کے دور میں، گو ہم میں سے کسی کو بھی بے نظیر صاحبہ سے ذاتی دشمنی نہ تھی بلکہ ہم ان کی صلاحیتوں کے قائل تھے، مگر افسوس کہ جو ملک کے بگاڑ میں استعمال ہوئیں۔ ہم اکثر اوقات اٹک قلعہ کی کوٹھڑیوں (Cells) میں بیٹھے ہوئے کہتے تھے۔

"Benazir is the only man in Pakistan."

پاکستان میں صرف ایک ہی مرد ہے وہ بینظیر ہے۔

حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ سے اب یہ بالکل واضح ہو گیا ہے کہ 1971ء کی خانہ جنگی اور پاکستان کو توڑنے میں سب سے اہم اور بڑا کردار جناب ذوالفقار علی بھٹو کا ہی تھا اور انہی کی وجہ سے ہماری فوج کو ہندوستان کی جیلوں میں رہنا پڑا۔ ان کی صاحب زادی بے نظیر صاحبہ نے ہندوستان کی امداد اس طریقے سے کی کہ 'خالصتان' نہیں بننے دیا۔ فوج کو ان سے گلہ یہ ہے کہ انہوں نے بڑے بھونڈے طریقے سے ملکی راز ہندوستانی وزیر اعظم راجیو گاندھی کو دیے۔ یہ صریحاً غداری (Treachery) ہے۔

دنیا کا کوئی بھی دوسرا ملک ہوتا' خواہ ہندوستان میں ہی ایسا ہوتا تو ایسے لیڈر کو ایک دن بھی اقتدار میں نہ رہنے دیا جاتا۔ بلکہ اس کے خلاف مقدمہ چلایا جاتا۔ مگر سی او اے ایس (COAS) جنرل عبدالوحید کاکڑ صاحب دوبارہ 1993ء میں انہیں اقتدار میں لے آئے۔ اور اس طرح افواج پاکستان کے کاندھوں پر سوار ہو کر کاکڑ صاحب کے زیر سایہ ببانگ دہل ایک مرتبہ پھر پاکستان کے مقدر سے کھیلنا شروع کر دیا۔

اگر خالصتان بن جاتا تو ہندوستان کی بہت سی اور ریاستیں بھی آزادی کا اعلان کر دیتیں اور کشمیر بآسانی پاکستان کی گود میں آ رہتا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے بڑی بہترین حکمت عملی (Strategy) اپنائی تھی۔ اس لیے فوج میں یہ عام ہے کہ جواہر لال نہرو کے بعد ہندوستان پر سب سے زیادہ 'احسان' ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر صاحبہ کے ہیں۔

بے نظیر صاحبہ کا ایک اور 'احسان' بھی ہے کہ انہوں نے قوم کو زرداری دیا۔ کچھ کہہ نہیں سکتے ان 'احسانات' کے اثرات کب تک رہیں گے اور کب ختم ہوں گے۔

اللہ کی قوت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ انسان کے غلط نظریات اور افعال بد کے نتائج اسی دنیا میں دکھا دیتا ہے۔ چنانچہ ہم نے جمہوری حکومتوں کے کرتوت بھی دیکھے اور بھگتے اور جرنیلی حکومتوں مارشل لاء وغیرہ کی مصیبتیں بھی جھیلیں۔ پاکستان کے بڑھتے ہوئے مسائل بگڑتی ہوئی حالت دوسروں کی غلامی اور عوام کے لیے نت نئی مصیبتیں عقل والوں کے لیے بہت بڑی نشانیاں ہیں کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹ آؤ سب غلط راستے چھوڑ دو۔ ''صراط مستقیم'' پر آ

جاؤ شرکیہ اور کفریہ قوانین کی پابندی کرنے کی بجائے نبی ﷺ کے بتائے اور سکھائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قوانین کی پابندی کرو۔ اب بھی وقت ہے۔

خلافت کا حکم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اسی خلافت کو اپناؤ اسی نظام کو رائج کرو۔ اب یہ مناسب رہے گا کہ میں نظام خلافت کے بارے میں کچھ ضروری چیزیں عرض کروں تا کہ لوگوں کے شکوک وشبہات دور ہو جائیں۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور (یاد کرو) جب کہا تیرے ربّ نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ (نائب)۔'' (البقرہ:30)

پہلے پہل خلافت کا فریضہ پیغمبروں نے ادا کیا:

''اے داؤد ہم نے کیا تجھ کو خلیفہ (نائب) ملک میں، سو تو (اب) حکومت کر لوگوں میں انصاف (حق) سے، اور نہ چل نفس کی خواہش پر، پھر وہ تجھ کو ہٹا دے اللہ کی راہ سے۔ یقیناً جو لوگ ہٹتے ہیں اللہ کی راہ سے ان کے لیے سخت عذاب (عذاب شدید) ہے۔'' (ص:26)

یہاں بھی دیکھ لیں کہ اللہ کی راہ سبیل اللہ کے علاوہ یعنی ''صراط مستقیم'' کے علاوہ تمام دوسرے راستوں سے نفس، لوگوں کی پیروی وغیرہ سے بڑی وضاحت اور سختی سے منع کر دیا گیا ہے۔ اللہ نے انسان کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے جمہوریت یا کسی اور نظام کے لیے بال برابر بھی گنجائش نہیں چھوڑی۔ مضحکہ خیز بات ہے کہ نائب اللہ کا ہو اور حکومت اپنی یا شیطان کی چلائے۔

پھر فرمایا:

''اور (اے محمد ﷺ) تجھ پر اتاری ہم نے کتاب حق کے ساتھ (سچی)، تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی اور ان کے مضامین پر نگہبان (محافظ) ہے۔ سو تو حکم کر ان میں (لوگوں میں) مطابق اس کے جو اتارا اللہ نے، اور ان کی (لوگوں کی) خوشی، (خواہشات) پر مت چل چھوڑ کر حق (کا راستہ) جو تیرے پاس آیا۔'' (المائدہ:48)

یہ ہے خلیفہ کا فرض اور نظام خلافت۔ اسی سورۃ میں آگے ہے:

''وہی ہے جس نے کیا تم کو قائم مقام' جانشین' زمین میں' پھر جس نے کفر کیا تو اسی پر پڑے اس کا کفر اور کافروں کو ان کے کفر سے نہ بڑھے ان کے ربّ کے پاس مگر (اس کا) عذاب اور منکروں کو نہ بڑھے گا ان کے انکار سے مگر نقصان۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''نبی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے جب کوئی نبی وفات پا جاتا تو دوسرا نبی ان کی جگہ لے لیتا۔ جب کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہونگے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو اور ان کا حق ادا کرو' کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا جو اس نے انہیں دی۔'' (مسلم)

اس ضمن میں اور بھی احادیث ہیں مگر بات کو مختصر کرتے ہوئے اب مین آتا ہوں 'آپریشن خلافت' کے تفصیلی حقائق کی طرف جو آپ کا سوال ہے۔

کورٹ مارشل میں گواہ

جب مجھے اور ہمارے ساتھیوں کو ستمبر' اکتوبر 1995ء میں حراست میں لیا گیا تو میں سوچتا تھا کہ یہ لوگ مقدمہ کے لیے گواہ کہاں سے لائیں گے کیونکہ جتنے بھی اس آپریشن میں شامل ہیں وہ سب ملزم ہیں اور ان کے علاوہ کسی اور کو ذرہ برابر بھی علم نہیں۔ لیکن جلد ہی میری خوش فہمی دور ہو گئی جب فوج نے ہم پانچ کو ملزم اور باقی ہمارے تمام قریبی اور اندرونی ساتھیوں کو گواہ بنا لیا۔ ان گواہوں میں میرے بہت قریبی اور گہرے' کچھ پندرہ سے بیس سال پرانے دوست بھی شامل ہیں۔ انہوں نے اپنے بیانات میں جو کچھ کہا سچ کہا' کوئی غلط یا جھوٹ بات نہیں کی بالکل وہی بتایا جو منصوبہ بندی کے دوران کہا اور کیا گیا تھا مجھے اپنی لکھی ہوئی حمد کے دو اشعار یاد آ گئے۔

اپنوں نے توڑا' یاروں نے کچھ نہ چھوڑا — تو شفیق نہ ہوتا تو میرا کیا ہوتا
غافل ٹوٹ کر لپکے مجھے مصلوب کرنے کو — تو حفیظ نہ ہوتا تو میرا کیا ہوتا
دل محو محبت ہے اسے کچھ نہیں پروا — آباد کرے کوئی کہ برباد کرے ہے
ہاں ساقی کوثر سے صبا عرض یہ کرنا — اک رند سیہ مست بہت یاد کرے ہے

سوال نمبر 6: معذرت، آپ کی بات کاٹ رہا ہوں اس سوال کی طرف بعد میں آؤں گا، آپ کو قید میں تقریباً چھ (6) سال ہونے کو ہیں۔ کچھ بتائیں وقت کیسے گزر رہا ہے؟

قید میں اب تک کے چھ سال

جواب: الحمدللہ شکر ہے اس ذات عظیم کا وہ جس حال میں رکھے۔ ویسے قید کو دنیا میں جہنم کہا جا سکتا ہے لیکن

ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم　　　کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند

(اقبال)

انسان کی طبیعت بجلی کی لہروں کی طرح اتار چڑھاؤ کا شکار رہتی ہے۔ کبھی تو یہ ہے کہ

ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش　　　میں بندۂ مومن ہوں، نہیں دانۂ اسپند

کبھی یہ کیفیت کہ

انسان ہوں شیشہ و ساغر نہیں ہوں میں

کسی وقت تو اپنے حال کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں

منگتے خالی ہاتھ نہ لوٹیں　　　کتنی ملی خیرات نہ پوچھو

ان کا کرم پھر ان کا کرم ہے　　　ان کے کرم کی بات نہ پوچھو

حال اگر کچھ اپنا سنایا ان کے کرم کا شکوہ ہو گا

میں اپنے حالات سے خوش ہوں مجھ سے میرے حالات نہ پوچھو

کبھی یوں بھی ہوتا ہے۔

تری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں　　　نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال نہ ہو تو انسان کا ایک لمحہ بھی گزرنا مشکل ہو جائے۔

اور کبھی تو فیض کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

دل ناامید تو نہیں' ناکام ہی تو ہے لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے

نیوٹن نے کہا تھا کہ

"You Cannot move a finger without disturbing the universe."

اسی طرح کوئی انسان ذرہ برابر بھی اچھا یا برا کام نہیں کرتا جس کا اس کو صلہ نہ ملے۔

''ہر ایک انسان اپنے کیے کاموں میں پھنسا ہوا ہے'' (سورۃ مدثر آیت 38)

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اس نے اس قید میں بھی عزت بخشی۔ میری پردہ داری ہوئی۔ اندرونی بات تو میں ہی جانتا ہوں۔ مجھ سے والدین اور بالخصوص والد محترم کے حق میں بہت کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ میں واقعی 14 سال قید بامشقت کا مستحق تھا۔ جو مجھے 30 اکتوبر 1996ء کو سنائی گئی۔ 1998ء کے آغاز میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف (COAS) جنرل جہانگیر کرامت نے سات سال قید معاف کر دی۔ مقدمہ کے دوران کا ایک سال ملا کر کل آٹھ سال ہو جاتے ہیں۔ اب بھی اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دیں گے تو میں رہا ہو جاؤں گا۔ انشاءاللہ۔

میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کر سکوں۔ والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ میں سے ہے۔

ایک متفقہ حدیث میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم پر اللہ نے ماؤں کی نافرمانی حرام کر دی ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل ہو) یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔'' لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون ذلیل ہو (یعنی یہ جملہ کن لوگوں کے حق میں آپ نے فرمایا؟) آپ نے فرمایا کہ ''وہ شخص جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا یا ان

دونوں میں سے ایک یا دونوں کو پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔" (مسلم)

میں بھی کوشش کرتا ہوں کہ باقاعدگی سے والدین کے ایصال ثواب کے لیے وہ نیکی کے عمل کرتا رہوں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ میرے ان اعمال کو ضمناً قبول فرمائے۔ ویسے عرض کروں گا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائلہ آئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انگور کا ایک دانہ دیا۔ عورت ناراض ہوگئی اور اس نے انگور کا وہ دانا واپس کر دیا۔ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کی آیت پڑھی۔

"سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اسے۔" (سورة زلزال)

پھر فرمایا "اس ایک دانہ انگور میں خدا جانے ہزاروں ذرے ہونگے۔" عورت شرمندہ ہوئی معافی مانگی اور دانہ واپس لے لیا۔ اس لیے کسی چھوٹی سی چھوٹی نیکی کو چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے اور بظاہر ایک چھوٹے گناہ کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔

تفسیر مظہری میں ذکر ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب میں سب سے فیصلہ کن سورہ زلزال کی یہ آیت ہے۔

"سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اسے۔"

سوال نمبر 7: جیسا آپ نے فرمایا کہ آپ کی سات سال سزا معاف کر دی گئی۔ اس طرح میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی جنہیں سات سال قید بامشقت کی سزا ملی تھی، آپ کی اور ان کی سزا برابر ہو گئی۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں انہیں 11 مارچ 2000ء کو رہا کر دیا گیا تھا۔ آپ فرمائیں آپ کو رہا کیوں نہیں کیا گیا؟ کیا آپ نے اس سلسلہ میں کوئی اپیل کی؟

آپریشن خلافت اور اس کی ایک غلط فہمی

جواب: فیض یاد آ گئے۔

ہر چارہ گر کو چارا گری سے گریز تھا ورنہ ہمیں جو دکھ تھے کچھ لادوا نہ تھے
سچ ہے ہمی کو آپ کے شکوے بجا نہ تھے بے شک ستم جناب کے سب دوستانہ تھے
ہاں جو جفا بھی آپ نے کی قاعدے سے کی ہاں ہمی کاربند اصول وفا نہ تھے

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ میرا ارادہ تمام سینئر افسران کو ختم کرنے کا تھا۔ اس مفروضے میں کوئی سچائی نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں ایک غلط فہمی یہ بھی پیدا کر دی گئی کہ ہم کچھ سیاسی دینی علماء کو بھی ختم کرنا چاہتے تھے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے علماء کرام کی ایک فہرست تیار کی تھی جن سے ہم نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے رہنمائی حاصل کرنا تھی۔ لیکن جب کچھ علماء جیسے قاضی حسین احمد اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے ہمارے حق میں بیان دیئے تو انہیں بتایا گیا کہ یہ فہرست ان علماء کی ہے جن کو ہم نے ختم کرنا تھا۔ قدرتی بات ہے کہ اس کے بعد غلط فہمیاں پیدا ہونا تھیں۔

Dostovisky اپنے ایک مشہور ناول میں لکھتا ہے کہ کچھ کسان ہر بار اپنی تکالیف

اپنے زمیندار کو بتایا کرتے تھے لیکن وہ ان کی امداد نہیں کرتا تھا۔ پھر انہوں نے اس سے ایک دن کہا:

"In future if we have any troubles we'll not come to you, we'll just smile and bear them; and if we cannot smile, we'll just bear them."

''آئندہ جب ہمیں کوئی مشکلات ہوئیں تو ہم آپ کے پاس نہیں آئیں گے ہم مسکرائیں گے اور اپنی تکالیف برداشت کرلیں گے۔ اور اگر ہم مسکرا بھی نہ سکے تو صرف برداشت کرلیں گے۔''

میرا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ کوئی پریشانی بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے نہیں آتی۔ جو ہوتا ہے وہ اللہ کی اجازت اور حکم سے ہوتا ہے۔ میں نے کتنا عرصہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی ہیں یہ وہ ذات مطلق ہی بہتر جانتی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا ''ہر چیز خدا کے مقرر کردہ اندازے سے ہے۔ یہاں تک کہ نادانی اور عقل مندی بھی۔'' (مسلم، تفسیر ابن اکثیر)

رسول ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''جان رکھ کہ اگر تمام اُمت جمع ہو کر تجھے وہ نفع پہنچانا چاہے جو اللہ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا تو نہیں پہنچا سکتی اور اگر سب اتفاق کر کے تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں اور تیری تقدیر میں وہ نہ ہو تو نہیں پہنچا سکتے۔''

(تفسیر ابن کثیر)

جب تک مجھے پابند سلاسل رہنا ہے، رہنا ہوگا اور اس کے فیصلوں کے آگے سرنگوں کرنا ہوگا کیونکہ وہ ہی ذات کریم بہتر جانتی ہے۔

سورہ یوسف میں ہے ''میرا ربّ تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے بے شک وہی ہے خبردار، حکمت والا۔ (آیت 100)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک طویل حدیث بغوی رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے۔ اس حدیث قدسی کا ذکر تفسیر مظہری میں اس طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میرے کچھ مومن بندے باب عبادت میں داخلے کی دعا کرتے ہیں مگر میں باب عبادت میں داخل ہونے

سے ان کو روک دیتا ہوں تا کہ ان میں' اس سے غرور تکبر نہ آ جائے جو ان کو تباہ کر دے۔ میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ دولت ہی ان کے ایمان کو درست رکھ سکتی ہے۔ اگر میں ان کو مفلس کر دوں تو افلاس ان کے ایمان کو بگاڑ دے۔ اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو سنبھالے رکھنے والا صرف افلاس ہوتا ہے۔ اگر میں ان کو دولت مند کر دوں تو دولت ان کے ایمان کو بگاڑ دے۔ اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ تندرستی ہی ان کے ایمان کو صحیح رکھنے والی ہے۔ اگر میں ان کو بیمار کر دوں تو بیماری ان کے ایمان کو بگاڑ دے۔ اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کی درستگی بیماری سے ہوتی ہے۔ اگر میں انہیں تندرست کر دوں تو تندرستی ان کے ایمان کو بگاڑ دے۔ میں بندوں کے دلوں کی حالت جانتا ہوں اور اسی علم کے مطابق اپنے بندوں کا انتظام کرتا ہوں۔ بے شک میں جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہوں۔"

قید بہر حال قید ہے جسم سے زیادہ ذہنی تکلیف ہوتی ہے۔ اقبال کا شعر یاد آ گیا۔

کوئی دیکھے تو میری نے نوازی　نفس ہندی' مقام نغمہ تازی
نگہ آلودۂ انداز افرنگ　طبیعت غزنوی' قسمت ایازی

یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس آپریشن سے کافی عرصہ قبل میری زبان پر ہر وقت اقبال کی معتمد کی فریاد ہوتی تھی۔ معتمد سلطنت ہسپانیہ کا آخری مسلمان فرمانروا تھا۔ جس کو ہسپانیہ کے ایک حکمران نے شکست دے کر قید میں ڈال دیا۔ اقبال کہتا ہے:

اک فغان بے شرر سینے میں باقی رہ گئی　سوز بھی رخصت ہوا جاتی رہی تاثیر بھی!
مرد حر زندان میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج　میں پشیماں ہوں' پشیماں ہے مری تدبیر بھی!
خود بخود زنجیر کی جانب کھچا جاتا ہے دل　تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی!
جو مری تیغ دودم تھی' اب مری زنجیر ہے　شوخ و بے پرواہ ہے کتنا خالق تقدیر بھی!

جیل خانہ جات پنجاب کا نرالا قانون

آپ کا سوال رہ گیا۔ میری سزا بھی میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی کے برابر یعنی سات

سال ہوگئی ہے مگر وہ ساڑھے چار سالوں میں سات سال پورے کر کے جا چکے ہیں۔ اسباب کے درجہ میں وجہ یہ ہے کہ ہمیں (Anti state) ملک دشمن قرار دیا گیا ہے۔ فرنٹیئر صوبہ میں تو اینٹی سٹیٹ (Anti state) لوگوں کو سال میں تین چار مہینے عام معافی اور تعلیمی معافی دے دی جاتی ہے مگر پنجاب جیل خانہ جات کا قانون نرالا ہے یہاں کوئی معافی یا چھوٹ نہیں اس لیے مجھے آٹھ سال پورے گزارنا ہونگے۔

جنرل پرویز مشرف

اگر کوئی اپیل کروں تو وہ جنرل پرویز مشرف صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان اور چیف آف آرمی سٹاف کے پاس جائے گی لیکن میں انہیں اپیل کرنا مناسب نہیں سمجھتا' کیونکہ انہیں خوب معلوم ہے کہ میں بہاولپور میں سرکاری مہمان ہوں۔ دراصل 1995ء میں ان کا نام ان میجر جنرلز کی فہرست میں رکھا ہوا تھا جنہیں لادین (Secular) جانتے ہوئے گھر بھیجنا تھا' جبری ریٹائر کرنا تھا۔

پھر مجھے یہاں بڑی آسانیاں ہیں۔ بجلی' پانی' رہائش یہاں تک کہ کھانا 'مفت' اور مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے۔

البتہ شروع میں جی ایچ کیو (GHQ) میں ایک دو جنرل دوستوں کو درخواستیں بھیجیں تھیں۔ بعد میں دکھ ہوا اور فراز یاد آیا۔

بہت ہے دولت پندار پھر بھی دیوانے
جو تجھ سے روٹھ چکا ہے اسے منانے جا

کل اک فقیر نے کس سادگی سے مجھ سے کہا
تیری جبیں کو بھی ترسیں گے آستانے جا

کہا تھا کس نے تجھے آبرو گنوانے جا؟
فراز! اور اسے حال دل سنانے جا

سوال نمبر 8: کیا آپ رہائی کے بعد اپنے آبائی گھر ڈیرہ غازی خان میں رہیں گے یا کسی بڑے شہر میں رہائش رکھ کر اپنے مشن کو جاری رکھیں گے؟

آپریشن خلافت کے لئے مالی وسائل

جواب: میری پیدائش تحصیل تونسہ کے قصبہ وہوا کی ہے۔ گھر کہیں نہیں۔ اقبال کے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے۔

گھر میرا نہ دلی‘ نہ صفاہاں‘ نہ سمرقند درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی

ایک گھر ڈیرہ غازی خاں میں تھا‘ جو ہم نے بیچ دیا اور اسیری کے دوران یہ پیسے بچوں کے کام آئے ایک فلیٹ کراچی میں تھا جو 1995ء میں 16 لاکھ روپے میں بیچا تھا اور یہ رقم آپریشن خلافت میں استعمال کی۔ اقبال نے کیا خوب کہا:

کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کار آشیاں بندی گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں

اور پھر ساغر صدیقی:

سر پھروں کا ٹھکانہ ضروری نہیں ہو میرا آشیانہ ضروری نہیں

مولانا اکرم اعوان اور 80 لاکھ کا منصوبہ

مالی تعاون کے حوالے سے میں حضرت مولانا محمد اکرم اعوان صاحب اور کرنل ڈاکٹر محمد حامد کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

آپریشن خلافت کے پہلے منصوبے میں 300 افراد اور 80 ڈبل کیبن ہائی لیکس کی ضرورت تھی۔ آدمی مہیا کرنے کی ذمہ داری حرکت الانصار کے قاری سیف اللہ اختر صاحب نے

لی۔ البتہ 80 لاکھ روپے کا بندوبست کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس سلسلہ میں مارچ 1995ء میں کرنل ڈاکٹر محمد حامد کے پاس گیا۔ مجھے علم تھا کہ کرنل ڈاکٹر محمد حامد مولانا اکرم اعوان کے خاص مریدوں میں سے ہیں اور یہ بھی جانتا تھا کہ حضرت مولانا اکرم اعوان جہاد کا جذبہ رکھنے والے' جرات مند' دلیر اور کھلے دل والے ہیں۔ اس لیے میں نے کرنل محمد حامد کے توسط سے مولانا اکرم اعوان صاحب سے رقم کی درخواست کی۔ مولانا صاحب نے بڑا مثبت جواب دیا اور فرمایا کہ مجھے منصوبہ کی تفصیل سے آگاہ کریں۔ پھر کچھ ایسے حالات ہو گئے کہ منصوبہ تبدیل کرنا پڑا۔ اس طرح ہماری ضرورت کم ہو گئی جو میں نے بفضل خدا اپنے وسائل سے پوری کر لی۔

کرنل ڈاکٹر محمد حامد کی دلیری

کرنل ڈاکٹر محمد حامد صاحب میرے 15 سال پرانے دوست تھے مجھے ان کی ذہانت' لیاقت' شرافت اور دیانت کی وجہ سے گہری عقیدت رہی ہے لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ میرے تمام تصورات سے بھی بڑھ کر عظیم ثابت ہونگے۔ میرے بہت سے ساتھیوں نے خوف اور ملازمت کو بچانے کے لیے میرے خلاف گواہیاں دیں' لیکن کرنل ڈاکٹر محمد حامد صاحب نے جن کی کوئی جائیداد بھی نہیں تھی' دل کے بھی مریض تھے' میرے خلاف گواہی دینے سے انکار کر دیا انہیں ڈرایا گیا' دھمکایا گیا اور یہ دھمکی دی گئی کہ اگر انہوں نے میرے خلاف گواہی نہ دی تو انہیں یک جنبش قلم فوج سے نکال دیا جائے گا اور فوج میں 30 سالہ نوکری کے باوجود انہیں پنشن اور باقی مراعات کا ایک پیسہ بھی نہیں ملے گا۔ لیکن وہ انہیں نہ ڈرا سکے' نہ دبا سکے' نہ خرید سکے اور نہ ہی انہیں جھکا سکے۔ جون 1997ء میں انہیں فوج سے ڈس مس کر دیا گیا۔ 30 سالہ فوجی خدمات کا ایک پیسہ بھی نہ ملا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزاء عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کا حق ادا کر سکتا ہے۔

صوبیدار محمد ایوب اور خفیہ منصوبہ

یہاں ایک اور بڑے آدمی کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ میرے سابقہ پی اے صوبیدار محمد ایوب ہیں ان کا اس آپریشن سے کوئی تعلق نہ تھا۔ میں نے آپریشن خلافت کے

منصوبہ کو لکھنے کی ابتدا رمضان 1995ء میں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر کی۔ یہ منصوبہ 20-15 صفحات میں خفیہ الفاظ (Code Words) میں تھا استغاثہ نے میری لکھائی کو پہچاننے کے لیے اور عدالت میں میرے خلاف بطور شہادت پیش کرنے کے لیے صوبیدار محمد ایوب کو گواہ بنایا۔ اس سلسلہ میں وہ بے چارے سات ماہ بے قصور حراست میں رہے لیکن انہوں نے کبھی شکوہ نہیں کیا۔ صوبیدار محمد ایوب صاحب کی شہادت اتنی اہم تھی کہ اگر وہ عدالت میں میرے لکھے ہوئے منصوبے کی تصدیق کر دیتے کہ یہ میری تحریر ہے تو یقیناً مجھے سزائے موت ہو سکتی تھی۔ صوبیدار محمد ایوب ابتداء میں معاملے کی نزاکت کو نہ جانتے ہوئے اپنے تفتیشی بیان میں یہ کہہ چکے تھے کہ منصوبہ کی تحریر بریگیڈیئر مستنصر باللہ صاحب کے ہاتھ ہی کی ہے۔ کرنل حامد کی طرح ان کو بھی ڈرایا دھمکایا گیا اور کہا گیا کہ وہ عدالت میں اپنے سابقہ بیان سے منحرف نہ ہو۔ یہاں تک کہ عدالت میں قدم رکھنے سے پہلے عدالت کے باہر استغاثہ کے فوجی وکیل نے انہیں تنبیہ کی کہ اگر انہوں نے بیان میں تبدیلی کی تو انہیں فوج سے ڈس مس کر دیا جائے گا لیکن صوبیدار محمد ایوب نے اپنی متاع زیست یعنی فوج کی نوکری اور پنشن سب کچھ راہ حق میں قربان کر دی۔ عدالت میں انہوں نے میری لکھائی پہچاننے سے انکار کر دیا۔ اس لیے وہ مجھے سزائے موت نہ سنا سکے۔ لیکن صوبیدار محمد ایوب کے ساتھ بھی کرنل حامد جیسا سلوک کیا گیا۔ ان کی معاشی حالت اس حد تک خراب ہوئی کہ ان کے پاس بچوں کو دو وقت کا کھانا کھلانے کی بھی گنجائش نہ رہی۔

زمیں گئی سو گئی' سر پہ آسماں بھی نہیں — قیامتوں کے گزرنے کا اب نشاں بھی نہیں
میری گرفت میں تو ساعت رواں بھی نہیں — بہت کہا کہ میری انگلیاں نہ کاٹ ابھی

مجھ سے جہاں تک ہو سکا میں نے کچھ عرصہ ان سے تعاون کیا لیکن اس کے بعد وقت کے ساتھ ساتھ میرے حالات بھی ایسے بگڑے کہ میں ان سے تعاون کرنے کے قابل نہ رہا۔ پھر میں نے ان کی امداد کے لیے بڑے بڑے لوگوں سے کہا لوگوں نے وعدے کیے لیکن پورے نہ کیے۔ بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل اکٹھے تاش (Bridge) کھیلنے اور شراب پینے والے آخری دموں تک ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں لیکن میرے شریف بھائی وعدہ کر کے بھول جاتے ہیں۔

یعنی:

دوست بن کر بھی نہیں ساتھ نبھنے والا   وہی انداز ہے ظالم کا زمانے والا

یہاں مجھے امام زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد آ گیا۔ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ خلیفہ کے مظالم بڑھتے جا رہے ہیں میں اور میرے چند ساتھی ان کے خلاف جہاد کر کے اس کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی مالی امداد کی۔ اور کہا میں تمہارے ساتھ شامل ہوتا اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ تمہارے تمام ساتھی تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور پھر اسی طرح ہوا۔ حضرت زین رضی اللہ عنہ کے تمام ساتھی چھوڑ گئے انہیں تنہا گرفتار کر لیا گیا اور شہید کر دیا گیا۔ اس لیے اگر لوگ ساتھ چھوڑ جائیں، منہ موڑ جائیں بلکہ دشمنوں سے جا ملیں تو غم نہ کر۔ یہ ریت پرانی ہے۔

ان تمام کوتاہیوں کے باوجود یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم نیک لوگوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں۔ کسی نے کیا خوب کہا:

"We do not love people because they are perfect; we love them with all their faults."

ہم جن سے محبت کرتے ہیں اس لیے نہیں کرتے کہ وہ بے عیب ہیں۔ ہم ان سے ان کی تمام تر خامیوں کے باوجود محبت کرتے ہیں۔ جہاں تک مشن مکمل کرنے کا تعلق ہے:

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا   میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا
زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیم   بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا

ہمیں 'جمہوریت' کے لفظ سے چڑ نہیں اس کے مزاج سے اختلاف ہے، کیوں کہ اس میں بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا اس میں اہلیت پر اکثریت کو ترجیح دی جاتی ہے' یہاں دماغ نہیں' سر دیکھے جاتے ہیں' اس کے ہاں حلال اور حرام کو انسانوں کی خواہش کے تابع کر دیا جاتا ہے' اس کے کوئی مستقل پیمانے اور اقدار نہیں اس کا ہر پیمانہ ایک چھنا کے سے ٹوٹتا اور اس کی ہر قدر دو ہاتھ کھڑے ہو جانے سے بنتی رہتی ہے' اسلامی نظام حکومت میں اصول و اقدار کا تو یہ عالم ہے کہ نبی وقت ﷺ بھی اُن کی پابندی کا مکلف ہے' جوازلی ہیں اور ابدی ہیں اور پوری نوع انسانیت مل کر بھی ان میں ترمیم و تنسیخ کی مجاز نہیں۔

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

فکرِ امروز

سوال نمبر 9: کہا جاتا ہے، نظریہ جمہوریت اور اسلام ایک چیز ہے۔ خلافت راشدہ کا دور سب سے زیادہ جمہوری دور تھا۔ ان کا چناؤ جمہوری طریقہ سے ہوا۔ اور تمام عوام نے بیعت کر کے ان چاروں کو خلیفہ مقرر کیا۔ وہ فیصلہ اکثریت کے مشورے سے کرتے تھے۔ ملکی معاملات میں اکثریت کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی اور یہ کہ اسلامی معاشرے میں سب برابر تھے۔ کوئی طبقات نہیں تھے۔ غریب بے بس کو بھی انصاف ملتا تھا۔ اور عزت ملتی تھی اور یہ کہ اسلام مساوات کا درس دیتا ہے جو کہ جمہوریت میں بھی ہے۔ اسلام میں بھی جمہوریت ہے۔ جمہوریت اور اسلام میں تضاد نہیں ہے۔ ان خیالات کے بارے میں کچھ وضاحت سے بتائیے کہ کیا یہ درست ہیں؟

علماء کی غلط فہمی

جواب: آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ ہمارے کچھ پڑھے لکھے افراد نے عام لوگوں کو یہی تصور دیا ہے۔ ایسی باتیں کی جاتی رہی ہیں۔ لوگوں کو خلافت راشدہ کے دور سے مثالیں دے کر اور مختلف واقعات بیان کر کے بتایا جا تا رہا ہے کہ وہ ایک مکمل طور پر جمہوری دور تھا، جمہوریت اسلام کا جز ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تضاد نہیں بلکہ جمہوریت عین اسلام ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ایک تو ہمارے ملک میں خواندگی کی شرح بہت، کم ہے صحیح پڑھنے والے 15 فیصد سے بھی کم ہیں۔ اور جو افراد کچھ پڑھنے والے ہیں وہ تو بہادر شاہ ظفر سے معذرت کے ساتھ

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن کچھ کھیل میں کٹ گئے کچھ روزگار میں

یعنی

فکر معاش، عشق بتاں، یاد رفتگاں اس مختصر سی عمر میں کیا کیا کرے کوئی

اس لیے وہ اسلامی تاریخ سے اتنے زیادہ واقف نہیں ہوتے۔ نتیجتاً وہ ایسی باتیں بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس نے جمہوریت کے جواز میں قرآن سے بھی آیات پیش کی ہیں۔

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق
(اقبال)

ایسی باتیں اس وقت زیادہ ہوئیں جب ہماری دینی سیاسی جماعتیں کفر کی طرف بہتے ہوئے لوگوں کو نکالنے کے لیے جمہوریت کے دریا میں اتریں۔ لیکن اس ملک میں صاحب علم، صاحب حق، فہم اور فراست والوں کی بھی کمی نہیں۔ اس قسم کے غلط خیالات کی رد میں جن کا آپ نے ذکر کیا ہے، بہت لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔

مشکل ہے کہ بندہ حق بین، وحق اندیش خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دماوند
(اقبال)

مثال کے طور پر عبدالرحمٰن کیلانی صاحب نے ایسے ہی شکوک دور کرنے کے لیے خلافت و جمہوریت' کے نام سے مکمل اور محققانہ کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح صاحب زادہ مرحوم خورشید احمد گیلانی، کرنل ڈاکٹر غلام فرید بھٹی صاحب، پروفیسر حافظ محمد عبداللہ مرحوم بہاولپوری اور ہمارے بزرگ ڈاکٹر اسرار صاحب کی جمہوریت اور اسلام پر بڑی مدلل تحریریں اور مباحث موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس موضوع پر لوگوں کی بہت رہنمائی کی اور شر اور حق کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا نظریہ جمہوریت اور اسلام ایک چیز ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تمام مغربی ممالک میں اسلام کا نفاذ ہو چکا ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے ہمیں اس پر فخر ہونا چاہیے کہ مغربی اقوام نے اسلام پر مبنی نظام کو قبول کر لیا ہے۔ لیکن یہ ماننا مشکل ہے کیونکہ ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول نہیں ہوا پھر یہ کہ اگر اسلام عین جمہوریت ہے تو کرہ

ارض پر موجود سب سے بڑے چوہدری (امریکہ) نے طالبان کا ''حقہ پانی'' کیوں بند کیا ہوا ہے؟ یہ ماننا مشکل ہے۔

میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی　　وہی میری کم نصیبی وہی تیری بے نیازی

اب ان لوگوں کا بیان جو کہتے ہیں اسلام میں جمہوریت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جمہوریت اسلام کا جزو ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو وہ تمام لوگ جو ''کل'' یعنی اسلام کو چھوڑ کر ہر طرف ایک 'جزو' جمہوریت کی رٹ لگا رہے ہیں ان کی عقل اور نیک نیتی پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ ہمارے سیاست دانوں کو چاہیے کہ ہمیں اصل بات بتا دیں کہ وہ 'کل' کو چھوڑ کر ایک حصے اور 'جزو' کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ ویسے بھی جمہوریت جس حصے کے پیچھے پڑ جائے اسے کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ جیسے مشرقی پاکستان اور انڈونیشیاء میں عیسائی جزیرہ (East Timore) لیکن مشکل یہ ہے کہ کوئی سچ تو بولے۔ سیاستدانوں کے حوالے سے مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ سیاست دانوں سے لدی ہوئی بس تیز رفتاری سے جا رہی تھی کہ کنٹرول سے باہر ہوگئی۔ یہ تیز بس کسی کھیت میں ایک درخت سے جا ٹکرائی۔ نزدیک جس امریکی کسان کا گھر تھا وہ دھماکہ سن کر پہنچ گیا۔ تمام موقع کا جائزہ لیا پھر ایک گڑھا کھود کر تمام لاشیں دفن کر دیں۔ چند روز بعد ایک پولیس افسر بس کی تلاش میں پہنچ گیا۔ اس پولیس افسر نے بس کی حالت کا معائنہ کیا اور کسان سے پوچھا کہ سیاستدانوں کی بس کا کیا ہوا۔ کیا کوئی آدمی زندہ نہیں بچا؟ کسان کچھ خاموش ہوا پھر کہا بات یہ ہے کہ ان میں سے کچھ تھے جو کہہ رہے تھے کہ ہم زندہ ہیں مگر آپ کو تو معلوم ہے کہ سیاستدان کیسے جھوٹ بولتے ہیں۔

اگر کوئی حکمران بغیر الیکشن کروائے مکمل طور پر اسلامی عدل و انصاف اور مساوات کا نظام قائم کر دے جس میں سیاستدانوں کو کوئی وزارتیں اور عہدے نہ ملیں تو بھی وہ جمہوریت کی بحالی کا نعرہ لگاتے رہیں گے۔ کوئی فرشتہ سیرت عوام کو تمام سہولیات دے اور ملک کو معاشی استحکام دے لیکن پھر بھی ہمارے بھائی جمہوریت کی بحالی کے لیے لوگوں سے تن، من، دھن کی بازی لگوا دیں گے۔ جمہوریت کی بحالی ان کی نظر میں اس وقت ہوسکتی ہے جب ملک میں ہر تین یا پانچ سال بعد نام نہاد انتخابات ہوں اور باری باری سب کو اقتدار ملتا رہے۔ درحقیقت اقتدار کے

بھو کے یہ لوگ بار بار کے انتخابات کو جمہوریت کہتے ہیں۔ اپنی تمام تقاریر میں عام طور پر جب یہ کہتے ہیں کہ جمہوریت اور اسلام ایک چیز ہے تو اسلام کے عدل و انصاف، مساوات اور شخصی آزادی کو جمہوریت کی دلیل بناتے ہیں لیکن جب اسلامی جمہوریت کے نام کی آڑ میں جمہوریت کا نعرہ لگاتے ہیں تو مقصد صرف انتخابات یعنی اب کرسیوں کی بندر بانٹ دوبارہ ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ پڑھے لکھے آدمی بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جمہوریت صرف نئی اسمبلیاں بنانے اور حکومت تبدیل کرنے کا نام ہے۔ افسوس کہ

بار بار لوٹو، ہزار بار لوٹو ہے لوٹنے کا مال، یہ ملک خداداد

لیکن ایک آپ ہی سے گلہ نہیں ہم کو۔ کارلائل کہتا ہے۔

''آپ خود کو دیانت دار بنالیں اور یقین کرلیں کہ دنیا میں ایک بے ایمان کی کمی ہوگئی ہے۔''

جمہوریت کے احسان

یہ جمہوریت کی کرسی ہی کی مہربانی ہے کہ ایک انٹرنیشنل رپورٹ (International Report) کے مطابق زرداری صاحب پاکستان کے دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ امیر ترین شخص ہیں اور جناب نواز شریف تیسرے نمبر پر پاکستان کے امیر ترین فرد ہیں۔

جمہوریت اور انسانی حقوق کی علمبردار حکومت امریکہ جس کے ہاتھوں پر اقوام عالم کے معصوم لوگوں کا خون ابھی تک خشک نہیں ہوا، اور مغرب نے افغانستان، عراق، سوڈان میں جو کچھ بھی کیا اقوام عالم اس سے بے خبر نہیں، آگ و بارود کی بارش کرنے والوں کے ایما پر ورلڈ بنک، بین الاقوامی مالیاتی ادارے اور ان کے دوسرے گماشتے مختلف حیلے بہانوں سے پاکستان میں جمہوریت کا راگ الاپتے رہتے ہیں حالانکہ پس پردہ ان کے عزائم کس قدر گھناؤنے ہیں وہ بھی مہذب دنیا جانتی ہے۔

طاقت کا سرچشمہ امریکی عوام کے ایک نمائندے صدر ٹرومین کا ایک بہت 'پیارا' اصول تھا، دوبارہ عرض کررہا ہوں۔

"There is no harm in walking with the Devil to cross over the bridge."

''پل سے گزرنے کے لیے شیطان کے ساتھ چلنے میں کوئی حرج نہیں'' اور جمہوری سیاسی پارٹیوں سے بہتر اس قول کو کون سمجھتا ہے۔ بڑی 'ایمانداری' سے ہر الیکشن میں اس پر عمل کرتے ہیں۔

مقتدر اعلیٰ عوام کا ذکر ہوا۔ امریکہ کی مقتدر اعلیٰ (Sovereign) عوام نے جاپان کے دو شہروں کے صنعتی علاقوں کے ایک لاکھ مرد بوڑھے عورتیں بچے یہاں تک کہ شیر خوار بچے چشم زدن میں ہلاک کر ڈالے کہ آنے والی نسلیں بھی یاد کرتی ہیں' حالانکہ امریکی جنرل ڈگلس مکارتھر (Douglas Macarther) کا کہنا تھا کہ امریکہ ایٹمی ہتھیار استعمال کیے بغیر بھی یہ جنگ جیت سکتا تھا لیکن ان سے جو اس وقت وہاں اتحادیوں کی فوج کے سپریم کمانڈر تھے' ان کے کہنے کے مطابق مشورہ تک نہ کیا گیا۔

ویسے ہٹلر کو بھی مقتدر اعلیٰ عوام نے بڑی زبردست اکثریت کے ساتھ ملک کا سربراہ بنایا تھا۔ اسی طرح اٹلی کا مسولینی بھی زبردست مینڈیٹ (Mandate) کے ساتھ انتخابات میں کامیابی کے بعد سربراہ بنا تھا۔ یہ دونوں جمہوریت کے ذریعے اقتدار میں آئے۔ کروڑوں لوگوں کا خون مقتدر اعلیٰ عوام کی گردن پر ہے۔ لیکن یہ عوامی لیڈر گھبرانے والے نہیں ہے۔ جیسے لیڈی میکبتھ (Lady Macbeth) نے اپنے خاوند میکبتھ (Macbeth) کو غیرت دلائی کیونکہ وہ قتل کر کے پریشان ہو رہا تھا۔

"My hands are of your colour but I shame to wear a heart so white."

''یعنی میرے ہاتھ بھی تمہاری طرح خون سے آلود ہیں۔ لیکن مجھے تمہاری طرح کمزور دل رکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔'' یہ سب بے قصور تھے۔ بڑے بڑے لوگ' بل کلنٹن' جیسے' جمہوری نظام کے بنائے ہوئے صدر' لیڈر بے قصور بدنام کر دیئے جاتے ہیں۔

ان سب باتوں کا ایک مقصد تھا' کہ طاقت کا سرچشمہ عوام کی اکثریت نے' جمہوری

نظام نے' اکثریت سازی نے دنیا کے بدترین لیڈر مہیا کئے' جنہوں نے انسان کو دنیا کے سب سے بدترین دن دکھائے ہیں۔ اتنا خون بہانے کی ضرورت نہیں تھی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جمہوری نظام اور اسلامی نظام میں بڑا فرق ہے۔

کلیسائی حکومتوں (Parochial States) نے اتنا خون بہانے کے بعد کسی پچھتاوے کا اظہار نہیں کیا۔ از راہ تفنن عرض کر رہا ہوں۔

ایک آدمی ذہنی امراض کے ایک ڈاکٹر کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا ''ڈاکٹر صاحب میرا کچھ علاج کیجیے۔ میں گناہ کر بیٹھتا ہوں اور بعد میں بہت پچھتاتا ہوں میرا ضمیر بہت ملامت کرتا ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا ''اچھا' تو اب آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی قوت ارادی اتنی مضبوط کر دوں کہ آپ آئندہ گناہ نہ کریں۔'' مریض نے کہا ''نہیں ڈاکٹر صاحب پلیز (Please) میرا ضمیر مار دیں۔'' جمہوری نظام میں لادینیت (Secularism) اور اقتدار کی ہوس ضمیر کو مار دیتی ہیں اس لیے ہر لیڈر بے دھڑک جھوٹ بول سکتا ہے اور ''بے قصور'' ہوتا ہے۔

وجہ یہ ہے جس کا مغرب میں برملا اظہار کیا جاتا ہے کہ ٹاپ لیول (Top level) قیادت غیر معیاری ہوگئی ہے اور اس کی وجہ جمہوری طریقہ انتخاب ہے۔

خلافت کا دور بالکل جمہوری نہیں تھا

اب آپ کے سوال کے اگلے حصہ کی طرف آتا ہوں۔ یعنی کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ خلافت کا دور سب سے زیادہ جمہوری تھا۔ خلفاء کا چناؤ جمہوری طریقہ سے ہوا کہ وہ فیصلہ اکثریتی رائے سے کرتے تھے اور یہ کہ ملک میں اکثریت کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ کچھ لوگ ایک نہایت ضعیف حدیث بھی بیان کرتے ہیں بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا ''اپنے میں سے بارہ سردار منتخب کرو جو اپنے لوگوں کے ذمہ دار ہوں''۔

مولانا عبدالکلام آزادؒ اپنی کتاب رسولِ رحمت میں تحریر فرماتے ہیں ''مولانا شبلی نعمانی نے اسے حدیث کہا ہے لیکن مجھے یہ حدیث کہیں نہیں ملی''۔ یہ حدیث بغیر کسی حوالے کے بیان کی جاتی ہے اس لئے اس کی صحت نہایت مشکوک ہے۔

دوسری بات کہ عربی قبائل کے سردار صدیوں سے ایک طریقہ کے مطابق منتخب ہوتے چلے آرہے تھے یعنی قبیلے کے بڑے اور بزرگ لوگ ہی اپنوں میں سے سردار منتخب کیا کرتے تھے (عوام، عام لوگوں کا کوئی رول (Role) حصہ نہیں تھا)۔ اس لئے یہ کہنا کہ حضور ﷺ نے، یہ فرمایا کہ اپنے میں سے سردار منتخب کرو زیادہ سمجھ میں نہیں آتا۔

بجز یہ کہ سردار کا چناؤ بڑے اور بزرگ لوگوں کا فرض تھا اور کبھی بھی لوگوں کا، عوام کا حق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اگلی بات کہ نمائندہ وہاں مقرر کیا جا سکتا ہے جہاں 'حق' ثابت ہو جیسے ولی دلہن بیٹی کا نمائندہ ہوتا ہے۔ مقدمات میں وکیل ہمارے نمائندے ہوتے ہیں۔ یعنی جہاں حق ثابت ہوتا ہے یا حق ثابت کرنے کے لئے ہم نمائندے 'وکیل مقرر کرتے ہیں' چنتے ہیں، انتخاب نہیں کرواتے۔

خلافت کے چناؤ کے سلسلے میں پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنائے جانے کا طریقہ کا بیان کروں گا، اسکے بعد انکے بڑے بڑے فیصلے جو تاریخ نے قلم بند کئے انکا ذکر کروں گا اسکے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے اور ایک دو اہم فیصلوں کا تجزیہ (Analysis) پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر کئے جانے کا طریقہ بیان کروں گا اور آخر میں انشاء اللہ ایک مختصر سا تجزیہ۔

خلیفہ اول کی تقرری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو کچھ اصحاب رسول تجہیز و تکفین کی تیاری کر رہے تھے۔ کچھ اصحاب رسول پریشان حال بیٹھے ہوئے تھے مسجد نبوی میں کچھ اصحاب رسول غم میں ڈوبے بنی ساعدہ پر اکٹھے ہوئے۔ یہ قدرتی امر ہے کہ غم و خوشی کی خبر پر لوگ ایسی جگہوں پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ انصار کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج تھے یہ ڈیرہ (سقیفہ) قبیلہ خزرج کی ایک شاخ بنو ساعدہ کے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ تاریخ اسلام میں اکبر خان نجیب آبادی لکھتے ہیں مہاجرین کے گھر مسجد نبوی کے علاقہ میں زیادہ تھے۔ وہ وہاں جمع ہوئے یہاں انصار کم تھے۔ دوسری طرف بازار کے قریب جہاں انصار کے گھر تھے' وہاں سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہوئے۔ یہ سقیفہ مسجد نبوی سے 500 میٹر کے فاصلے پر ہوگا۔ (یہ جگہ میں نے 1977ء میں خود دیکھی) ان انصار لوگوں میں دو ایک مہاجرین کے علاوہ زیادہ تر بنی ساعدہ ہی کے انصار تھے۔ اوس اور خزرج کی تقریباً اڑھائی سو ذیلی شاخوں میں سے بنی ساعدہ بھی ایک شاخ تھی۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے امر خلافت کے لیے بات کی۔

مدینہ میں وہ آبادی میں زیادہ تھے' یہاں کے اصل رہنے والے تھے اور مہاجروں کو انہوں نے پناہ دی تھی۔ مورخین کے مطابق سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اس لیے جلدی میں تھے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معلوم تھا ''جب دو خلیفوں کی بیعت ہونے لگے تو دوسرے کو قتل کر دو'' یہاں یہ ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اہل قریش کے دس خاندان تھے۔ بنو ہاشم' بنو تمیم' جس کے

سردار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، بنوں عدی جس کے سردار حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ بنو نوفل، بنو عبدالداز، بنو اسد، بنو جمع، بنو سہیم، بنو امیہ اور بنو مخدوم، مسجد نبوی کے پاس ایک آدمی مغیرہ بن شعبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور تم وہاں جلدی پہنچو اس سے پہلے کہ وہ فیصلہ کرلیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وہاں چلنے کے لیے کہا اور دونوں اس طرف روانہ ہو گئے۔ امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی ہمراہ تھے۔ راستے میں ان کو دو انصار ملے جو انہی کی طرف آرہے تھے، اویئم بن سادہ رضی اللہ عنہ اور عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ۔ ان دونوں انصاریوں نے بتایا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں کچھ انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں اور مشورہ دیا کہ وہاں مت جاؤ تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر ڈالو (یعنی خلیفہ منتخب کرلو)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''خدا کی قسم ہم ان کے پاس ضرور جائیں گے'' یہ تینوں حضرات وہاں پہنچے تھوڑی دیر بیٹھے تھے کہ غالباً ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے تشہد پڑھا اور اللہ کی ثناء بیان کی جیسے کہ اللہ کو سزاوار ہے پھر کہا:

''ہم اللہ کے دین کے مددگار اور اسلام کی فوج ہیں۔ اور اے مہاجرین تم تھوڑی سی جماعت ہو۔ تم میں سے ایک چھوٹی سی جماعت اپنی قوم (قریش) سے نکل کر ہم میں آرہی۔ اب تم یہ چاہتے ہو کہ ہمیں خلافت سے محروم کردو۔''

جب ان کی بات ختم ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سے مخاطب ہوئے ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا۔

''بھائیو تم نے جو اپنی فضیلت اور بزرگی بیان کی وہ سب درست ہے اور تم بے شک اس کے سزاوار ہو، مگر خلافت قریش کے سوا کسی اور قبیلے کے لیے نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اضراہ اور خاندان قریش تمام عرب قبائل سے بڑھ کے ہیں۔ اے سعد تم خوب جانتے ہو جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس وقت تم موجود تھے۔ ''قریش امر خلافت کے والی ہیں۔ ان کے نیک نیکوں کا اور فاجر فاجروں کا اتباع کرتے ہیں۔'' تو سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''آپ نے سچ کہا ہم وزیر ہوں گے تم امیر۔'' ان کے بعد ایک انصاری حضرت بشیر بن سعد خزرجی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پرزور تائید میں یہ الفاظ کہے۔

''ہم نے اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ فقط اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رضائے الٰہی کے لیے تھا۔ یہ مناسب نہیں کہ اس کے عوض ہم متاع دنیا کے خواہاں ہوں۔ ہمیں اجر دینے والا اللہ ہے۔ خلافت کے مستحق تم (انصار) سے زیادہ خود حضور کی قوم ہے۔''

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں چاہتا ہوں کہ تم ان دونوں آدمیوں میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو جسے تم چاہو'' پھر انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جو قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ ہاتھ تھامے دونوں حضرات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں خلافت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا اپنا ہاتھ اُٹھایئے انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی اس طرح بیعت انعقاد خلافت ہوگئی۔ اس کے بعد تمام حاضرین مجلس نے بیعت کی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات والے دن' پیر کی ظہر سے پہلے ہوا۔ دوسرے دن یعنی منگل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں لوگوں سے خطاب کیا اور اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کی اور لوگوں سے کہا ان سے بیعت کریں تو عوام الناس (مہاجرین) سب نے ان سے بیعت کی اور اس طرح یہ بیعت عامہ ہوئی۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریباً تین ماہ بعد مسجد نبوی میں بیعت کی لوگوں کو اس بات کی بہت خوشی ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ معروف کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اب وہ پہلے سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے لگے۔

خلیفہ اول کے چناؤ سے جمہوریت ثابت کرنے کی ناکام کوشش

اب سنیئے جمہوریت کے شیدائی لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنائے جانے والے واقعہ کو کس طرح توڑ مروڑ کر اپنی مطلب برآری کے لیے جمہوریت سے ڈانڈے ملاتے ہیں۔

''سقیفہ بنی ساعدہ اس وقت کا پارلیمینٹ ہاؤس (Parliament House) تھا۔ مہاجر اور انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں تمام قبائلی سرداروں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی' جو اپنے قبیلوں کے نمائندے تھے۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کثرت رائے یعنی جمہوری طریقہ سے خلیفہ بنایا گیا۔'' حقیقت یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ محض قبیلہ خزرج کی ایک ذیلی شاخ بنو ساعدہ کے سعد بن عبادہ کا تھا۔ اور یہ ڈیرہ یا چھپر یا سائبان انہی کے مکان سے ملحق تھا۔ فراغت کے اوقات میں روزمرہ کی عام گفتگو کے لیے چند لوگ جمع ہوتے تھے یہ نہ تو کوئی ایسا مقام تھا جو مدینہ بھر کے معززین کے لیے مخصوص ہو یا اس جگہ اتنے آدمی اس چھپر کے سائے میں بیٹھ سکیں۔ یہ کوئی انتخابی مرکز بھی نہ تھا کہ کسی کو خیال آتا کہ انتخاب کے لیے یہی جگہ موضوع رہے گی۔

دوسری بات کے حضور ﷺ کی موجودگی میں تمام معاملات مسجد نبوی میں طے کیے جاتے تھے۔ آپ کا حجرہ مبارک اور مسجد مسلمانوں کے دل و جان کا محور تھے۔ مزید یہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ پر موجود زیادہ تعداد بنوں ساعدہ کے انصار کی تھی اور باقی اڑھائی سو انصار قبیلوں کے لوگ اور سردار موجود نہ تھے۔ مہاجرین میں سے کل چار یا پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں موجود تھے۔ جن میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے دس مشہور خاندانوں میں سے نہ تھا۔ یعنی یہاں صرف قریش کے دو قبیلوں کے سردار تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسے جیسے مسلمانوں کو حضور ﷺ کے وصال کی خبر ملتی گئی لوگ اپنے گھروں سے چلنا شروع ہوئے اور تین دن تک آتے رہے۔ اور ٹولیوں کی صورت میں حضور ﷺ کی نماز جنازہ ادا کی جاتی رہی۔ تدفین اس لیے روکی گئی کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان حضور کا آخری دیدار کر لیں۔

اس وقت۔کے سرداروں کا چناؤ کسی کثرت رائے سے نہیں ہوتا تھا۔ معاملہ بالکل سادہ اور فطری تھا۔ عام طور پر سرداروں کے چناؤ میں تین باتیں ملحوظ خاطر رکھی جاتی تھیں۔

۱۔ عمر میں بڑا ہونا۔

۲۔ سمجھ دار اور تجربہ کار ہونا۔

۳۔ اپنی اعتقادات اور خصائل کی بنیاد پر محترم ہونا۔

اور ان سرداروں کا چناؤ کسی مخصوص مجلس یا مخصوص وقت میں نہیں ہوتا تھا بلکہ فیصلہ کے لیے چند معزز لوگ نجی گفتگو اور مجلس میں رائے قائم کر لیتے تھے کہ فلاں شخص اس رتبہ کا اہل ہے۔ ایسی چند متفرق اور نجی مجلسوں میں اتفاق رائے کے بعد اسے سردار بنا دیا جاتا۔

حضور ﷺ کی وفات کے وقت محتاط اندازے کے مطابق مسلمانوں کی تعداد تیرہ لاکھ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ اگر سرداروں کو نمائندہ مان بھی لیا جائے تو کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ان تیرہ لاکھ مسلمانوں کے نمائندوں کو چار گھنٹوں میں اطلاع بھی مل گئی ہو گی اور ان چار گھنٹوں میں مدینہ پہنچ کر سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں شرکت کی ہو گی؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے باحیثیت خلیفۃ المسلمین کے چناؤ کو موجودہ نمائندہ پارلیمانی نظام سے جو مماثلت ثابت

کی جارہی ہے' اس سے مجھے بچپن کی پڑھی ہوئی ایک کہانی یاد آ گئی۔ ایلس ان ونڈر لینڈ (Alice in Wonderland)۔

ایلس ایک بچی کسی جگہ سے گزر رہی تھی کہ اس نے دیکھا کہ ایک سانپ انڈے کھا رہا ہے۔ بچی تھی' یہ اس کے ذہن پر نقش ہو گیا۔ کچھ روز بعد وہ کہیں گئی تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا انڈے کھا رہا تھا۔ ایلس نے اسے کہا ''تم سانپ ہو'' یہ سنتے ہی انڈہ اس بچارے کے گلے میں پھنس گیا۔ آدمی نے پوچھا وہ کیسے؟ ایلس نے جواب دیا۔

Snakes eat eggs, You eat eggs, You are a snake.

''یعنی سانپ انڈے کھاتے ہیں' تم انڈے کھاتے ہو' تم سانپ ہو۔''

ان جمہوری لوگوں کی منطق بھی ایلس کی منطق کی طرح ہے۔ چند گنے چنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ (چار یا پانچ) کے اختلاف پر پورا جمہوری نظام چسپاں کر دیا۔ جمہوری نظام کی اپوزیشن پارٹی (Opposition Party) بنا دی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جمہوری نظام کو اس بات سے منسوب کرنے والے حضرات' یا ان کا مکتبہ فکر جمہوری نظام کی روح کو نہیں سمجھ سکا۔

پھر غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی اکثریت کے مطابق فیصلے کیے؟

اس کے جواب میں' دو مشہور واقعات کا حوالہ دونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلا مسئلہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھیجنے کا اور دوسرا زکوٰۃ نہ جمع کرانے والوں کا تھا۔ پہلے مسئلے کے مشورہ میں تمام بزرگ اصحاب کرام کی رائے بھی کو حالات اتنے بدل چکے ہیں' اب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا لشکر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا تھا اسے روک لیا جائے۔ طبری نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے' اگر مجھے یقین ہو کہ درندے آ کر مجھے اٹھا لے جائیں گے تو بھی اسامہ کا لشکر ضرور بھیجوں گا' جیسا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اور اگر ان آبادیوں میں میرے سوا کوئی شخص بھی باقی نہ رہے تو بھی میں یہ لشکر روانہ کروں گا۔''

چنانچہ لشکر بھیجا گیا جو سرخرو ہو کر آیا۔ اس فیصلے کی یہ برکت ہوئی کہ یہ لشکر دیکھ کر اہل

عرب کے دلوں میں رعب بیٹھ گیا کہ یقیناً مسلمانوں کے پاس اتنی زیادہ فوج ہوگی تو انہوں نے ان حالات میں بھی لشکر باہر بھیجا۔

دوسرا معاملہ یعنی زکوٰۃ کا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور فرمایا کہ "عرب نے زکوٰۃ جمع کرانی چھوڑ دی ہے مجھے مشورہ دیں کہ مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے یہ کلمہ پڑھتے ہیں اور یہ کہ اس وقت ہم مہاجرین وانصار ہیں تمام عرب وعجم کے مقابلے کی سکت ہی نہیں۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ اس کے بعد موجود مہاجرین وانصار بھی اس رائے کی تائید میں یک زباں ہو گئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے وہ تاریخی الفاظ کہے جو کنز میں نقل کیے گئے ہیں۔ 'کفر کی حالت میں دلیر اور اسلام کی حالت میں بزدل'۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا:

"خدا کی قسم میں برابر امر الٰہی پر قائم رہوں گا' اور خدا کی راہ میں جہاد کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرما دیں۔ اور ہم میں سے جو قتل ہو وہ شہید ہو کر جنت میں جائے اور جو زندہ رہے وہ خدا کی زمین میں اس کا خلیفہ اور اس کے بندوں کا وارث ہو کر رہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے نیک عمل کرنے والے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ یہ لوگ جو زکوٰۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ادا کرتے تھے اس میں سے ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا حتیٰ کہ میری روح اللہ تعالیٰ سے جا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں فرمایا' بلکہ دونوں کو ایک ہی سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔"

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "خدا کی قسم اس کے بعد میں سمجھ گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں جو لڑائی کا ارادہ ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈالا ہے

اور میں پہچان گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے حق ہے' چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زکوٰۃ سے انکاری لوگوں کے خلاف جہاد کا عزم مصمم کر کے نکل کھڑے ہوئے اور جب وہ مقام ذی القمہ تک پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ تھام لی"۔ کنز میں نقل ہے کہ انہوں نے فرمایا "اے خلیفہ رسول آج میں آپ سے وہی بات کہتا ہوں جو آپ نے غزوہ اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہی تھی۔ یعنی

"اپنی تلوار کو میان میں کیجیے اور ہمیں اپنی ہستی سے محروم نہ کیجیے۔ خدا کی قسم اگر آپ کے قتل کی مصیبت ہم پر پڑ گئی تو پھر آپ کے بعد اسلام کا نظام کبھی درست نہیں ہوگا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصرار پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خود تو واپس مدینہ تشریف لائے۔ اپنی جگہ حضرت خالد بن ولید کو سپہ سالار بنایا اور باغیوں اور مرتدین کے خلاف جہاد کیا۔ اب آپ خود ہی دیکھیں کہ یہاں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام شوریٰ اور تمام اصحاب اکرام رضی اللہ عنہم' بڑے بڑے اکابرین کی رائے کے خلاف دوٹوک اور قطعی فیصلے کیے۔ خلیفہ وقت نے تمام شوریٰ کی متفقہ رائے کو ناقابل تسلیم قرار دے کر اپنی رائے کے مطابق فیصلے کیے۔ پھر سب نے اطاعت کی اور بعد میں سب نے اعتراف بھی کیا کہ واقع اکیلے خلیفہ کی رائے ہی امر بالحق تھی۔

عربوں کی یہ خاصیت تھی کہ وہ دلیر اور صاف گو لوگ تھے کھری کھری اور سچی بات کرنا ان کا شیوہ تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلے سن کر ایک شخص نہ اُٹھا کہ آپ نے اکثریت کو کیسے رد کر دیا۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ سے جنہیں دیکھ کر شیطان بھی راہ بدل لیتا تھا' ایک آدمی ان کی قمیض کے کپڑے کے بارے میں پوچھ سکتا تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایسے سوال اور اعتراض کیے جا سکتے تھے لیکن یہاں کیا' آپ کو پوری خلفا راشدین کی تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ملے گا' کسی کی اکثریت کی بات یا اکثریت کے حق ہونے کی بات نہیں ملے گی۔ بعد کی تاریخ میں مسلمانوں نے خلیفہ کے خلاف جہاد تو کیا لیکن اکثریت کے حق ہونے کے لیے نہیں' جمہوریت کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ خلافت راشدہ کے بعد خلاف دین احکام جاری ہونے لگے تھے۔ ایسا ایک واقعہ 120 ہجری میں ہوا۔ خطابات بہاولپور میں پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے زین بن زین العابدین کو حکومت کے مظالم کی وجہ سے

حکومت کے خلاف سخت نفرت پیدا ہوئی اور وہ حکومت وقت کے دین سے انحراف کرنے پر ان کے خلاف ہو گئے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ انہیں بہت چاہتے تھے اور وہ دل سے خواہاں تھے کہ بنوامیہ کے حکمرانوں کی جگہ زین بن زین العابدین خلیفہ بن جائیں۔ ایک دن زین بن زین العابدین نے ان سے کہا کہ بہت سے لوگ مجھے مدد دینے پر آمادہ ہو چکے ہیں، میں اب حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کرنا چاہتا ہوں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو رقم دی لیکن ساتھ دینے سے انکار کر دیا، یہ کہتے ہوئے کہ ''اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تمہارے تمام ساتھی تمہارا ساتھ چھوڑ جائیں گے تو میں بھی اسی فوج میں شریک ہوتا، یعنی حکومت کے خلاف بغاوت میں خود حصہ لیتا مگر مجھے اطمینان نہیں ہے۔ میں آپ کو رقم کی حد تک مدد دیتا ہوں۔'' چنانچہ وہی ہوا جس کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اندیشہ تھا یعنی ان کے ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ گئے حکومت نے ان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

عوام کی اکثریت کی بات نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید میں کہیں لفظ 'جمہور' نہیں ملتا۔ 'جمہور' سے مراد ہے عوام۔ یہ لفظ 'جمہور' حدیث میں بھی نہیں ملتا لیکن ایک گروہ کا کہنا ہے کہ خلفائے راشدین کا دور جمہوری تھا بلکہ کچھ تو یہ بھی کہہ گزرتے ہیں کہ مغرب والوں نے جمہوریت اسلام سے چرائی ہے۔

دراصل جب عوام کی بات ہوگی تو جغرافیائی قومیت (Nationalism) بھی ساتھ ہو گی کیونکہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ذات نہیں کہ وہ انسان کو قومیت (Nationalism) کا نظریہ دے یا ایسا نظریہ دے جو دائمی نہ ہو۔ جغرافیائی قومیت (Nationalism) صرف ماڈرن دور کا نظریہ ہے اس کے بارے میں یہ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کب تک رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نظریہ نہیں دیا جس سے قوموں میں خون خرابہ ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے اب تک کفار نے جتنی بھی جنگیں لڑی ہیں۔ یہاں تک کہ موجودہ دور کی ورلڈ وارز (World Wars) یہ انہی کے بنائے اپنے نظریات اور عقیدوں کی وجہ سے لڑی گئی ہیں۔ یہ سب انسان کا اپنا کیا دھرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ملت اسلامی قائم کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا، اے انسانوں سب مسلمان ہو جاؤ۔ پھر تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے اور جب پھر بھی قومیں کفر پر قائم رہیں تو جن پیغمبروں کی دعوت و تبلیغ سے کچھ مسلمان ہوئے ان کو

حکم ہوا کہ کفار کے خلاف جہاد کرو، جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت ذوالقرنین علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوموں کو جہاد کا حکم دیا گیا اور پھر پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی امت وملتِ واحد بنا کر جہاد کا حکم دیا۔ اللہ نے کائنات بناتے وقت ہر چیز کے جوڑے بنائے، خواہ تماثیل کی حیثیت جیسے یکساں رنگ اور مزے دار پھل اور ایک شکل وصورت کے دو جانور یا تقابل کی حیثیت سے جیسے عورت، مرد، نر و مادہ، میٹھا کڑوا، سفید وسیاہ، دن رات، اندھیرا اجالا اسی طرح انسانوں میں بھی دو گروہ حزب اللہ اور حزب شیطان وجود میں آئے یعنی مسلمان اور کفار۔ جب تک مسلمانوں نے کفار سے جہاد کیا تینوں براعظموں میں متواتر بڑھتے چلے گئے۔ سپین کے بعد آٹھویں صدی عیسوی میں فرانس کے علاقہ میں داخل ہوئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان پیرس سے صرف سو میل دور رہ گئے تھے انہیں یہاں پر ایک جنگی حکمت عملی غلط قیاس اور تعداد کی کمی کی وجہ سے فرینکس (Francs) سے شکست ہوگئی۔ پھر کچھ صدیوں میں آسٹریا کے شہر ویانا (Vienna) پر قبضہ کرنے کی کوشش کی یعنی ویانا (Vienna) کے لیے دو دفعہ جنگ ہوئی۔ میں نے ویانا کے قریب 1989ء میں وہ پہاڑی دیکھی جہاں ترکوں اور آسٹرئینز کے درمیان 1647ء میں آخری معرکہ ہوا۔ ترک اس جنگ میں مصروف تھے کہ ایک دوسرے محاذ پر ایک مسلمان حکومت نے ترکوں پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے ترکوں کو ویانا (Vienna) سے افواج واپس بلانا پڑیں۔ اگر یہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو شاید آسٹریا (Austria) بھی خلافت عثمانیہ کا حصہ بن جاتا۔ **ہمارے مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے زوال کی تین وجوہات تھیں، پہلی اور سب سے اہم وجہ جہاد کا ترک کرنا۔ دوسری وجہ علماء سو کا وجود میں آنا جنہوں نے ناحق پر بھی مسلمان حکمرانوں کی تائید کی یعنی ساتھ دیا۔ اور تیسری وجہ مسلمانوں کا آرام پرست ہونا۔**

اقبال کی زبان میں:

تیغ و تفنگ دست مسلماں میں ہے کہاں
ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلمان کی موت مر

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ، یورپ سے درگزر

پھر یہ کہ:

گریز کشمکش زندگی سے مردوں کی اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست

اور آرام پرستی کے بارے میں اقبال فرماتے ہیں:

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

مرد مسلمان کے بارے میں اقبال کے مشہور اشعار یاد آ گئے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

یہ ہمیں معلوم ہے کہ جب خلافت پوری طاقت میں تھی یورپ جہالت (Dark Ages) کے دور سے گزر رہا تھا۔ ٹائن بی (Toynbee) لکھتا ہے کہ ''مسلمان علم وفن میں بہت آگے تھے۔ یہاں تک کہ سقراط' ارسطو اور بقراط کے تمام فلسفے مغربی دنیا کو مسلمانوں سے عربی زبان میں ملے۔'' جہاد کی وجہ سے مسلمان ٹیکنالوجی (Technology) میں باقی تہذیبوں سے آگے رہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام ایجادات کا پہلا استعمال جنگ میں ہی ہوتا ہے۔ خواہ وہ ریڈیو ہو' ہوائی جہاز ہو یا نیوکلیئر ٹیکنالوجی۔ اگر مسلمان جہاد جاری رکھتے تو وہ ٹیکنالوجی میں بھی سب سے آگے رہتے اور شاید یورپ اور چین کا تمام علاقہ مسلمان ہو چکا ہوتا۔ تینوں براعظموں کے لوگ ملت واحدہ کی صورت اختیار کر لیتے جو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور منشا ہے۔ مغربی تہذیب جنگوں کا شکار نہ ہوتی' نہ یہ چھوٹے موٹے ملک' نہ کفار اقوام کا نظریہ جمہوریت اور نہ ہی قومیت (Nationalism) کے بت۔ انسان کی یہ تمام قومیتیں (Parochialism) اور (Nationalism) اس کے کفر کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں' ورنہ خلیفہ ایک ہوتا ہے اور تمام مسلمان اس کی بیعت کرتے ہیں۔ اس لیے ہم یہ بات آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جمہوریت کا نظریہ یورپ میں اس لیے وجود میں آیا کہ مسلمانوں نے جہاد ترک کر دیا ہم نے انہیں اسلام کا درس دینا چھوڑ دیا انہوں نے ہمیں کفر کا درس شروع کر دیا۔ گنگا الٹی بہنے لگی۔ مختصر یہ کہ اکثریت کی حاکمیت کا نظریہ جمہوریت' قرآن اور حدیث سے نکالنا اور مسلمانوں کی تاریخ میں تلاش کرنا بالکل بے سود ہے۔ ہاں خلافت عثمانیہ کے بعد جب 1924ء میں۔

''چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قباء''

اور مسلمانوں میں جمہوری نظریہ نظر آنے لگا۔

یہ قابل غور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن میں کہہ دیتے یا رسول کریم ﷺ کہیں فرما دیتے کہ:

''اپنے معاملات اکثریت کی رائے کے مطابق طے کرلیا کرو' تو انسان کو اپنی من مانی کرنے کا دروازہ کھل جاتا۔ اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آشیرباد مل جاتی' بلکہ ایک لائسنس مل جاتا' من مانی کرنے کا' ہوس پرستی کا۔ حلال حرام اور حق اور سچ کا معیار اکثریت کی رائے بن جاتی۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا کہ تم نے یہ کام کیوں کیے؟ تو وہ کہتا ''یا اللہ تو نے خود ہی تو فرمایا تھا کہ اپنے معاملات اکثریت کی رائے کے مطابق طے کرلیا کرو۔ ہم نے جو کیا تیرے حکم اور تیری اجازت سے کیا۔''

اب آپ خود بتایئے کہ جہنم کی کیا ضرورت رہ گئی۔ سود' زنا' شراب' لواطت سب جائز ہو چکے ہوں تو قرآن مجید کی کیا حقیت باقی رہ جاتی ہے۔ جہاد ختم ہو جاتا کیونکہ سب کو حق حاصل ہوتا کہ وہ اکثریت کی رائے کے مطابق جو چاہیں کریں۔ جمہوریت کو جائز مانا جائے تو قرآن اور جہاد حق نہیں مانے جاسکتے۔ جمہوریت تو انتہائے کفر ہے اور تدریجاً کفر میں ترقی کرتے یہ منتہائے کفر ہے۔ جب اکثریت جو کہے' کرے وہ صحیح مانا جائے تو تمام پیغمبروں کا آنا بے معنی اور بے مقصد ہو جاتا ہے۔ فرد واحد تمام اکثریتوں کی نظریات واعمال ٹھیک کرنے پر مجبور کرتے رہے۔ اس سے بھی آگے پیغمبروں کی نافرمانی کی وجہ سے قوموں پر جو اکثریت میں ہوا کرتی تھیں اللہ تعالیٰ کا عذاب معاذ اللہ ان قوموں پر ظلم اور ناانصافی بن جاتا ہے۔ یعنی نعوذ باللہ' اللہ تعالیٰ بے عیب نہیں' اب بتائیں ایسے نظریے کو صحیح کہنے والا محض جہالت کی وجہ سے کتنی بڑی اور سنگین بات کہہ جاتا ہے۔

خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نامزدگی (Selection)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کس طرح خلیفہ بنائے گئے اور انہوں نے اپنے فیصلے کس طرح کیے۔

ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی مرض الموت میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ تاریخ میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا

وقت قریب ہوا تو آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا' عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے کہا۔

''اے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمر آپ رضی اللہ عنہ کی رائے میں زیادہ بہتر ہے۔ مگر مزاج میں سختی ہے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔'' وہ اس لیے تھی کہ میں نرم تھا۔ جب خلافت کا بوجھ سر پر پڑے گا تو سب سختیاں دور ہو جائیں گی۔''

اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور پوچھا ''عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا رائے ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''میرے علم کے مطابق ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا کوئی جواب نہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت طبیعت کی وجہ سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اب آپ رضی اللہ عنہ خدا کے پاس جاتے ہیں۔ یہ سوچ لیں کہ خدا کو کیا جواب دیں گے'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر ایک ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو سب سے بہتر تھا۔'' ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا اور انہوں نے بھی وہی کہا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا عہد نامہ لکھوایا۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بالا خانے پر چڑھے اور لوگوں سے کہا کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تم پر خلیفہ مقرر کیا ہے تم اسی کی سنو اور اطاعت کرو' اس پر لوگوں نے کہا کہ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے' اس سے پہلے کہ ہم اس واقعہ کا تجزیہ کریں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کا ذکر کر رہے ہیں جو انعمت علیہم' میں شامل ہیں اور جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی جنت کی بشارت دی تھی۔

اس تمام واقعہ سے بھی جمہوریت کا نشان نہیں ملتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقریباً 3 ماہ بیمار رہے۔ وہ چاہتے تو مکہ مدینہ اور طائف کے شہروں میں بسنے والے لوگوں سے ان کی رائے طلب کر سکتے تھے کہ لوگ کس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تاہم انہوں نے ایسا نہیں کیا اگر تمام لوگوں سے رائے لینا ان کی نظر میں مناسب نہیں تھا تو کم از کم اتنا تو کر سکتے تھے کہ تمام قبائل کے سرداروں

اور گورنروں کو بلواتے اور ان کی اکثریت کی رائے پر فیصلہ فرما دیتے' یہ بھی نہیں ہوا۔ یہ تو ہو سکتا تھا کہ کسی بھی نماز کے بعد وہ تمام موجود نمازیوں سے ان کی رائے لیتے اور خلیفہ مقرر کر دیتے۔ یہ بھی نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود ذہن بنایا۔ چند اکابرین صحابیان سے مشورہ کیا۔ پھر فیصلہ لکھوا دیا اور لوگوں میں اعلان کر دیا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جن صحابہ سے مشورہ کیا سب نے حضرت عمر کے مزاج کی سختی کا ذکر کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقرر کرنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوگئی اور سب مسلمانوں نے یک زبان ہو کر کہا' ہم سنیں گے مانیں گے۔ بعد میں سب نے بیعت کر لی۔ یہ بیعت اطاعت تھی۔ تاریخ نے یہ ثابت کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ نہ صرف صحیح تھا بلکہ وہ امت مسلمہ پر احسان کر گئے۔ آج دنیا ایک ایک چیز میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال دیتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک انگریز مورخ غالباً کارلائل نے کہا اگر عمر (رضی اللہ عنہ) 10 سال اور زندہ رہ جاتا تو خلافت ساری دنیا پر پھیل جاتی سوچنے کی بات ہے کہ اسلام کے نظام کو وہ حضرات زیادہ بہتر جانتے تھے نہ کہ ہم جو جمہوریت اسلام میں ٹھونس رہے ہیں۔ اب یہ جائزہ لیتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے فیصلے کیسے فرمایا کرتے تھے۔ اس میں صرف ایک واقعہ مثال کے طور پر پیش کروں گا۔ یہ واقعہ جناب عبدالرحمٰن کیلانی نے اپنی کتاب' خلافت اور جمہوریت' میں طبری جلد 3 سے ماخوذ کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق پر حملہ کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر خود فوج کی کمان سنبھال لی اور فوج لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ یہاں ضمناً عرض کر دوں ہم لوگ کتنے ظالم ہیں' اپنی تنگ نظری اور میلے دلوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کا قیاس کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کے بعد پہلی مرتبہ مدینہ چھوڑ رہے ہیں اور اپنا قائم مقام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنا رہے ہیں۔ مگر افسوس ہماری بے لگام زبانیں کہیں نہیں رکتیں۔ ایک جگہ چشمہ سراء' پر آ کر قیام کیا۔ تمام فوج میں لڑائی کے لیے جوش پیدا ہو گیا کیونکہ خلیفہ وقت خود ان کا سپہ سالار تھا۔ حضرت عثمان نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کا خود عراق جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام سپہ سالاران فوج اور تمام لشکری لوگوں کو ایک جلسہ عظیم میں مخاطب کر کے خطاب کیا۔ تمام فوج ان کے ساتھ ہونے پر بہت خوش تھی۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس رائے کو نہ

پسند کرتا ہوں۔ خلیفہ وقت کا خود مدینہ منورہ سے جانا خطرے سے خالی نہیں۔ اگر کسی سردار کو جنگ میں حزیمت ہو تو خلیفہ وقت کام کو سنبھال لے گا۔ لیکن اگر خلیفہ وقت کو جنگ میں کوئی نقصان پہنچے تو پھر مسلمانوں کے کام کو سنبھالنا دشوار ہو جائے گا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے بلوایا اور تمام اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ خلیفہ وقت ساتھ نہ جائیں۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام فوج سے پھر خطاب کیا کہ تمام صاحب الرائے حضرات میرے جانے کو ناپسند کرتے ہیں۔ میں مجبور ہوں اب کوئی دوسرا شخص سپہ سالار بن کر تمہارے ساتھ جائے گا۔ اس کے بعد حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکثریت کی رائے کو رد کر کے چند اہل رائے کے مشورہ کو قبول کیا۔ دوسری بات کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانے کا فیصلہ کرنے کے بعد کچھ سفر بھی طے کر چکے تھے اور فوج کے تمام لوگ ان کے اس فیصلے سے خوش تھے اور اس کے حق میں تھے۔ اس کے باوجود چند اہل اصحاب رضی اللہ عنہم نے اس فیصلہ پر اعتراض کرنے پر کوئی تغافل نہیں کیا۔ ہم اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت جوش، شوق اور دلولے سے قیادت میں نکلے ہوں گے کیونکہ وہ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے شہادت کی موت عطا فرما اس کے باوجود انہوں نے اہل عقل و دانش کا فیصلہ قبول کیا اللہ نے ان کی دعا کسی اور طریقے سے قبول فرمائی اس واقع سے بھی اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلے کرنے کی نفی ہوتی ہے اور یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ رائے کو Opinion اور Recommendation کہا جاتا ہے فیصلہ نہیں۔ رائے فیصلہ ہوتی، تو پوری فوج کے فیصلہ کو ماننا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس ووٹ فیصلہ ہوتا ہے، رائے یا مشورہ نہیں۔

ایسے ہی اور واقعات ہیں۔ مثال کے طور پر طاعون سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشاورت کا اور عراق کے مفتوح علاقوں کی زمینوں کو سرکاری ملکیت میں لینے کا جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کی رائے اور مشورے کے خلاف فیصلے کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا بھی کرتے تھے کہ نماز کے اوقات میں مسجد نبوی میں لوگوں سے رائے طلب کرتے اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ فیصلہ فرماتے تھے اور آپ جانتے ہیں کہ اجماع صحابہ اور اکثریت کی رائے بالکل مختلف چیزیں ہیں۔

خلیفہ سوئم حضرت عثمان بن غفان رضی اللہ عنہ کی تقرری

اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا چناؤ کیسے ہوا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔ فرمایا "اگر خلیفہ مقرر کر دوں، تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو مجھ سے بہتر تھے خلیفہ مقرر کر گئے تھے اور اگر نہ کروں تو (بھی ٹھیک ہے کیونکہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو مجھ سے بہتر تھے خلیفہ نہیں بنا گئے تھے۔" طبری میں ہے کہ جب حضرت عمر پر خنجر کا وار ہوا تو آپ سے کہا گیا کہ کسی کو خلیفہ بنا جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا۔

پھر کسی نے کہا کہ اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر جائیے۔ آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور یہ بھی کہا کہ "اگر یہ حکومت اچھی چیز تھی تو اس کا مزہ ہم نے چکھ لیا۔ گر یہ بری چیز تھی تو عمر کے خاندان کے لیے یہی کافی ہے کہ کل خدا کے سامنے ان میں سے ایک ہی آدمی سے حساب لیا جائے۔" (طبری)

بعد ازاں بخاری میں ہے کہ انہوں نے چھ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی شوریٰ بنائی وہ چھ اصحاب اکرام رضی اللہ عنہم یہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابووقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ فرمایا کہ یہ آپس میں مشورہ سے اپنے میں سے خلیفہ کا تقرر کر لیں۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ ان کی تدفین سے فراغت کے بعد یہ چھ اصحاب اکٹھے ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چھ اپنے میں سے تین کو مختار کر لو۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ خلیفہ بننے کی خواہش نہیں رکھتے اس لیے اگر تم دونوں چاہو تو میں تم دونوں میں سے ایک خلیفہ مقرر کر دوں۔ دونوں نے کہا ہمیں قبول ہے۔ آپ خود سوچیے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بلکہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ کو عوام کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے یا

آپ کو تمام مسلمانوں سے مشورہ کرنا چاہئے اور جسے وہ چنیں اسے خلیفہ مقرر کریں۔ اگر حضور کریم ﷺ کا کوئی ایسا فرمان ہوتا جس میں عوام سے تمام مسلمانوں سے مشورہ کرنے کی گنجائش ہوتی تو پوری خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی تاریخ میں کوئی ایک صحابی تو اس کا ذکر کرتا۔ مگر کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے بھی یہ کہا ہوا کہ عوام سے مشورہ لیا جائے اور جس کی طرف زیادہ مسلمان ہوں اس کو خلیفہ بنایا جائے یا کبھی یہ کہا ہو کہ اسلام میں حلال عمل کے لئے اپنا ایجنٹ نمائندہ یا وکیل چننے کی اجازت ہے اس لئے ووٹ ڈلوالو کہ عوام کس کو اپنا خلیفہ چنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''فقہا' عابدین' سمجھ دار خدا پرستوں سے مشورہ کرو اور کسی اکے دکے کی رائے مت جاری کرو۔'' (تفسیر عثمانی)

یہاں پر ایک اور بات عرض کرتا چلوں کہ 'انسان اپنا ایجنٹ' نمائندہ یا وکیل اس وقت چنتا ہے جب اس کا حق ثابت ہو' شادی بیاہ' مکان' پلاٹ خرید وفروخت میں۔ یا حق حاصل کرنا ہو جیسا کہ مقدمہ وغیرہ میں' جب کہ قرآن' حدیث یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کسی کلام یا عمل سے ثابت ہی نہیں ہوتا کہ ہر' اکے دکے' کو خلیفہ چننے کا حق دے دیا گیا ہے۔ خلیفہ چننے کا معاملہ بہت اہم اور سنگین دینی معاملہ ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ چور' ڈاکو' شرابی' زانی' رشوت خور' ناجائز منافع خور' رسہ گیر اپنے ہی جیسے کو نمائندہ چننے گا' شریعت تو ایسے لوگوں کی گواہی بھی قبول نہیں کرتی۔ حجۃ الوداع میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک لاکھ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ 5000' 500' 100' 50' یا 25 صحابہ رضی اللہ عنہ کی شوریٰ بھی بنا سکتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شوریٰ بنائی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ میں شامل کیا ہم سب جانتے ہیں کہ سوائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے یہ سب صحابہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ چنانچہ دونوں کی رضامندی سے اور باقی اصحاب رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرکے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعتِ انعقادِ خلافت ہوگی۔ پھر بیعت عامہ ہوئی جس میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی اس کے بعد تمام مدینہ میں رہنے والوں نے بیعت کی۔ خلیفہ کے انتخاب کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین دن کی مدت مقرر کی تھی۔ حضرت مقدار کو حکم دیا گیا تھا کہ جب تک یہ لوگ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ نہ چن لیں کسی کو اندر آنے یا جانے کی اجازت نہ دی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو صرف رائے دینے کی حد تک نامزد شوریٰ میں شامل ہونے کی اجازت تھی۔ صرف یہی ان کے کمرے میں داخل ہو سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو تین دن کے لیے عارضی طور پر تا انتخاب خلیفہ، مدینہ کا امام مقرر کیا۔

خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقرری

اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے خلیفہ مقرر کیے گئے۔ طبری میں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پانچ دن تک غافقی بن حرب امارات کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ یہ لوگ شر پسند اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ جو بھی امارت قبول کرے اس کو امیر بنا دیا جائے۔ وہ حضرت سعد کے پاس گئے انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی برأت کا اعلان کیا۔ اس طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے دوٹوک الفاظ میں خلیفہ بننے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے مدینہ کو محاصرے میں لے لیا کیونکہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد حج پر گئی ہوئی تھی اور لوگوں سے کہا کہ ہم تمہیں دو دن کے لیے مہلت دیتے ہیں اس دوران کوئی امیر مقرر کرو ورنہ اگلے دن ہم علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ سمیت اور بہت سے لوگوں کو قتل کر دیں گے پس لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد ہو گئے، ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں کہ آپ پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا، مجھے چھوڑ دو کسی اور کو تلاش کرو۔

شر پسند عناصر نے شہر کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی جو تھوڑے اصحاب رضی اللہ عنہم رسول مدینہ میں موجود تھے وہ دل شکستہ ہو کر سہمے ہوئے تھے۔ یہ شر پسند جو مصر کوفہ اور بصرہ سے آئے ہوئے تھے انہیں خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر وہ اس معاملے کو یونہی چھوڑ کر واپس چلے گئے تو ان کی خیر نہیں۔

البدایہ میں ہے کہ عبداللہ بن صباح مصر سے بھیس بدل کر مدینہ آیا اور اپنے چیلوں کو تاکید کی کہ خلیفہ کے تقرر کیے بغیر اپنے علاقوں کو ہرگز نہ جائیں۔ لوگ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور خلافت قبول کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ ہم آپ سے زیادہ کوئی آدمی مناسب نہیں دیکھتے مسابقت فی اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے بھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ایسا نہ

کرو میں امیر بننے سے زیادہ وزیر بننا پسند کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا خدا کی قسم ہم تو آپ کی بیعت کریں گے۔ ابن قتیبہ کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا یہ اہل شوریٰ اور اہل بدر کا کام ہے۔ جسے وہ منتخب کریں وہی خلیفہ ہوگا۔ پس ہم جمع ہوں گے اور اس معاملے پر غور کریں گے۔ دوسرے الفاظ میں خلیفہ بنانے کا حق اہل حل وعقد یا اعیانِ ملت کا ہے۔ لیکن اس کا موقع ہی نہ ملا۔ اور ایک شخص اشتر نخعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تقرری

آخر میں حضرت حسن کا خلیفہ مقرر ہونا۔ البدایہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے قریب آپ سے لوگوں نے کہا کہ اپنا ولی عہد مقرر کر جائیے۔ آپ نے جواب میں فرمایا میں مسلمانوں کو اسی حالت میں چھوڑوں گا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو چھوڑا تھا۔

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر المومنین اگر آپ فوت ہو جائیں تو ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت کر لیں فرمایا ''میں نہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں تم خود بہتر سمجھتے ہو۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد طبری میں ہے کہ قیس بن سعد نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا' اپنا ہاتھ اٹھائیے میں آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر بیعت کرتا ہوں ان کے بعد سب نے بیعت کر لی۔

یہ کہنا کہ اُمت ہی خلیفہ کا بالواسطہ یا براہ راست چناؤ کرتی ہے' نہ دینی طور پر درست ہے نہ تاریخی طور پر۔ اور یہ کہنا کہ 'منتخب ہونے والا اُمیدوار' اُمت کی بیعت کے ذریعے خلافت کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے' تاریخ سے ناواقفیت اور دینی کم فہمی کا ثبوت ہے۔ پھر یہ کہنا کہ ''اُمت کی بیعت کے ذریعے خلیفہ کے چناؤ پر صحابہ اکرام کا اجماع ہے'' 'سفید جھوٹ' ہے۔ خلافت راشدہ سے مکمل ناواقفیت اور حقیقت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہتان ہے کہ انہوں نے یہ خلاف قرآن' خلاف سنت کام کیا۔ یہ سب مسلمانوں کے علم میں ہونا چاہئے کہ بیعت انعقاد خلافت میں 'اکے دکے' کا کوئی کام نہیں یہ اہل حل وعقد کا فریضہ ہے۔ بیعت عامہ جو تمام مسلمانوں نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کی' بیعت اطاعت تھی کہ ہم خلیفہ کی اطاعت کریں گے۔

بیعت انعقاد خلافت اور بیعت اطاعت میں فرق

دکھ کی بات یہ ہے کہ کچھ لوگ محض سنی ہوئی باتوں کو اپنی رائے بنا لیتے ہیں اور سختی سے اس پر اڑ جاتے ہیں۔ جمہوریت سے مراد انصاف‘ مساوات‘ عزت‘ آزادی رائے وغیرہ ہے تو یہ سب چیزیں اسلام کا جز ہیں۔ نظام خلافت کا جز ہیں جو خلافت راشدہ کے دور میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی اور ایسی مساوات اور ایسا انصاف اور ایسا انفرادی حقوق کا پاس اس کے بعد دنیا کا کوئی معاشرہ ایسی مثال پیش نہ کر سکا۔ کوئی منارکی (Monarchy) کوئی Aristocracy اور کوئی ڈیموکریسی (Democracy) خلافت راشدہ کے انسانی حقوق کے معیار کی برابری نہیں کر سکی۔ اور تمام چیزیں فرد کی آزادی (Liberty) برابری (Equality) بھائی چارہ (Fraternity) نظام خلافت کا بہت اہم جز تھیں۔ اس لیے کل کو چھوڑ کر صرف ایک جز و کی بات کرنا کم عقلی‘ لاعلمی یا نیت کی خرابی کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اگر جمہوریت کی وہی تعریف ہے جو دنیا میں مانی جاتی ہے یعنی اکثریت کی حاکمیت ایک لادینی آئین کے تحت تو پھر خلافت راشدہ کا دور سراسر اور مکمل طور پر غیر جمہوری تھا۔ نظام خلافت کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے۔

It is a System on the orders of Allah, for Allah according to Qur'an and Sunnah of Rasulullah.

”خلافت ایک نظام ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کا، اللہ کی رضاء کیلئے قرآن اور سنت کے طریقہ پر“۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اشتر نخعی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر حضرت قیس بن سعد نے سب سے پہلے بیعت کی۔ بیعت منعقد ہو گئیں۔ اسے بیعت خاص کہتے ہیں یعنی بیعت انعقاد خلافت۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود مقرر کیا اور انعقاد خلافت ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تحریری حکم سُننے کے بعد تمام مسلمانوں نے بیعت کی تو یہ بیعت یعنی بیعت اطاعت ہو گئی۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مشورہ سے چنا گیا اور سب سے پہلے شوریٰ کے امیر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بھی بیعت انعقاد خلافت ہوئی۔ بخاری

میں ہے میسور بن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا اللہ کے رسول اور اس کے بعد دونوں خلیفہ کی سنت کے مطابق میں آپ کی بیعت کرتا ہوں پھر مہاجرین اور انصار اور تمام مسلمانوں نے ان کی بیعت کی یعنی بیعت عام ہوئی۔ بیعت خاص خلافت کے انعقاد کے لیے ہوتی ہے۔ اس میں شوری حصہ لیتے ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کے گروہ سے کہا' یہ شوری اور اہل بدر کا کام ہے جسے وہ منتخب کریں وہی منتخب ہوگا بس ہم جمع ہوں اور اس معاملے پر غور کریں گے یعنی بیعت خاص جو بیعت انعقاد خلافت ہوتی ہے اہل حل وعقد کا فریضہ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت خاص یعنی بیعت انعقاد خلافت سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی اور بیعت عام یعنی بیعت اطاعت دوسرے دن مسجد نبوی میں ہوئی۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متعلق مشورے حضرت منور بن مغیرہ رضی اللہ عنہ کے گھر ہوئے لیکن بیعت انعقاد بیعت خاص جو عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کی اور بیعت عام دونوں مسجد نبوی میں ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہی چاہتے تھے کہ ان کا چناؤ حسب دستور ہو مگر ہنگامی حالت کی وجہ سے ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ بیعت انعقاد خلافت اشتہر مخفی نے کی اور بیعت عام یعنی بیعت اطاعت مسجد نبوی میں ہوئی۔

بیعت انعقاد خلافت' اور بیعت اطاعت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ فیصلہ شوری یعنی اہل حل وعقد کرتے ہیں۔ بیعت عام کا مقصد محض سننا اور اطاعت ہے جیسے کہ تمام متعلقہ محولہ احادیث سے ثابت ہے۔ بیعت عام اطاعت کی بیعت ہوتی ہے۔ خلیفہ کے چناؤ میں عوام کا کوئی کام نہیں' کوئی ذمہ داری نہیں' اور نہ ہی انہیں اس بات کا اختیار ہے کہ وہ خاص کے فیصلے کو رد کر دیں اور نہ کبھی ایسا ہوا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انعقاد خلافت یا بیت انعقاد خلافت کے بعد فیصلہ عوام کے سامنے بغرض قبولیت عامہ پیش کیا جاتا تھا۔ چاہے تو اسے منظور کریں یا اسے رد کریں۔ یہ بالکل درست نہیں۔ ان کے اس نظریہ کے سلسلہ میں کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی اور نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ملتا ہے جس سے کہا جا سکے کہ بیعت خاص یعنی انعقاد خلافت کے بعد دوبارہ مسئلہ لوگوں کے سامنے فیصلے کے لیے پیش کیا جاتا تھا بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ بیعت عام کو لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے بلکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار مسلمانوں سے تاکید فرمائی ہے کہ

''بیعت سے گریز نہ کریں''، یعنی جسے خلیفہ چن لیا جائے اس کے ہاتھ پر بیعت ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بے حساب احسانوں میں سے ایک احسان ہے کہ اس نے خلیفہ کی تقرری کے بعد سب مسلمانوں پر بیعت لازم کر دی۔ یعنی مرضی (Choice) نہیں چھوڑی تا کہ اختلاف، فتنے، فساد اور انتشار کے دروازے بند ہو جائیں۔ اس سلسلہ میں یہ احادیث خاص طور پر مسلمانوں کی رہنمائی کرتی ہے۔

1۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں خلیفہ کی بیعت کا طوق نہ ہوا تو وہ جہالت کی موت مرا۔'' موت کے وقت کا کسی کو علم نہیں۔

2۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی۔''

3۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے جب کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ بلکہ کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا 'تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو۔'' (مسلم)

کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کی تین وجوہات ہو سکتیں تھیں۔ پہلی وجہ کہ کوئی دوسرا مقابلہ میں آ جائے۔ اس سلسلے میں یہ احادیث ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔

1۔ مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب دو خلفاء کے لیے بیعت کی جائے اس میں دوسرے کو ختم کر دو۔''

2۔ مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب دو خلفاء کی بیعت ہونے لگے تو بعد والے کو قتل کر دو۔''

3۔ مسلم میں عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''تم کسی ایک شخص پر متفق ہو اور کوئی شخص تمہاری قوت کو توڑنے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرے تو اس کو قتل کر دو۔''

حضور ﷺ کے ان فرمودات سے ہمیں یہ ہدایت ملتی ہے کہ ایک خلیفہ کے مقرر کیے جانے کے بعد یا وہ مقرر کیا جا رہا ہو دوسرا کوئی امیدوار خلافت ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے مسلمانوں کے پاس متبادل راستہ رہ ہی نہیں جاتا۔

بیعت نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کسی کو خلیفہ میں کوئی چیز پسند نہ ہو۔ اس پر ہمیں حضور کریم ﷺ کے یہ فرمان ملتے ہیں۔

1۔ مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم پر ناک کٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جب تک وہ تمہیں اللہ کے احکام کے مطابق چلاتا رہے تب تک اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔''

2۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے۔ خواہ وہ حکم اسے پسند ہو یا نہ پسند جب تک کہ وہ گناہ کا حکم نہیں دیتا اور اگر وہ گناہ کا حکم دے تو پھر اس بات کو نہ سنو اور نہ اطاعت کرو۔''

3۔ مسلم میں وایل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمہ بن ہذیب بن مخفی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''اے اللہ کے نبی اگر ہم پر ایسے امیر مسلط ہوں جو ہم سے اپنا حق تو مانگیں لیکن ہمیں ہمارا حق نہ دیں تو ایسی صورت میں ہمارے لیے آپ کا کیا حکم ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ان کی بات سنو اور اطاعت کرو ان کی ذمہ داری کا وبال ان پر ہے اور تمہاری ذمہ داری سمع و اطاعت کا تم پر۔''

4۔ مسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے امیر کی اطاعت سے بالشت برابر بھی فرق کیا اور وہ اس حالت میں مر گیا تو وہ جہالت کی موت مرا۔''

خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کی تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انسان اپنی کمزوری کی وجہ سے یہ سمجھے کہ وہ اس بیعت کو پورا نہ کر سکے گا۔ یہاں رحمت اللعالمین نے فرمایا۔

1۔ بخاری نے بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ ''میں نے سننے اور ماننے پر حضور ﷺ کی

بیعت کی تھی تو آپ نے مجھے تلقین کی۔ ''جس کی تمہیں استطاعت ہو اور نصیحت ہر مسلمان کیلئے ہے۔''

حضور ﷺ نے بیعت ہر مسلمان پر لازم قرار دی۔ اب اس کا تعلق قرآن کی اس آیت سے کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔

''خدا کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔''

اللہ اور اس کے رسول کی رسی کا اگلا سرا خلیفہ وقت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اگر مسلمان خلیفہ کی بیعت نہ کریں اور اپنی اپنی سمت کھینچنے لگیں تو اسلامی معاشرہ جمود و انتشار اور تفرقے کا شکار ہو جائے اور وحدت ملی ختم ہو جائے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ روحانی وحدت ختم ہونے سے تہذیب ختم ہو جاتی ہے۔

جناب عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں کہ ملی وحدت تین عناصر سے عبارت ہے' جماعت' امیر' اور فرد۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جماعت کے بغیر اسلام کی سر بلندی ناممکن ہے اور امیر کی امارت اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتی جب تک ہر شخص اس کا حکم سن کر اس کی بات نہ مانے۔''

ان تمام احادیث کی روشنی میں کسی مسلمان کے پاس بیعت عامہ نہ کرنے کا جواز نہیں رہتا۔ اس کے باوجود اگر کوئی الگ ہوتا ہے تو اقبال فرماتے ہیں:

توشاخ سے کیوں پھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا اک جذبہ پیدائی! اک لذت یکتائی

اس تمام معاملہ کی خوبصورتی یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان بیعت عامہ یعنی سنیں گے اور عمل کریں گے' نہ کرے تو اسلام زبردستی بیعت کروانے کی اجازت نہیں دیتا۔ یعنی کسی کو بیعت کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن کوئی بھی مسلمان چاہے وہ بیعت نہ بھی کرے کسی شرعی حکم سے روگردانی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص یا گروہ خلیفہ کی بیعت پر راضی نہیں ہے تو اس کے لیے محض یہی کافی نہیں ہے کہ انتشار پیدا کرنے سے گریز کرے بلکہ قوم پر برا وقت آئے تو یک جہتی کے ساتھ خلافت کا ساتھ دے۔ چنانچہ فتنہ ارتداد کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ طبری نے بیان کیا ہے کہ ان کے حکم سے مدینہ کے لیے پہرہ دیتے تھے۔ خلیفہ کے

مقابلے میں جو شخص آئے وہ شخصی اعتبار سے کتنا ہی مقدم اور محترم کیوں نہ ہو اس کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ حکومت قائم کے خلاف خروج کرے۔ یہ ایک فطری قانون ہے کہ دور جدید کے تمام ممالک ایسی ہی سختی کے ساتھ اپنے آئین کی حفاظت کرتے ہیں۔

جمہوریت اور نظام خلافت اس طریقہ میں بھی مختلف ہیں کہ جمہوریت میں حکومت کے سربراہ کا انتخاب براہ راست عوام کرتے ہیں یا بلواسطہ لوگوں کے منتخب کردہ اسمبلی ممبرز وغیرہ۔

اس کے برعکس خلیفہ کا چناؤ شورائی طریقہ سے کیا جاتا ہے یعنی اہل حل وعقد اصحاب عقل وبصیرت بزرگ اور محترم ہستیاں اور امت مسلمہ کے اس وقت کے افضل ترین مرتبہ والے مسلمان کرتے ہیں جن میں خوف خدا کی قدر مشترک ہوتی ہے۔

جمہوریت پیسے کی آمریت ہے

میں 1990ء میں بحیثیت لیفٹیننٹ کرنل جی ایچ کیو میں تعینات تھا۔ ان دنوں پاکستان کو یہ مسئلہ درپیش تھا کہ ہندوستان کو امریکی کانگریس کے کچھ طاقتور سینٹرز کی حمایت حاصل تھی۔ نتیجتاً امریکی حکومت پر ہندوستان کا اثر رسوخ بڑھ رہا تھا۔ اس دوران ہمیں ایک کتاب پڑھنے اور ویڈیو فلم دیکھنے کا موقع ملا۔ میں عرصہ دراز سے ٹی وی وغیرہ نہیں دیکھتا لیکن وہ فلم مجھے ایک مجبوری کی وجہ سے دیکھنی پڑی اس دستاویزی فلم (Documentary) کا اہم پیغام کچھ یوں تھا کہ کانگرس کے ہر الیکشن میں 99 فیصد سینٹر (Senators) بار بار جیتتے ہیں اور لگاتار ہارتے ہی نہیں۔ ایسا پچھلے 30 سالوں سے ہو رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ سینٹر (Senator) بن جانے کے بعد سینٹرز (Senators) اپنے حلقہ انتخاب میں ہر دل عزیز بننے کے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں اور ایسی انوکھی ترکیبوں سے اپنی شخصیت اور اپنی مصروفیات کو میڈیا پر یعنی اخبار رسالے ٹی وی وغیرہ پر اس کی تشہیر کرتے ہیں کہ خواہ وہ کچھ بھی کر رہے ہوں۔ جہاں بھی ہوں ان کے ووٹر یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ ان کا سینٹر دن رات ان کے حقوق کی جنگ لڑنے میں مصروف ہے۔ دستاویزی فلم سے معلوم ہوا کہ یہ تمام سیاست دان امیر ترین لوگوں میں سے ہوتے ہیں۔ فیکٹریز اور بڑی بڑی جائیدادوں کے مالک ہوتے ہیں۔ جب یہ ایک مرتبہ منتخب ہو جائیں اگر انہیں فنڈ اکٹھا کرنے میں

مہارت نہ ہو تو اگلا الیکشن ہار جائیں لیکن انہوں نے 'دامن پکڑ لیا ہے اقتدار کا' اس لیے یہ اپنی خدا داد صلاحیتوں سے فنڈز اکٹھا کر سکتے ہیں۔ مختلف طبقے اپنے اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے انہیں کافی رقوم' فنڈز اور تیسری دنیا کے ملک اپنے اپنے ملکی مفادات کے لیے ان کو 'پارٹی' کے لیے منہ مانگی رقوم دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے سنا ہوگا کہ چند سال پہلے چین نے بل کلنٹن کے الیکشن میں خفیہ امداد کی تھی جس کا بروقت پتہ چل گیا اور شاید رقوم واپس کر دی گئیں تھیں۔ یہ ایک مثالی جمہوری ملک کی قیادت کا بہترین مختصر نقشہ تھا اگر دنیا کے تمام جمہوری ملکوں کی قیادت کی طرف نظر دوڑائیں تو آپ دیکھیں گے بلکہ آپ کو مجھ سے زیادہ علم ہے کہ تمام جمہوری لیڈر امیر ہوتے ہیں یعنی لارڈز' جاگیردار' سردار' صنعت کار وغیرہ۔

اور یہ حضرات ابتداء میں اپنے پیسے سے سرمایہ کاری کرتے ہیں ایک یا دو فیصد امیدوار ایسے ہوتے ہیں جنہیں پارٹی پہلی مرتبہ پیسے دے دیتی ہے بعد میں وہ خود کفیل ہو جاتے ہیں۔ یہی امیر حضرات بار بار منتخب ہوتے ہیں اور ملکوں کی قیادت مہیا کرتے ہیں یعنی ملک کے لیڈر اور قائد ہوتے ہیں۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ پیسے کے علاوہ جوڑ توڑ' سیاست اور فنکاری و اداکاری ان کی بقاء کے لیے یعنی الیکشن جیتنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اس لیے ہم جمہوریت کو "پیسے کی آمریت" کہہ سکتے ہیں۔

اسلام کے لیڈر

اسلامی معاشرے کی قیادت فطری طریقے سے ابھرتی ہے اور اصل قیادت ہوتی ہے۔ یہ قیادت بے بہا پیسے' فنکاری اور ڈرامہ بازی کی پیداوار نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھیں کہ انہوں نے بڑی قربانیاں دیں۔ جان و مال سے' اولاد سے' سختیاں جھیلیں اور ایک عرصہ تک لوگ بہت قریب سے ان کی ذاتی زندگیوں کا مشاہدہ کرتے رہے۔ اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ سب کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق معاشرہ میں مقام ملتا تھا' یہ اسلام کے فطری اور اصل قائد اور لیڈر تھے۔ موجودہ دور میں ہمارے اصل قائد اہل حل وعقد کے زمرے میں فی الحال شمار نہیں کیے جا سکتے۔ ہمارے اہل حل وعقد وہ بزرگ حضرات ہیں جن کی تمام عمر مدرسے سے شروع ہو کر عوام اور معاشرے کی اصلاح میں گزرتی ہے۔ یہ لوگ عوام کا حصہ بھی ہوتے ہیں اور ان کے قائد اور رہنما

بھی۔ان کی زندگی لوگوں کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہوتی ہے۔یعنی ہر طبقہ کے افراد نے کم ازکم پچاس ساٹھ سال تک ان کو بہت قریب سے دیکھا ہوتا ہے ایسے افراد ہر اسلامی ملک میں کثرت سے موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔یعنی اسلامی معاشرے میں بزرگان دین اور علماء اور دیگر مومن صاحب علم وعقل بصیرت مسلمانوں کے فطری اور قدرتی قائد ہوتے ہیں۔شوریٰ میں یہ اصحاب اہل حل وعقد، عقل وبصیرت آسانی سے خلیفہ کا چناؤ کر سکتے ہیں۔یہ کام اس لیے بھی آسان ہو جاتا ہے کہ جن ہستیوں کو خلافت کے منصب کے لیے زیرِ غور لایا جارہا ہو وہ واشنگٹن کے بھیجے ہوئے آئی ایم ایف یا ورلڈ بنک کے نمائندے نہیں ہوں گے کہ مسلمان انہیں پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہوں اور شوریٰ ان کے نام ہوائی اڈے پر اترنے کے بعد سنیں۔شورہ جن کو خلافت کے لیے زیرِ غور لائے گی وہ یقیناً ایسی ہستیاں ہونگی کہ انہوں نے اپنی زندگیاں مسلمانوں اور اسلام کی خدمت میں صرف کی ہوں گی اور انہیں بخوبی جانتی ہوں گی۔اس لیے خلافت کے منصب کے لیے امت کا سب سے بہترین فرد چننا جو کچھ لوگوں کو بظاہر مشکل دکھائی دیتا ہے حقیقتاً آسان ہے۔صرف ابتداء کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم میں سے بیشتر لوگ نظام حکومت کے غیر اسلامی ہونے کے دوررس نتائج کی فکر نہیں کرتے۔جمہوری نظام' لادینیت (سیکولرازم) یعنی غیر اللہ کی حاکمیت میں ایک وفادار رعایا بن کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسلام کی بنیادی تعلیم کا کھلم کھلا انحراف کرتے ہیں۔اسلامی تعلیم میں اللہ کی حاکمیت' خلافت قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی نفی کر کے ہم اس کی خلاف ورزی کررہے ہیں۔اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ اب ہماری پوری زندگی شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسے سانچے میں ڈھل گئی ہے جو اسلام کے اور حضور ﷺ کے مطلوبہ سانچے سے بالکل مختلف ہے۔یہ نہ صرف اس آفاقی نظام کی ضد ہے بلکہ ہمارے معاشرے کی تاسیس' ہمارے تمدن ہماری تہذیب کی اٹھان' ہمارے نظام تعلیم کی تربیت' ہماری معاشی اور اقتصادی مسائل کی تنظیم' ہمارے بچوں کے سکولوں' کالجوں اور ہمارے گھروں کی فضا ایسی بنیادوں پر قائم ہو رہی ہے جو ہماری خواہشوں کے علی الرغم' ہم کو اپنے اجتماعی مسلک اور اپنے تصورات زندگی سے دور پھینکتی چلی جارہی ہیں۔

غیر الٰہی قوانین کے یعنی خلاف قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کرنے کرانے اور قبول کرنا بلاشک وشبہ گناہ تو ہے ہی بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان بہت سے احکامات اسلامی کو

لپیٹ کرر کھ دیا گیا اور ان کی وقعت دلوں سے محو ہو گئی ہے۔ جو ہماری زندگی کے بے شمار معاملات سے تعلق رکھتے ہیں دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے دین اور قرآن سنت کو سمیٹ کر مسجد اور حجروں میں سب سے اونچی جگہ پر ''کہ بے ادبی نہ ہو'' بند کر دیا اور اس کے صرف اتنے حصے پر اکتفا کر لیا جس کا تعلق بس چند مخصوص مذہبی رسومات اور عبادات سے ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ماحول اور تعلیم کی پراگندگی کی وجہ سے یہ بھی چھوٹتی چلی جا رہی ہیں۔

کفار مکہ جو حضور ﷺ کو مال و متاع خوبصورت ترین خواتین عقد میں دینے کے لئے تیار تھے صرف اس بات کو ماننے پر کہ وہ دین کی تبلیغ چھوڑ دیں گے اگر انہیں یہ Option دی جاتی یا شرط رکھی جاتی کہ کفار مکہ اپنے گھروں میں قرآن' کلام الٰہی سب سے اونچی جگہ پر بند کر کے رکھ دیں گے تو شاید بخوشی اسے قبول کر لیتے۔ آپ یقین کیجیے اگر مسلمان سال میں تیس دن بلکہ تین سو ساٹھ دن روزہ رکھیں سال میں ایک حج نہیں بلکہ ہر مہینے بیت اللہ کی زیارت کریں اور دن میں پانچ نہیں بلکہ پندرہ نمازیں پڑھیں اور اپنی عبادات میں مصروف رہیں تو تمام عالم کفار اس پر آپ سے خوش رہیں گے بلکہ حج کے انتظامات میں پوری پوری امداد کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔

ہمارا اسلام کا تصور محدود ہو کر رہ گیا ہے

بصد افسوس کہ دین کے علمبرداروں نے قرآن مجید کے ایک بڑے حصے سے اقتدار کے نہ حاصل ہونے کا عذر کر کے اور اوالامر کو اس کا بنیادی ذمہ دار قرار دے کر اور پھر مشکلات اور اضطراری کی آڑ لے کر سمجھوتے (Compromise) کرتے رہے اور زمانہ سازی کی جو روش اختیار کرتے چلے آ رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید کے آفاقی پیغام اور اصولوں سے ہمارا رشتہ عملاً کٹ کر رہ گیا ہے اور دین کے ایک محدود حصے پر ہی عمل کے قابل رہ گئے ہیں۔ ابتداء میں دین کے ان بنیادی اصولوں اور اس کے ان اہم تقاضوں سے اس جبری علیحدگی سے ایمان اور خودی مضطرب تو ضرور ہوئی لیکن پھر یہ اضطراب سکون اور اطمینان میں ڈھلتا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ دین صرف ان چند عبادات اور مذہبی رسوم تک محدود ہو کر رہ گیا ہے جن کو لوگ عموماً ادا کر لیا کرتے ہیں اور کچھ نہیں تو مشکل میں وظائف تو کر ہی لیتے ہیں ان کے علاوہ جو کچھ ہے دین سے اس کا تعلق غیر محسوسانہ طور پر بس

برائے بیعت ہی خیال کر لیا گیا ہے۔ اگر فکر ونظر کے زاویے ایسے نہ بن گئے ہوتے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ان اجزائے دین پر اگر عمل نہیں ہو رہا تھا تو اسی کے ساتھ ان کی نظری اہمیت بھی گھٹ جاتی اور اس حد تک گھٹ جاتی کہ دل اس کے لیے کسی اضطراب کسی تمنا اور کسی حسرت سے محروم ہو جاتے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ مسجد کی اینٹ بھی اکھاڑ کر پھینک دی جائے تو اس گئی گزری حالت میں مسلمان مذہبی جذبات میں آ کر خون کے دریا بہانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں مگر اللہ کے بے شمار احکامات کی روگردانی پر ان کے پاس چند قطرے آنسو بھی بہانے کے لیے نہیں ہوتے۔

حقیقت حال اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ غیرت ایمانی کی کمی، احساس فرض کی پس مردگی اور سہل پسندی کے غلبے نے کافرانہ اقتدار اور باطل اصول ونظریات کے سامنے سپر ڈالنے پر آمادہ کیا۔ بصیرت بہت بڑی دولت ہے قرآن براہ راست اسی شخص کو راہ دکھاتا ہے۔ جو دیکھنا چاہتا ہے۔ سورج کی کرنیں بینائی والوں کے لیے پوری دنیا کو روشن کر دیتی ہیں مگر احمقوں اور چمگادڑوں کی نگاہ اپنے جبلی نقص پر اس کے فیضان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتیں۔ قرآن میں ہے کہ وہ یعنی قرآن راہ دکھاتا ہے بہت سوں کو اور گمراہی کا سبب بھی ہے بہت سوں کے لیے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ قانون صرف کفار ہی کے لیے ہے، اور مومن چونکہ اس پر ایمان لا چکے ہیں اس لیے اب وہ اس قانون کے دائرہ نفاذ سے باہر ہیں۔ نہیں بلکہ یہ کافر اور مومن سب کے لیے عام ہے۔ ایک شخص اس پر ایمان رکھنے کے باوجود اس نے نہ قرآن پڑھا، نہ سمجھا، نہ ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی نہ عمل کیا تو یقیناً وہ گمراہیوں کی تاریکیوں میں بھٹکتا رہے گا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ تو دین کی عمارت کی بنیادی اینٹیں ہیں۔ اسلام کی عمارت قرآنی Manual پر تیار ہوتی ہے دیواروں اور چھت کے بغیر تو کوئی بھی صاحب عقل اسے عمارت یا مکان نہیں کہے گا۔ وہ دھوپ، ہوا، آندھی، طوفان، بارش، سردی، گرمی کسی چیز کو بھی تو نہیں بچا سکتا۔ قرآن وسنت کے طریقے کو چھوڑ کر غیر قرآنی، سیکولر، کفری، جمہوری طریقے Manuals سے جو مکان تیار ہوگا۔ وہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہوگا وہ اس لیے کہ وہ عمارت قرآنی بنیادوں پر نہیں ملحدانہ بنیادوں پر کھڑی کی جائے گی۔ قرآن، کفر کی بنیاد نہیں بلکہ کفر کا بنیادی توڑ ہے۔ سو جس قوم نے بھی قرآن سے منہ موڑا، قرآن کو چھوڑا اس نے اپنے مقدر کا فیصلہ خود ہی کر دیا۔

مکمل قرآن پر عمل کریں

قرآن وسنت میں بار بار تاکید کی جاتی ہے "ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ (اس سے) ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (9:123) "(اے مسلمانو!) اگر تم (جہاد کے لیے) نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔ اور تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔" (9:39)

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

"آپ (ﷺ) مومن عورتوں سے کہیں کہ وہ مومن مردوں کی طرح اپنی نگاہ نیچی رکھیں اپنی ستر کی حفاظت کریں اور زینت کو اظہر نہ کریں۔ اپنی چادریں اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں اور زینت کو ظاہر نہ کریں (مگر جن کے سامنے اجازت ہے) اور اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ ان کی مخفی زینت معلوم ہو جائے اور تم مل کر اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" پھر یہ کہ "اے ایمان والو اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔" (66:6) مرد کو گھر کا حاکم مقرر کیا ہے اور اپنی بیوی، بچوں، ملازموں کے لیے جواب دہ ہوگا۔ مرد کے ذمہ ہے کہ وہ کشتی جس میں اس کی بیوی، بچے، ملازم اور وہ خود سوار ہیں ڈوبنے سے بچائے۔ اور یہ "ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرے۔" اور یہ حکم کہ "سود نہ لو نہ دو۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو شیطان نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو۔" اور پھر "(حرام کا حکم آ جانے کے باوجود سود) لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں۔ کہ ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہیں گے۔" (2:275)

دین کے جس تصور سے ہم جی رہے ہیں اس کا دین سے قریب کا بھی تعلق نہیں

اور ہماری زندگی کے لیے مکمل ہدایات "مومنو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد مانو اور پیغمبر کی

اطاعت کرو اور اپنے عملوں کو ضائع نہ ہونے دو۔'' (خلاف سنت عمل ضائع ہو جاتے ہیں) (47:33)۔ ٹی وی، ڈش، کیبل، فلمیں، موسیقی کی محفلیں، پروگرام، خاندانی منصوبہ بندی، 1962ء کے فیملی قوانین غرض دین کے جس تصور سے ہماری نئی نسلیں جی رہی ہیں ان کا دین سے قریب کا بھی تعلق نہیں۔ اگر ہم قرآن سنت سے رہنمائی حاصل کرنے والے ہوتے تو ہماری دنیا یہ دنیا نہ ہوتی اور ہمارے رہنماؤں کی شکست خوردہ ذہنیت جس نے انہیں جمہوری نظام میں شامل ہونے پر مجبور کیا، وہ پست نکتہ نگاہ اور ایمان سوز طرز فکر ہماری قوتوں کو اس طرح مفلوج نہ کر دیتا۔ 55 سالوں سے ہم باطل کے ساتھ سمجھوتہ (Compromise) کرتے جھکتے چلے آ رہے ہیں اتباع قرآن کا دعویٰ رکھنے کے باوجود ہمارا الٹا ہوا قافلہ دلدل میں یعنی غیر اسلامی زندگی میں پھنستا چلا جا رہا ہے۔ نہ وہ شان، نہ شوکت، نہ دب دبہ، نہ رعب، بلکہ ذلت، رسوائی، دین و دنیا کی تباہی مظلومیت، کفار کی غلامی، بھوک افلاس سے بچنے کے لیے ان کی نوکری سب قرآن کو چھوڑنے کا نتیجہ نکلا۔

اپنی بے عملی، کوتاہیوں اور ملحدانہ راستہ اختیار کرنے کے جواز میں یہ کہا جاتا ہے کہ حالت اضطرار میں جب جان کا خطرہ ہو تو سور کا گوشت کھانے کی بھی اجازت ہے۔ بلاشبہ حالت مجبوری میں حرام سے استفادے کی رخصت عطا کی گئی ہے مگر اس کے دوسرے پہلو کا جائزہ بہت ضروری ہے جو نظر انداز کیا جاتا ہے یعنی کچھ شرائط بھی ہیں۔ پہلی کہ اسے استعمال کرتے وقت کوئی رغبت محسوس نہ کریں۔ دوسری کہ بالکل ناگزیر مقدار سے زیادہ استعمال نہ کریں۔ اور تیسرا یہ کہ اسے من بھاتا کھاجا بنانے کی بجائے اور معمول بنانے کی بجائے استعمال حرام سے نجات پا جانے کی فکر اور بے تابانہ کوشش کرنی چاہیے۔ بالکل اسی طرح کہ جس طرح کسی شخص کا پاؤں اگر نکیلے اور تپتے ہوئے سنگریزوں پر پڑ جاتا ہے۔ وہ تلملا کر اسے جلد از جلد اٹھا لینا چاہتا ہے۔ بالکل اسی طرح کفری طریقہ یا نظام کو یوں سمجھتے رہنا چاہیے کہ مردار کا گوشت ہے جس کو دانتوں سے نوچ رہا ہوں یا خنزیر کی بوٹیاں ہیں جن کو نوچ رہا ہوں یا سڑاند بھری غلاظت ہے جس سے جسم اور کپڑے لت پت ہو گئے ہیں۔ دین کی موجودہ جزوی اتباع پر مطمئن رہنا اور اسے اپنے ایمانی فرائض سے عہدہ برآ جان کر کافی سمجھ بیٹھنا کسی طرح صحیح نہیں یہ ایک افسوسناک اور خطرناک غلطی ہے ایسا سمجھنا ایمان کے بے جان ہونے کی دلیل ہے یا پھر دینی بصیرت سے محروم ہو جانے کا ثبوت ہے یہ شیطان کا دیا ہوا ایک چکر ہے۔ جس سے ہمیں جلد از جلد نکل

آنا چاہیے ورنہ دینی غیرت کی چمک جو ہم میں رہ گئی ہے ہمیشہ کے لیے جاتی رہے گی۔

ایک گروہ ایسا ہے جو اس نصب العین اور فریضہ حیات کی بجا آوری سے اس لیے گھبرا رہا ہے کتراتا ہے اور دوسروں کو بزدلی کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے اس لیے کہ وہ موجودہ حالات کو اس فریضہ کے لیے ناسازگار سمجھتا ہے اس میں کامیابی کا کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا نہ جہاد کی تلقین نہ امر بالمعروف نہی عن المنکر نہ لوگوں میں قرآن فہمی کی کوشش عملاً سوائے اپنی ذات کے کسی چیز میں دلچسپی نظر نہیں آتی۔ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ کامیابی اور ناکامی تو ہے ہی صرف اللہ کے ہاتھ میں، جس نے راہ حق میں سنت کے مطابق کوشش کی وہ کامیاب ہو گیا بہر حال وہ چاہتا ہے یا یوں کہیں اس کا تجزیہ ہے کہ وہ موجودہ حالات پر اس طرح اثر انداز ہو کہ مستقبل کی فضا اس کام کے لیے اتنی تاریک نہ رہے اور پھر وہ منزل کی طرف اعلانیہ مارچ کر سکے۔ لیکن یہ باتیں سطحی اور کاغذی ہیں۔ ''دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔'' کاروباری معاملات میں تو کاروباری امکانات کا جائزہ لینا درست دکھائی دیتا ہے لیکن انسانی زندگی میں ایمان والوں کے فرائض ایسے ہوتے ہیں جن میں کامیابی اور ناکامی کا جائزہ نہ لیا گیا اور نہ لیا جاتا ہے لیکن پھر بھی ان کے اس نظریے پر تنقیدی جائزہ لینے کے لیے تین چیزوں پر غور کیا جانا چاہیے۔

1۔ سب سے پہلے یہ کہ کیا اس فریضے کی ادائیگی کے لیے براہ راست قرآن اور سنت کے طریقے کے مطابق جدوجہد کرنے میں حالات کی سازگاری اور اس جدوجہد کی کامیابی کے امکان اور عدم امکان کے مباحث اور تجزیے کی گنجائش ہے؟

2۔ کیا آج کے حالات میں دین کی اقامت واقعی ناممکن ہے؟

3۔ تیسرا یہ کہ ناسازگار حالات میں سمجھوتے (Compromises) سے، ملحدانہ اور سنت سے انحراف کرتے ہوئے پیش قدمی کرنے کی کوئی عملی مثال، کوئی اسلامی تجزیہ یا کوئی فکری بنیاد موجود ہے؟

کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں کہ ہمارا نصب العین دین کی اقامت ہے دین کا قیام اور دین کی سربلندی ہے۔ اللہ کی عبادت کرنا، اللہ کی اطاعت کرنا اور دین کو قائم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لوگو! اللہ کی بندگی، اطاعت کرو اور طاغوت، باطل کی پیروی سے بچو۔'' (سورۃ نمل)

اس فریضے کی ادائیگی کے لیے جتنے بھی پیغمبر آتے رہے انہوں نے اس کے اظہار واعلان میں یا اس کی جدوجہد میں نہ تو کبھی ایک لمحہ کی دیر لگائی اور نہ ہی حالات کے سازگار ہونے کا سہارا لیا۔ نہ امکان وعدم امکان کامیابی کی بحث میں الجھے نہ کبھی یہ ہوا کہ جب اس جائزہ اور بحث سے کامیابی کے روشن امکانات سامنے آ گئے ہوں تو تب جا کر انہوں نے اپنی کشتیوں میں بادبان لگائے ہوں۔ 'سازگار حالات' کا انتظار صریحاً نافرمانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "میری اطاعت کرو" یعنی سنتے ہی فرضیت عائد ہو جاتی ہے۔ اور یہ اصول اللہ کے ہر حکم کے لیے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب حرم چھوڑنے کا حکم ہوا تو کمر پھیری اور چل پڑے اور حضرت حاجرہ نے جب آواز دے کر پوچھا کہ آپ اللہ کے حکم پر جا رہے ہیں تو جائیے۔ تو مثبت میں جواب دیا اور چلتے گئے نہ بیوی سے ملے نہ بچے کو پیار کیا۔ کم سے کم اگلے وقت کا کھانا ہی ساتھ رکھ لیتے لیکن ایسا کچھ نہ کیا۔ اسی طرح جب منادی والا مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا اعلان کرتا ہوا گزرا تو اہل مدینہ فوراً ہی شراب کے مٹکے گلی میں انڈیلنے اور توڑنے لگے۔ کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تصدیق کے لیے نہیں آیا۔ یہ ہے خوف خدا اور اطاعت رسول۔ کسی بھی پیغمبر نے اللہ کی اطاعت کے لیے، دین کے قیام کی کوشش کے لیے سازگار حالات کا انتظار نہیں کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ایک ہزار برس کی کوششیں اور ان کے ساتھ جو سلوک ہوا سب جانتے ہیں۔ صرف چند گنے چنے لوگ ایمان لائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دین قائم کرنے کی لگاتار کوششیں کرتے رہے اور انہیں جن ابتلاؤں اور مصیبتوں سے گزرنا پڑا وہ شاید اپنا نظیر نہیں رکھتیں، یہاں تک کہ باندھ کر دھکتی آگ میں پھینک دیا گیا۔ دنیاوی نتائج کے لحاظ سے صرف ان کی بیوی اور حضرت لوط علیہ السلام ان کے بھتیجے ایمان لائے۔ اس طرح حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جن ناسازگار حالات میں دین کے قیام کی کوششیں کیں ہم سب خوب جانتے ہیں۔ کسی نے کامیابی اور ناکامی کے تخمینے نہیں لگائے کیونکہ ان میں سے کسی ایک کو ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا کہ "کامیابی" اللہ تعالیٰ کی رضا کا نام ہے اور انسان کی پوری پوری کوشش کرنے میں ہے۔ اس لیے جو چیز ہمارا فریضہ زندگی قرار پا چکی وہ ہر حیثیت سے اس بات کی مستحق ہے کہ جب تک زندگی ہے اس کے لیے پوری پوری جدوجہد

کرتے رہیں۔ سازگار حالات کے انتظار کرنے کی گنجائش تو کیا ہی نکلنی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اقامت دین کا حکم دے کر اسی وقت بھیجا جب حالات ناسازگاری کی انتہاء تک پہنچ چکے تھے، کفر حد سے آگے بڑھا ہوا ہوتا تھا۔ حالات کی ناسازگاریاں مومنین کی کوششوں کو، جدوجہد کو ملتوی یا منسوخ نہیں کرا سکتیں بلکہ حالات جتنے زیادہ ناسازگار ہوں باطل قوتیں جتنی زیادہ ہوں حق کی جدوجہد اتنی ہی زیادہ ضروری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر نبی عموماً ایسے ہی وقت میں مبعوث کیا جاتا رہا کہ حق کی روشنی اس زمین سے بالکل مفقود ہو چکی ہوتی تھی اور شیطان پرستی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس دعوت حق کی کامیابی کا امکان دور دور تک بھی کہیں نظر نہ آتا تھا اور یہ ایک عقلی دلیل بھی ہے کہ جہاں باطل زیادہ قوت میں ہوگا وہاں حق کی جنگ زیادہ قوت سے لڑنی پڑے گی۔ قرآن، تاریخ اور عقل سب کا یہی متفقہ فیصلہ ہے کہ جس زمانے میں لوگ اللہ سے جتنے دور ہوں اور باطل قوتوں کی جتنی زیادہ گرم بازاری ہو، طاغوت کی حکمرانی جتنی زیادہ وسیع ہو، ہمہ گیر اور پائیدار ہو حق کے علمبرداروں پر اللہ کی اقامت کا فریضہ اتنا ہی زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔ پر یہ کہ ناسازگار حالات اور کامیابی اور ناکامی کے جائزے کی گنجائش وہاں ہوتی ہے جہاں متبادل راستے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے دین کے قیام کی جدوجہد کرنے کے علاوہ مسلمان کو دوسرا راستہ اختیار کرنے کی اجازت ہی نہیں دی ورنہ مسلمان اور کافر میں فرق مٹ جائے اور ہجرت اب ختم ہو چکی۔ فتح مکہ پر حضور ﷺ نے فرمایا: ''آج کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔''

اپنے نصب العین کے لئے کافر بھی جان کی بازی لگا دیتے ہیں

جس طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ جاندار زندہ تو ہو مگر اس کے قلب میں حرکت نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص منافق نہ ہو، ہو مسلمان مگر اسلام کی سربلندی کی تڑپ سے اس کے دل و دماغ خالی ہوں۔

اگلی بات کہ وہ چیزیں جو زندگی کا اصل فریضہ قرار پا چکی ہوں یعنی نصب العین کے لیے جدوجہد اور جان کی بازی لگا دینا کچھ پیغمبروں اور مسلمانوں کا ہی خاصہ نہیں رہا۔ بلکہ کافروں اور

دہریوں کے ہاں بھی نصب العین کے یہی معنی ہیں نصب العین کبھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا اس لیے حصول کی کوشش حالات کی اجازت کی محتاج نہیں ہوتی، حالات سازگار ہوں تو خوب ورنہ ناسازگاریوں سے خوف بھی نہیں کھایا جاتا اور اس کی جدوجہد میں اگر زندگی ختم نہ کی جاسکے تو بالکل رائیگاں ہے۔ چنانچہ کفار کی تاریخ اس بات کی عملی شہادتوں سے بھری پڑی ہے۔ کارل ماکس کے پیرکاروں نے چند مخصوص نظریات کو انسانی مسائل کا صحیح حل سمجھا اور اس کام کو اپنی زندگیوں کا نصب العین بنالیا۔ زارنکولس کی شخصی آمریت اور قہاریت کے خلاف لڑے، تمام ناسازگاریوں، مصیبتوں کا سامنا کیا لاکھوں مارے گئے، لاکھوں کو سائبریا کی برفانی جہنم میں جھونک دیا گیا اور ایذا دہی کی کوئی ممکن صورت ایسی نہ تھی جس سے اشتراکیت کے ان 'مومنوں' کو سابقہ نہ پڑا ہو مگر کوئی بڑی سے بڑی مصیبت ان کے عزم کو ہلا نہ سکی۔

پھر جب زار کا تخت الٹ کر اشتراکی نظام قائم ہوا تو لینن کی موت کے بعد سٹالن نے مارکس کے بنیادی نظریے کے خلاف اشتراکی نظام کو بین الاقوامیت کی سطح سے ہٹا کر قومی اشتراکیت کی سطح پر لانا شروع کیا۔ ٹراسکی نے نظریہ کے خلاف کھلی غداری سے اختلاف کیا اور اشتراکیت کی اصلی روح اور خالص مارکیسیت کے قائم کرنے اور قائم رکھنے پر زور دیا۔ سٹالن نے اسے حکومتی اداروں سے ہٹادیا خفیہ پولیس کے ذریعے اس کی زبان پر تالے چڑھا دیئے گئے مگر وہ جن اصولوں پر ایمان رکھتا تھا جن کے نفاذ میں اسے دنیا کی فلاح نظر آتی تھی ان کی تبلیغ سے باز نہ آیا۔ آخر جلاوطن کردیا گیا امریکہ پہنچا اور وہاں سے اپنے مشن کو پھیلانے اور نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اس کے دشمن وہاں بھی پہنچے اور ایک روز سازشوں کے ذریعے انہوں نے اس کے سامنے موت کا پیالہ پیش کردیا جسے مارکیسیت کے اس ''مومن قانت'' نے نہایت صبر وسکون کے ساتھ قبول کرلیا اور اپنے مقصد ونصب العین پر قربان ہوگیا۔

کفار کے اپنے نصیب العین اور مقصد کے حصول کے لیے جانیں قربان کرنے کا اندازہ کچھ یہاں سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں:

1۔ فرانس کی کل 84 لاکھ فوج میں سے 13 لاکھ فوج اپنے ملک پر قربان ہوگئی 42 لاکھ زخمی ہوئے تقریباً 6 لاکھ قیدی ہوئے یا لاپتہ ہوئے۔ یعنی صرف 27% فوجی خیریت سے

گھر واپس آئے۔

2۔ روسی فوج کے 120 لاکھ آدمیوں سے 17 لاکھ ملک کے لیے لڑتے ہوئے مارے گئے تقریباً 50 لاکھ فوجی قیدی یا لاپتہ ہوئے یعنی روس کے بھی صرف 44% فوجی خیریت سے گھر واپس آئے۔

3۔ برطانوی حکومت کے 90 لاکھ فوجیوں میں تقریباً 9 لاکھ لڑتے ہوئے مارے گئے' 2 لاکھ زخمی ہوئے تقریباً اتنے ہی قیدی یا لاپتہ ہوئے۔ یعنی 25% مارے گئے' قیدی ہوئے یا زخمی واپاہج ہوئے۔

4۔ رومانیہ کے تقریباً ساڑھے سات لاکھ فوج میں ساڑھے تین لاکھ دوبارہ کہتا ہوں ساڑھے سات لاکھ میں سے ساڑھے تین لاکھ مردوں نے ملک کے لیے اور آزادی کے لیے لڑتے ہوئے جان دی اور ایک لاکھ بیس ہزار زخمی ہوئے' اور 80 ہزار قیدی یا لاپتہ ہوئے۔ یعنی 73% فوج ختم ہوگئی۔

5۔ ہمارے ترکی بھائیوں کی 28 لاکھ کی فوج میں ساڑھے تین لاکھ شہید ہوئے 4 لاکھ فوج زخمی ہوئے اور اڑھائی لاکھ قیدی یا لاپتہ ہوگئے یعنی تقریباً 35% فیصد فوجی کام آئے اور یہ ہارے نہیں ابھی لڑائی جاری تھی کہ جنگ بندی ہوگئی۔

6۔ اب سنٹرل پاورز (Central Powers) یعنی جرمنی ترکی بلغاریہ کا چوتھا ساتھی آسٹریا' ان کے 78 لاکھ فوجی تھے اس میں سے 12 لاکھ نے آزادی اور ملک کے لیے جان دی۔ تقریباً 36 لاکھ زخمی ہوئے 2 لاکھ سے زائد قیدی یا لاپتہ ہوئے یعنی صرف 36% فوجی خیریت سے گھر لوٹے۔ 64% فیصد فوج کام آئی ختم ہوگئی۔

7۔ پہلی جنگ عظیم میں 110 لاکھ جرمن فوجیوں میں سے 17 لاکھ نے اپنی جانیں اپنے مقصد کے لیے قربان کردیں۔ 42 لاکھ زخمی ہوئے یعنی موت نہ آئی تو بچ گئے ورنہ ان 42 لاکھ مردوں نے لڑنے میں اپنی جان کی بازی لگانے میں کسی قسم کی کمی نہ کی۔ گیارہ لاکھ قیدی ہوئے یا لاپتہ ہوئے' یعنی جرمنی کے 70 لاکھ فوجی مارے گئے زخمی ہوئے قیدی یا لاپتہ ہوئے۔ یعنی 63% فوجی کام آئے۔ جرمنی کو شکست ہوئی اور اتحادیوں نے ایسی

ذلت آمیز شرائط قبول کروائیں اور ایسے پکے انتظامات کیے کہ جرمنی نہ فوج رکھ سکے نہ اس کی تربیت کر سکے اور نہ کبھی فوجی قوت بن سکے۔ مگر ان تمام تر اتحادی کوششوں کے باوجود صرف بیس سال کے عرصے میں جرمن پھر سے ایسے ابھرے کہ تاریخ گواہ ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم 1938ء سے 1945ء تک کافروں نے اپنے نصب العین کے لیے جنہیں وہ حق سمجھتے تھے ان کے حصول کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

8- امریکہ کے 161 لاکھ فوجیوں میں سے 3 لاکھ لڑائی میں جان بحق ہوئے اور سات لاکھ زخمی ہوئے۔

9- فرانس کے دو لاکھ فوجی مارے گئے اور چار لاکھ زخمی ہوئے۔

10- برطانیہ کے تقریباً چار لاکھ فوجی مارے گئے اور تقریباً چار لاکھ ہی زخمی ہوئے۔

11- جرمنی کے 200 لاکھ فوجیوں میں سے 32 لاکھ فوجیوں نے اپنے نصب العین اور اپنی بقاء کے لیے جان دے دی اور 72 لاکھ زخمی ہوئے۔ یعنی آدھے فوجی تو ختم ہو گئے اور جو قیدی اور لاپتہ ہوئے وہ اس کے علاوہ تھے۔

12- آسٹریا کے آٹھ لاکھ کی فوج میں سے تقریباً تین لاکھ نے لڑتے ہوئے اپنے مقصد کے لیے جانیں قربان کردیں اور ساڑھے تین لاکھ زخمی ہوئے صرف ڈیڑھ لاکھ بحفاظت گھر پہنچے۔

13- جاپان کے کل 97 لاکھ فوجیوں میں سے تقریباً 13 لاکھ لڑتے ہوئے مارے گئے اور ڈیڑھ لاکھ زخمی ہوئے۔

ان جانی نقصانات کے علاوہ جو شہروں کی تباہی اور بربادی ہوئی ہنستے بستے شہروں کو کھنڈرات بنادیا گیا ان کا ذکر میں نہیں کر رہا۔ یہ ان لوگوں کے دنیاوی مقاصد کے لیے قابل فخر کارنامے ہیں جن قربانیوں کا اگلے جہاں کوئی ثمر نہیں ملے گا اور بعد از موت ان کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کچھ اور نہیں۔ دونوں عظیم جنگوں کو ملا کر ڈیڑھ کرڑور کفار نے اپنے اپنے نصب العین کے لئے جانیں قربان کردیں۔ اقبال نے کیا خوب کہا:

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل　　کہتا ہے کون اسے کہ مسلمان کی موت مر

ابھی ابھی دوسری جنگ عظیم کی کتابوں میں پڑھا' ایک واقعہ یاد آ گیا جرمنی نے روس پر حملہ کیا اور ماسکو (Moscow) تک کا علاقہ فتح کیا جس میں لینن گریڈ (Leningrad) اور سٹالن

گریڈ (Stalingrad) کے بڑے شہر بھی واقع تھے۔ غالباً 1942ء تھا کہ جرمنز نے شمالی روسی علاقہ میں سٹالن گریڈ (Stalingrad) کا محاصرہ (Seige) کرلیا۔ رقبہ کے لحاظ یوں سمجھئے کہ کراچی جتنا علاقہ تھا۔ یہ محاصرہ (Seige) اتنا سخت تھا کہ چاروں طرف سے رسد کے تمام راستے بند کر دیئے گئے۔ شہر میں لاکھوں لوگ تھے اور روسی فوج بھی۔ سردیوں کے ساتھ برفباری بھی شروع ہوگئی۔ بجلی کا نظام درہم برہم ہوگیا اور حرارت حاصل کرنے کے لئے کوئی معقول انتظام نہ رہا۔ اشیاء خردنی کے ذخائر (Stocks) ختم ہو گئے تو راشن بندی کر دی گئی۔ ہر فرد کو راشن کارڈ پر 24 گھنٹوں میں ایک مرتبہ ڈبل روٹی اور کچھ کھانے کی چیزیں ملتی تھیں)۔ کچھ خفیہ راستے بچ گئے جس سے تھوڑا تھوڑا راشن باہر سے شہر میں آتا تھا یعنی Trickle کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ لوگ بھوک، فاقہ اور سردی سے مرنے لگے مگر جرمنز کے آگے ہتھیار ڈالنے کے لئے کسی روسی نے نہیں کہا۔

یہ محاصرہ (Seige) دو سال تک رہا' غالباً 1944ء - 1942ء تک۔ لوگوں کی بھوک کا یہ حال تھا کہ کہ اگر کوئی مرجاتا تو اس کے عزیز و اقرباء اسے گھر ہی میں دفن کر دیتے کہ شہری انتظامیہ کو معلوم نہ ہو اور اس کے راشن کارڈ پر وہ کھانے کی اشیاء لیتے رہیں۔ ایک روسی لکھتا ہے کہ ''وہ کیسا وقت تھا کہ میرا باپ بھوک سے دم توڑ رہا تھا اور میں انتظار میں تھا کہ میرے باپ کا انتقال ہو تو میں اس کا راشن کارڈ استعمال کر کے پیٹ بھر کے کھانا کھالیا کرونگا اور میرے باپ کی آنکھیں بتا رہیں تھیں کہ وہ جانتا ہے کہ میں اس کے مرنے کا انتظار کر رہا ہوں۔'' اپنی عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ ان لوگوں نے محاصرہ (Seige) کا مقابلہ کیا اور ہتھیار نہیں ڈالئے۔ مجبوراً دو سال کے بعد جرمنی کو پس قدمی کرنی پڑی۔ ہم چند آسائشوں کے لئے اپنا ملک اور یہاں تک کہ اپنا ایمان بھی داؤ پر لگانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

مسلمان جس کے جان و مال اللہ تعالیٰ نے جنت کے عوض خرید لیے ہیں اور جس کی اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے جان کے نکلنے اور جنت میں پہنچنے میں ایک سیکنڈ کا وقفہ بھی نہیں ہوتا اگر دین کی اقامت کے لیے جدوجہد اور قربانی سے گریز کریں تو انہیں عملاً منافق کہنے کے لیے اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ **''اے مسلمان تو خود کو اتباع رسول پر قائم کر سچا مسلمان بن جا اور یقین کر کہ مسلمانوں میں ایک منافق کی کمی ہوگئی ہے۔''** کسی دل جلے نے خوب کہا۔

تو منافق بن جا' خوشیاں منا لے   دین سنبھا لینگے محمد ﷺ کے شہزادے

نہ روشن خیال اسلام (Liberal Islam)

نہ درمیانہ اسلام (Moderate Islam)

نہ دکیانوسی اسلام (Conservative Islam)

نہ سخت گیر اسلام (Radical Islam)

صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام

سزا یافتہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ

سوال نمبر 10: قطع کلامی معاف آپ کی بات کاٹ رہا ہوں' دراصل مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سب کو فیلڈ جنرل کورٹ مارشل کی کارروائی کے تمام کاغذات دے دیے گئے ہیں۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ تمام گواہوں کے بیانات مجھے دے دیں میں ترجمہ کر کے آپ کو لوٹا دوں گا' بلکہ ترجمہ آپ کو پڑھا بھی دوں گا تا کہ تصحیح بھی ہو جائے۔

جواب: یہ مناسب رہے گا کیونکہ حقائق وہی ہیں جو ہمارے اندرونی ساتھیوں نے بطور گواہ کے بیان کیے اور میں بھی وہ ہی بیان کرتا اگرچہ تفصیلاً نہ سہی پھر بھی کچھ اہم ترین گواہوں کے بیانات (Statements) دے دیتا ہوں آپ ترجمہ کر کے مجھ سے تصحیح کروا لیجیے۔

Statement of Witness No. 1 "Mufti Saeed Khan"

بیان و جرح گواہ نمبر 1 ''مفتی سعید خان''

30.01.1996

محمد سعید خان ولد محمد حنیف خان عمر 34 سال مذہب اسلام' سنی' قوم پٹھان' سکنہ F-337 سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی پولیس اسٹیشن سیٹلائٹ ٹاؤن تحصیل و ڈسٹرکٹ راولپنڈی نے حلف اُٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔

میں جنرل ظہیر الاسلام عباسی' بریگیڈیئر مستنصر باللہ' کرنل آزاد منہاس کو اس مقدمہ کے اندراج سے پہلے جانتا ہوں۔ میرا کرنل عنایت اللہ خان سے بھی تعارف تھا۔ میری جنرل ظہیر الاسلام عباسی سے واقفیت اس وقت سے ہے جب وہ گلگت میں ایف سی این اے (F.C.N.A) کمانڈر تھے۔ تعمیر کردار کیڈرز (Cadres) کے دوران میرا ان سے تعلق بنا' میرا خیال ہے کہ 1991ء سے میرا ان سے تعلق قائم ہوا جب میں تعمیر کردار کے سلسلہ میں ہونے والے پروگرام میں بحیثیت ایک مقرر شریک ہوا۔ گلگت سے واپسی پر میں نے اور جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے

ایک ہی پرواز میں سفر کیا۔ دوران پرواز میری جنرل ظہیر الاسلام عباسی سے مختلف موضوعات پر بات چیت ہوئی۔ دوران سفر جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے پہاڑوں اور خوبصورت وادیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو اللہ نے ان کو کس طرح پیدا فرمایا ہے اور ساتھ ہی کہا کہ اللہ کے چاہنے سے اس ملک میں اسلام نافذ ہو سکتا ہے اور ہم خلافت کی صورت میں اسے نافذ کر کے سرخرو ہو سکتے ہیں۔

میں بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے آج بھی قلبی لگاؤ رکھتا ہوں جس طرح کل رکھتا تھا۔ میں یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں کہ میں کتنے عرصہ پہلے سے انہیں جانتا ہوں۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ جب مستنصر باللہ ویسٹ رج پنڈی میں پنجاب کی ایک یونٹ کو کمانڈ کر رہے تھے' انہوں نے یونٹ میں مذہبی کورس چلانے کا ارادہ کیا۔ تب سے میں انہیں جانتا ہوں۔ مجھے سال یاد نہیں ہے' ہو سکتا ہے 1984-1983ء کا سن ہو۔ میں نے ان تعلقات کی بنا پر بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے بہت کچھ سمجھا اور سیکھا ہے۔ مجھے ان سے بہت شفقت اور محبت ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ میرا کوئی بڑا بھائی نہیں ہے۔ اگر ہوتا بھی تو بریگیڈیئر مستنصر باللہ مجھے زیادہ عزیز ہوتے۔ میں یہاں عمرو قیس کی رباعی سناؤں گا۔

''وہ بھی کیا دن تھے ہم اکثر راتیں اکٹھی گزارتے تھے' اب وقت نے ایسا دور دیکھایا' ہم ایک رات بھی اکٹھی نہیں گزار سکتے۔''

ہمارے باہمی تعلقات ہماری نجی زندگی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم آپس میں ایک دوسرے کے معاشی مسائل بھی زیر بحث لاتے تھے۔ میں ان کو ایک مثالی انسان کی حیثیت سے اپنے لیے قابل احترام سمجھتا ہوں۔ اب جبکہ ہر جانب سے بریگیڈیئر مستنصر باللہ پر تنقید کی جا رہی ہے' میں وہ تمام اچھے پہلو جو بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے بارے میں ہیں' ان کی وضاحت کروں گا۔

میں نے حضرت علی کی ذات پر ہونے والی تنقید سے بھی رہنمائی لی ہے میں بریگیڈیئر مستنصر باللہ کو بارگاہ الٰہی میں روتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔ بہت دفعہ ایسا ہوا کہ میں نے ان کو صرف اس وجہ سے کھانے پر نہ بلایا کہ وہ ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔ میں نے ان کو گڑگڑاتے اور عاجزی سے اپنے اللہ سے یہ دعا کرتے دیکھا ہے کہ اللہ ان کو سعادت حرمین شرفین عطا

فرمائے۔ میں نے ان کو حلال اور حرام میں تمیز کرنے والا پایا اور ذاتی زندگی میں اسلام پر عمل کرنے والا پایا۔ میں نے تمام تر محبت کے باوجود بریگیڈئیر مستنصر باللہ اور دوسرے دوستوں کو ہمیشہ سچ کی راہ پر چلنے اور اس آیت کی روشنی میں اللہ کی اطاعت کرنے کی نصیحت کی ہے۔

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لیے انصاف کے ساتھ سچی گواہی دینے والے بنو اگرچہ سچی گواہی کی زد میں تمہاری ذات کا نقصان ہو یا تمہارے والدین کا یا تمہارے رشتہ داروں کا۔ وہ غریب ہوں یا دولت مند۔ اللہ کا حق زیادہ ہے تم پر۔ اور اگر تم شہادت میں اپنی زبان کو ٹیڑھا کرو گے سچی گواہی سے ہٹ جاؤ گے تو یاد رکھو اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔''

(ملزم نمبر 3) کرنل آزاد منہاس کا نام میں مختلف جگہوں پر سن چکا تھا لیکن جب میں کوئٹہ گیا تب میرا دوست میجر اسد مجھے اپنے ساتھ کرنل آزاد منہاس سے ملوانے لے گیا۔ یہ میرا ان سے پہلا تعارف تھا۔ انہوں نے بڑی شفقت کے ساتھ ہمیں چائے پلائی۔ اس کے بعد ہم نے مغرب کی نماز اکٹھے ادا کی۔ اس ملاقات کا اس کیس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ میں نے آخری دفعہ 1995ء میں حج ادا کیا۔ حج پر جانے سے پہلے بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے مجھے کوئٹہ بلایا تھا۔ انہوں نے مجھے آفیسرز میس میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا۔ آفیسرز میس میں کھانا کھلایا۔ بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے ملک میں ہونے والے واقعات کی وضاحت کے بعد مجھے یہ بتایا کہ اب ضروری ہو گیا ہے کہ حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ میں نے انہیں بتایا کہ اس مقصد کے لیے چند اعلیٰ عہدوں پر تعینات جرنیلوں کی ضرورت پڑے گی۔ میرے اصرار پر انہوں نے جنرل ظہیر الاسلام عباسی کا ذکر کیا اور انہوں نے مجھے بتایا کہ چند دن پہلے وہ اسی جگہ جنرل ظہیر الاسلام عباسی سے ملے ہیں اور وہ جنرل ظہیر الاسلام عباسی سے بھی یہ معاملہ ذکر کر چکے ہیں۔ میں عدالت کو یہ بتانا چاہوں گا اس بیان کے ریکارڈ ہونے سے پہلے یہ بات میں نے کسی کو نہیں بتائی۔

کوئٹہ میں دوران سکونت یہی موضوع ہماری گفتگو کا بنیادی نقطہ تھا۔ کوئٹہ سے روانگی سے قبل بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے مجھے راولپنڈی بریگیڈ کے چند ایسے افسران سے شناسائی کے بارے میں دریافت کیا جو ہمارے اس منصوبے میں مدد کر سکیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ میری راولپنڈی بریگیڈ کے چند افسروں سے واقفیت ہے۔ تب انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ ہمیں اس

سلسلہ میں استخارہ کر کے رہنمائی لینی چاہیے۔ پھر میں راولپنڈی واپس آ گیا۔ اس کے بعد راولپنڈی بریگیڈ کے ان دوست افسروں کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ جن میں میجر وحید، میجر اکرام نبی، میجر شوکت اور کرنل محمد اقبال شامل تھے میں نے انہیں بتایا کہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے مجھے کیا بتایا تھا اور وہ آپ کے خیالات اس پلان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔

کافی بحث و تمحیص کے بعد سب اس بات پر متفق تھے کہ حکومت کا تختہ الٹنے کے اس منصوبہ پر عمل کرنا چاہئے۔ حج کی ادائیگی کے بعد جب میں واپس آیا تو میں نے اول الذکر دوستوں سے اپنی ملاقاتیں جاری رکھیں۔ ان ملاقاتوں میں اس مقصد کے بارے میں بحث و تمحیص ہوتی رہی۔ اس دوران بریگیڈیئر مستنصر باللہ مسلسل مجھ سے دریافت کرتے رہے کہ آیا میں نے راولپنڈی بریگیڈ کے کسی افسر سے رابطہ کر لیا ہے۔ میں نے ان کو بتایا کہ میں نے کئی دوست افسروں سے رابطہ کیا ہے اور وہ اس مقصد کے لیے آمادہ ہیں۔ اس کے بعد بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے بتایا تھا کہ وہ راولپنڈی آ رہے ہیں۔ جب وہ راولپنڈی آئے ہم نے متعدد ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں کی صحیح تاریخیں مجھے یاد نہیں ہیں لیکن ان ملاقاتوں کا اصل مقصد یہی تھا۔ میں نے ان کو بتایا کہ سب دوست آپ کے اس ارادے سے اتفاق کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے ہماری دو یا تین ملاقاتیں جہانگیر ہوٹل میں ہوئیں۔ میجر وحید اور کرنل محمد اقبال بھی ان ملاقاتوں میں موجود تھے۔

جولائی 1995ء کے پہلے ہفتے میں جب بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے حکومت کو تبدیل کرنے کے لیے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا اظہار کیا تو میں نے اپنے تمام دوستوں کو بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے ساتھ اکٹھا کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ تمام دوست اس منصوبہ (PLAN) کو حتمی شکل دے سکیں اور ان سے تبادلہ خیال کر سکیں اور بریگیڈیئر مستنصر باللہ کی امداد کریں۔ ہماری ایک ابتدائی ملاقات میں بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے بتایا تھا کہ تین سو آدمی حکومت کو تبدیل کرنے میں حصہ لیں گے۔ میں نے جولائی 1995ء کی ایک ملاقات میں اس منصوبہ کا اپنے دوستوں سے ذکر کیا تھا۔ یہ ملاقات میرے دوست ندیم شفیع کے گھر ہوئی تھی۔ ندیم شفیع کو ہمارے گفتگو کا کوئی علم نہیں تھا۔ ندیم شفیع کے گھر بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے آنے سے پہلے ندیم شفیع کو میرے ذریعے اس ملاقات کا علم ہو چکا تھا۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے ندیم شفیع کے گھر آنے سے

پہلے میجر وحید، میجر اکرام نبی اور میں بذات خود سب سے پہلے پہنچے، ندیم شفیع جو کچھ جانتے تھے وہ میرے توسط سے جانتے تھے۔

ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے کہیں گے کہ وہ اپنا منصوبہ ہمیں تفصیل سے بتائیں۔

جب بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے ساتھ ہماری ملاقات شروع ہوئی کرنل محمد اقبال، میجر وحید اور میں (مفتی سعید) اس ملاقات میں موجود تھے جبکہ میجر اکرام نبی اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے تھے۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور اپنے بریف کیس سے چند کاغذات نکالے انہوں نے مجھے ایک تقریر دی۔

جب ہم نے اسے پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ تقریر مولانا محمد عبدالقادر ڈیروی صاحب کی لکھی ہوئی ہے۔ میں نے اس تقریر کو پڑھا، بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے بتایا کہ ہم اس تقریر پر حلف پہلے ہی اُٹھا چکے ہیں۔ تقریر انقلاب کی کامیابی کے بعد ملکی میڈیا پر نشر ہوگی۔ یہ تقریر جنرل ظہیر الاسلام عباسی ملک کے سربراہ کی حیثیت سے کریں گے۔ میرے علم کے مطابق خلافت پر جنرل ظہیر الاسلام عباسی کا تقرر ہونا تھا۔ اس کے بعد بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے ان افسران کی فہرست دکھائی جنہیں انقلاب کی کامیابی کے بعد ترقی دی جانی تھی اور دوسرے جنہیں جبری ریٹائر کرنا تھا۔ اس کے بعد میں نے یہ تقریر بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے لی اور مدنی میموریل ہسپتال ٹرسٹ میں محفوظ کر دی، جب 28 ستمبر 1995ء کو میں گرفتار ہو گیا تو اس کے بعد لیفٹیننٹ کرنل مسعود نے میری موجودگی میں یہ تقریر مدنی ہسپتال سے برآمد کر لی۔ (تقریر بیانات کے آخر میں ہے)۔

ایک موقع پر کرنل محمد اقبال نے بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے ان افسران کے کردار کے بارے میں دریافت کیا۔ جواب میں انہوں نے ان افسران کی تعریف کی۔ اسی ملاقات کے دوران بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے کرنل محمد اقبال سے دریافت کیا کہ ہم اس منصوبے کے لیے آرمی کے مواصلاتی نظام کو کس طرح استعمال کریں۔ کرنل محمد اقبال نے جواب دیا۔ ''یہ ممکن نہیں''، اس کے بعد میں نے تقریر کو پڑھا۔ میجر وحید نے کہا آپ کو تعلیم کے میدان میں خدمات انجام دینا چاہیں۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے جواب دیا اس انقلاب لی کامیابی کے

بعد پورے ملک میں اسلامی سکولوں کا جال پھیلا دیں گے۔ اس اُمید پر کہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ میری بات کو غور سے سنیں گے میں نے اپنی گفتگو کو شروع کیا اوران سے پوچھا ''یہ انقلاب کیسے رونما ہوگا'' کس طرح اتنے زیادہ لوگوں کو اکٹھا کرنے کا انتظام ہوگا۔ انہوں نے یہ کہا کہ ہر محکمہ میں اچھے کردار اور نظر انداز کئے گئے لوگوں کو لگایا جائے گا۔ میں نے ان سے عدالتی نظام کے بارے میں بھی دریافت کیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ اتنے زیادہ اہل لوگ ملک میں تلاش کرنا کس طرح ممکن ہے جو اسلامی قانون کو نافذ کرنے کے اہل ہوں گے۔ جبکہ ایسا دو صدیوں تک نہ کیا جا سکا' تب میں نے انہیں بتایا کہ جنرل ضیاء الحق کے دور میں صرف راولپنڈی ڈویژن کے لیے 36 قاضی درکار تھے جو کہ راولپنڈی ڈویژن سے مہیا نہ ہو سکے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہر عدالت میں جج کے ساتھ ایک مفتی یا قاضی ہوگا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ تمام ججوں کو اسلامی یونیورسٹی میں شریعت کے کورس کرائے جائیں گے اور ہر طرح سے اسلامی قانون کی تعلیم دی جائے گی۔ بینکنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے جواب دیا کہ بہت سے تجربہ کار ماہر لوگوں کی ایک تعداد ملک میں موجود ہے۔ میں نے اس تقریر کے حوالے سے انہیں کہا کہ اس سے شیعہ سنی فساد کا خطرہ ہے۔ انہوں نے اس کا جواب دیا کہ ہم اس کو بخوبی سلجھالیں گے۔

31.01.1996

بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے جانے سے قبل اس تقریر کی ایک فوٹو کاپی دی۔ اس ملاقات کے بعد سکیورٹی (Security) کے لئے میجر وحید' میجر اکرام نبی' کرنل محمد اقبال میں سے کسی نے بھی بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے رابطہ نہیں رکھا۔ اگست 1995ء کے وسط میں بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے مجھے بتایا کہ انہوں نے اپنا منصوبہ تبدیل کیا ہے اور ہتھیار وغیرہ خریدنے کے لیے رقم کا بندوبست ہو چکا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہتھیار خریدنے کے بعد یہ ہتھیار منصوبہ میں شریک آدمیوں کو دیئے جائیں گے۔ پچاس آدمی راولپنڈی سے آئیں گے اور پھر ان کو ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت دی جائے گی۔ یہ ہتھیار کور کمانڈرز میٹنگ کے دوران استعمال ہوں گے۔ ستمبر 1995ء میں اس منصوبہ پر عمل درآمد ہونا تھا۔

منصوبہ یوں تھا کہ سب سے پہلے راولپنڈی بریگیڈ کے کمانڈر کو گرفتار کرلیا جائے گا۔ ایک فلیگ کار اور ایک پجارو گاڑی پر یہ مسلح آدمی سوار ہوں گے۔ فلیگ کار کو دیکھ کر جی ایچ کیو (GHQ) گیٹ پر تعینات عملہ چیک نہ کرے گا۔ اس لیے ان کو گیٹ پر روکا نہ جائے گا۔ یہ بجلی کی تیزی سے اس جگہ پر پہنچیں گے جہاں کور کمانڈرز کانفرنس منعقد ہو رہی ہو گی تب تمام آرمی سٹاف اور کور کمانڈرز مار دیئے جائیں گے۔ ماسوائے بریگیڈیئر افضل اور ایک جنرل کو بچانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس جنرل کا نام مجھے یاد نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جنرل ظہیر الاسلام عباسی چیف آف آرمی سٹاف بن جائیں گے اور خلیفہ بھی اور آرمی سسٹم کے مطابق میجر جنرل لیفٹیننٹ جنرل بنا دیئے جائیں گے۔ اس منصوبہ کی کامیابی کے بعد ایوان صدر اور وزیر اعظم ہاؤس فون کے ذریعہ اطلاع کر دی جائے گی۔ میں رات کو کرنل محمد اقبال سے ملنے گیا اور انہیں اس منصوبہ کی تفصیل اور اختیار کی گئی پیشگی احتیاطیں بتائیں۔ وہ یہ سب کچھ سن کر خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس منصوبہ کی تفصیل سن کر بہت خوش ہوں بلکہ چائنا کے دورہ کے دوران بھی اس پر سوچتا رہوں گا اور میں دعا کرتا رہوں گا۔ جس کے لیے انہیں دوسرے دن روانہ ہونا تھا۔

میں 7 ستمبر تک بہت پریشان تھا جب بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے ندیم شفیع کے مکان پر ملاقات ہوئی۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے مجھے بتایا کہ 8 ستمبر کو اسلحہ لینے کے سلسلہ میں کوہاٹ جا رہے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ چیف آف آرمی سٹاف اپنے غیر ملکی دورے پر جانے سے پہلے لیفٹیننٹ جنرل جی ایم ملک کو اپنا قائم مقام چیف آف آرمی سٹاف بنا کر جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے نفاذ کا ایک اور طریقہ یہ بھی ہے کہ جنرل جی ایم ملک کو کہا جائے کہ وہ ملک کا انتظام سنبھال لیں ویسے ملزم نمبر 2 نے اس سلسلے میں ان سے یعنی لیفٹیننٹ جنرل جی ایم ملک سے ان کے گھر پر بات بھی کی تھی کہ یہی ایک عمل کا وقت ہے اور ملک کو اپنے کنٹرول میں لینے کے لیے سب سے اچھا موقع ہے۔ مگر جنرل صاحب نے سنی ان سنی کر دی اور بات بدل دی۔ انہوں (ملزم نمبر 2) نے مجھے کہا کہ میں ان کو کوہاٹ تک ساتھ چلنے کے لیے ایک آفیسر مہیا کروں۔ میں نے جب اس سلسلہ میں اپنی معذوری کا اظہار کیا تو وہ کچھ دیر کے بعد چلے گئے۔ 8 ستمبر 1995ء کو بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے بذریعہ ٹیلی فون مجھے اطلاع دی کہ ہتھیاروں کی صورت حال تقریباً

خراب ہوگئی ہے۔تمام دوست اللہ سے دعا کریں۔8 ستمبر 1995ء کی شام کو جب میں بریگیڈئیر مستنصر باللہ کی رہائش گاہ پر گیا وہاں کرنل لیاقت راجہ بھی موجود تھے۔بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے مجھے اطلاع دی کہ وہ گرین ہوٹل کوہاٹ 7 بجے صبح پہنچ گئے تھے۔جس شخص سے ہتھیار حاصل کرنا تھے انہوں نے بتایا کہ ہتھیاروں کی آدھی کھیپ پہنچ گئی ہے۔لیکن دو آدمی پکڑے گئے بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے مجھے بتایا کہ انہوں نے کچھ آفیسرز سے رابطہ کیا تھا اور ان کو بتا دیا تھا کہ انہوں (ملزم نمبر 2) نے جہاد کشمیر کے لیے اسلحہ حاصل کیا ہے۔بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے مجھے کچھ کاغذات جلانے کے لیے دیئے۔انہوں نے' کرنل لیاقت علی راجہ اور میں نے نماز مغرب اکٹھے ادا کی۔اس کے بعد میں ندیم شفیع کے گھر آ گیا۔میں نے وہ کاغذات ندیم شفیع کو جلانے کے لیے دیئے۔میں نے اسے کہا کہ وہ مجھے اکیلا چھوڑ دے تا کہ میں ہتھیار پکڑے جانے کے بارے میں غور و فکر کرلوں۔ان کاغذات کا نہ جلایا جانا میری بری نیت کی وجہ سے نہ تھا۔چار دن زیر حراست رہنے کے بعد واپسی پر بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے مجھے بتایا کہ جی ایچ کیو میں یہ مان لیا گیا ہے کہ یہ ہتھیار جہاد کشمیر کے لیے تھے اور ملزم نمبر 2 نے مجھے چھ افراد کے نام بتائے جو اس منصوبہ سے مکمل طور پر واقف تھے۔نام یہ ہیں۔

مولانا محمد عبد القادر ڈیروی صاحب' ان (بریگیڈئیر مستنصر باللہ) کے چچا زاد بھائی مفتی رشید احمد قادری صاحب (مرحوم) پسرور والے۔قاری سیف اللہ اختر صاحب' کرنل لیاقت علی راجہ' کرنل عنایت اللہ خان اور گواہ خود مفتی سعید احمد خان اور کچھ نام جو یہ ہیں وہ بھی چونکہ میری وجہ سے سامنے آچکے ہیں۔

ا۔ جیسا کہ بتا چکا ہوں ندیم شفیع جو کچھ جانتے تھے صرف میری وجہ سے جانتے تھے۔

۲۔ دوسرا نام کرنل محمد اقبال کا ہے۔

۳۔ تیسرا نام میجر وحید کا ہے۔

میں جو بیان قلم بند کروا رہا ہوں مجھے اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ میرے بیان سے کسی فرد یا کسی تنظیم کو فائدہ یا نقصان ہو۔

ملزم نمبر 2 کے وکیل جناب ریٹائرڈ جسٹس قربان صادق اکرام کی جرح میں گواہ نمبر 1

نے بتایا۔

یہ درست ہے کہ ملزم نمبر 1, 2, 3, 4 اور کرنل لیاقت علی راجہ کے درمیان میری موجودگی میں اس سازش کے متعلق کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔

مجھے 28 ستمبر 1995ء کو گرفتار کر لیا گیا' جب مجھے گرفتار کیا گیا میں اور میرا دوست ندیم شفیع کار میں سوار تھے۔ میں نہیں جانتا کہ ہمیں کہاں لے جایا گیا۔ دوسری رات مجھے ایک بڑے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ گزشتہ رات کی طرح ہفتہ کی رات مجھے کچھ فوجی افسران کے سامنے پیش کیا گیا جو میں کہہ رہا تھا وہ نوٹ کرتے جا رہے تھے۔

08.02.1996' جرح گواہ نمبر 1' مفتی سعید خان' بذریعہ مسٹر کے ایم صمدانی منجاب ملزم نمبر 1 میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی۔

میں 19 مارچ 1961ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوا۔ میں نے چار حج کئے' عمرہ کی تعداد مجھے یاد نہیں ہے۔ یہ چار سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ حج اور عمرے میں نے چودہ سال کے عرصے کے دوران کئے ہیں۔ میں گھر میں اردو اور پنجابی بولتا ہوں۔ میں دینی اور دنیاوی تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی اور جامعہ اسلامیہ راولپنڈی' اسلامیہ ہائی سکول نمبر 2 اسلام آباد' فیڈرل کالج نمبر 2 اسلام آباد' جامعہ مدنیہ لاہور داخل رہا۔

آرمی کے ساتھ میرا رابطہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے ذریعہ ہوا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں آرمی میں ہونے والے کسی دینی پروگرام میں بغیر دعوت کے شریک ہوا ہوں۔ لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک' کمانڈر پنڈی کور کے ساتھ میری شناسائی تھی اس کے علاوہ جنرل عبدالوحید کے ساتھ بھی میری شناسائی تھی۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے ذریعے لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک کمانڈر پنڈی کور کے ساتھ میرا تعارف ہوا' جب وہ میجر جنرل تھے۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے جنرل غلام محمد ملک کو دینے کے لیے مجھے کچھ دینی آڈیو کیسٹس دیں اور یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی جیسا کہ مجھے یاد پڑتا ہے 1988ء میں میں نے اپنا فریضہ حج ادا کیا۔ میں نے اپنا پہلا عمرہ اپنے پہلے فریضہ حج سے پہلے ادا کیا' مدنی ٹرسٹ ہسپتال میرے دوستوں کی باہمی شرکت سے بنایا گیا تھا۔

میں نے اللہ کی رضا کے لیے بیان دیا ہے میں نے وہی طریقہ کار اختیار کیا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں نے ملزم نمبر 2 کو استغاثہ کے کہنے پر ناجائز ملوث کیا ہے۔

(13.02.1996 جرح گواہ نمبر 1 بذریعہ جسٹس ریٹائرڈ قربان صادق اکرام منجاب ملزم نمبر 2)

بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے کوئٹہ میں مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں راولپنڈی بریگیڈ کے افسران کو جانتا ہوں میں نے ہاں میں جواب دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں راولپنڈی بریگیڈ کے کئی افسران کو جانتا تھا۔ میں راولپنڈی بریگیڈ کے دس افسران سے واقفیت رکھتا تھا۔ میرا ان افسران سے تعارف بریگیڈیئر ریاض کمانڈر راولپنڈی بریگیڈ کے ذریعے ہوا تھا۔ جس نے تعمیر کردار کے ایک کورس میں لیکچر کے لئے مجھے مدعو کیا تھا۔ میں ان افسران سے ہر 2 ماہ میں ایک دفعہ ملا کرتا تھا۔ بنیادی طور پر آرمی افسران سے میرا تعارف بریگیڈیئر مستنصر باللہ کی وجہ سے ہوا تھا۔ ان افسران سے ملنے کے لئے اور بھی ذرائع تھے۔ جب میں کوئٹہ گیا تھا تب بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے بہت سے موضوعات پر بات چیت ہوتی رہی۔ مثال کے طور پر سیرت رسول اللہ ﷺ، اسلامی جنگیں، اسلامی معاشیات اور ملکی معاشی صورت حال اور چند ایک ذاتی مسائل بھی زیر غور رہے۔

میں باقاعدگی سے اخبار پڑھتا ہوں۔ میں یہاں اس بات کا ذکر کرنا چاہوں گا کہ فی زمانہ اب بھی وہی کشمکش مسلم اور غیر مسلم میں جاری ہے جس طرح 7 ہجری غزوہ خیبر کے دور میں تھی۔ اب اس کشمکش میں چند سالوں سے مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

یہ درست ہے کہ امریکہ اور یورپ کے اتحادی سب مسلمانوں کو بنیاد پرست قرار دے رہے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو مغلوب کر لیں، میں یہاں مزید کہنا چاہوں گا کہ امریکہ کے علاوہ اور بہت سے ممالک مسلمانوں کے خلاف ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ مغرب کی طرف سے یہ خدشات ہیں کہ وہ پاکستان کو ایک دہشت گرد ملک قرار دے دیں۔ اس لئے حکومت پاکستان نے مذہبی رہنما کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ خاص طور پر NWFP جہاں صوفی محمد اور ان کے ساتھیوں کو مالاکنڈ پاس سے گرفتار کیا گیا۔ میں یہ مزید کہوں گا

کہ صوفی محمد والی تحریک اور خلافت موومنٹ جو قبائلی علاقہ میں چل رہی ہے انتہائی نا سمجھ اور جذباتی لوگوں پر مشتمل ہے اور یہ جذباتی لوگوں پر مشتمل ٹولہ انقلاب اسلامی کے بنیادی اصولوں کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ چند یورپی ممالک اور امریکہ نے الجیریا، عراق اور ایران کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کی اور یہ کوشش کی کہ عوام کی نمائندہ حکومتوں کو ہٹا کر اسلامی نظام حکومت کو نقصان پہنچایا جائے۔

یہ صحیح ہے کہ چاروں ملزمان نے داڑھیاں رکھی ہوئی ہیں۔ میں اس سوال کا صحیح جواب نہیں دے سکتا کہ یہ چاروں ملزمان افسران سچے مسلمان ہیں۔ میں تو صرف بریگیڈئیر مستنصر باللہ کو جانتا ہوں جو کہ پکے سچے اور اچھے کردار کے مسلمان ہیں جبکہ دوسروں کو قریبی طور پر نہیں جانتا۔ یہ صحیح ہے کہ بریگیڈئیر مستنصر باللہ ایک سادہ لوح انسان ہیں۔ میں یہاں 'صحیح مسلم شریف' کی ایک حدیث بیان کرنا چاہوں گا۔

مومن بردبار اور نرم دل ہوتے ہیں اس اونٹ کی طرح جس کی ناک میں نکیل پڑی ہو اس کو کھینچا جائے وہ کھنچا چلا آئے اور پتھر پر بٹھایا جائے تو پتھر پر بیٹھ جائے۔

میں بریگیڈئیر مستنصر باللہ کی دینی فراست کا قائل ہوں اور میں ان کو ایک اچھا مسلمان سمجھتا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے جون 1995ء میں راولپنڈی کا دورہ کیا ہو۔ مجھے یاد نہیں کہ وہ کتنے دن رہے۔ مجھے یاد ہے کہ وہ سگنل آفیسرز میس راولپنڈی میں رہے۔ یہ صحیح ہے کہ جس طرح مجھے یاد تھا میں نے شہادت کے خلاصہ میں اسی طرح اپنا بیان ریکارڈ کروایا ہے۔

یہ غلط ہے کہ بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے مجھے رقم کا بندوبست کرنے کے لئے کہا تھا۔ ندیم شفیع کے گھر پر ہونے والی ملاقات میں بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے صرف 300 افراد والے منصوبہ کا ذکر کیا تھا اس روز اور کسی منصوبہ کا ذکر نہیں کیا۔ اس اجلاس کے دوران بحث ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ میں مختلف اخبار، رسائل جو پاکستان میں چھپتے ہیں پڑھتا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ پرنٹ میڈیا میں ہر جگہ اور ہماری سوسائٹی میں بھی عوام میں قانون شکنی، کرپشن، قیمتوں کا اتار چڑھاؤ، بے روزگاری، فحاشی کے سلسلے میں بے چینی پائی جاتی ہے۔ میں بھی ایک پاکستانی ہوں اور میں بھی عوام کی طرح

جذبات رکھتا ہوں اور میں بھی اسے برا سمجھتا ہوں۔ یہ باتیں بھی ندیم شفیع کے گھر ہونے والے اجلاس میں زیر بحث آئی تھیں۔ یہ صحیح ہے کہ ندیم شفیع کے گھر ہم چاروں میں، میجر وحید، کرنل اقبال اور بریگیڈ ئیر مستنصر باللہ کی جو ملاقات ہوئی تھی وہ ہماری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔

یہ کہنا درست ہے کہ اگست 1995ء میں ہونے والی ایک ملاقات میں اس پر بحث ہوئی تھی۔ یہ درست ہے کہ بریگیڈ ئیر مستنصر باللہ نے کہا کہ ہتھیاروں کی خریداری کے لئے 2 لاکھ ادا کئے جا چکے ہیں لیکن انہوں نے ان لوگوں کا نام نہیں بتایا جن کو رقم ادا کی گئی تھی۔ یہ درست ہے کہ اگست 1995ء کی ملاقات میں یہ طے ہوا تھا کہ فوجیوں کی بجائے غیر فوجی افراد استعمال ہوں گے۔ بریگیڈ ئیر مستنصر باللہ نے سول افراد کے نام نہیں لئے۔ مجھے یاد نہیں کس کی دعوت پر ندیم شفیع کے گھر اجلاس منعقد کیا گیا تھا۔ اس اجلاس میں منصوبہ سے متعلق مختلف تجاویز دی گئی تھیں۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ بریگیڈ ئیر مستنصر باللہ نے 08.Sept.1995 کو مجھے اسلحہ کا مقصد نہیں بتایا تھا جبکہ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ اسلحہ اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے استعمال ہوگا۔ میں نے اسلحہ خریدے جانے کا مقصد عدالت کے سامنے دیئے گئے بیان میں ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ میرے علم میں ہے کہ عام لوگ اور فوجی افسران مجاہدین کشمیر کی مدد کر رہے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ملزم نمبر 2 فوج کے سینئر افسر ہیں اور وہ آرمی کے بہت سے افسران کو جانتے ہیں۔ میں ایک درس قرآن کے سلسلے میں کرنل اقبال کے گھر گیا تھا لیکن درس قرآن کے سلسلہ میں میجر وحید کے گھر کبھی نہیں گیا۔

(ملزم نمبر 2 کے وکیل ریٹائرڈ جسٹس قربان صادق اکرام نے گواہ سے سوال کیا)۔

سوال: کیا یہ درست ہے کہ تم نے جو کچھ بیان دیا عدالت میں یا شہادت کی سمری یا خلاصہ میں، یہ سب جھوٹ ہے اور تم نے تشدد سے بچنے کے لئے یہ بیان دیا ہے اور یہی توریہ کا اصول ہے۔

جواب: یہ بالکل غلط ہے۔ اگر میں توریہ کا اصول اپناتا تو مجھ پر کبھی تشدد نہ ہوتا۔ میں نے کوئی جھوٹا بیان نہ ماضی میں دیا ہے اور نہ ہی اب دے رہا ہوں۔ یہ مفہوم لینا غلط ہے کہ میں نے کوئی کام خلاف شریعت کیا ہے۔

یہ درست نہیں ہے کہ میں نے بڑے غور وخوض کے بعد آرمی میں اثر ورسوخ قائم

کرنے کے لئے کوشش کی۔

یہ یقینی طور پر غلط ہے کہ میں نے بطور بھارتی خفیہ ایجنسی را کے ایجنٹ کی حیثیت سے پاکستان آرمی کے بڑے افسران سے تعلق بنائے تاکہ اسلامی ذہن رکھنے والے آرمی افسران کے خلاف کوئی ایکشن عمل میں لایا جائے۔ یہ درست نہیں ہے کہ میں نے عدالت کو جو بیان دیا ہے وہ جھوٹا ہے۔

ملک محمد رفیق ایڈووکیٹ نے منجانب ملزم نمبر 4 'کرنل عنایت' گواہ نمبر 1 پر جرح کی۔

میں ایک پاکستانی شہری ہوں۔ ہاں یہ کہا گیا ہے کہ ملک اسلام کے نام پر حاصل ہوا تھا۔ یہ درست ہے کہ ایک پاکستانی ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے دو چیزیں بہت اہم ہیں' اسلام اور دوسرا ملک' ملزم نمبر 1 کے ضمن میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا تھا کہ یہ بات میری معلومات میں ہے کہ دو آدمیوں میں سے ایک جو جرم کرتا ہے اور دوسرا جو اس جرم کو چھپاتا ہے دونوں شریک جرم ہوں گے۔ شہادت کے خلاصہ میں عدالت کے سامنے سچ بولنے کے لیے مجھ سے کسی اتھارٹی کی طرف سے وعدہ معاف گواہ بننے کا وعدہ نہیں کیا گیا کہ میرے خلاف لگنے والے الزامات واپس لے لیے جائیں گے یا میرے ساتھ اس جیسا کوئی معاہدہ ہوا ہے۔

جہاز میں ہونے والی بات چیت کے دوران جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے مجھ سے رائے طلب کی اور نہ ہی منصوبہ کی تائید کے لیے کہا۔ اس کے بعد جنرل ظہیر الاسلام عباسی کے ساتھ اور کوئی مزید گفتگو نہ ہوئی۔ غالباً اس ملاقات کے بعد ہم شاید ایک یا دو مرتبہ ملے تھے۔

جب میں کوئٹہ میں بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے ملا تھا اس وقت مجھے قطعی احساس نہ ہوا کہ ملزم نمبر 2 کسی جرم کا ارتکاب کا ارادہ رکھتا تھا۔ تاہم انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ حکومت کو بدلنا چاہتے ہیں۔ میں نے کبھی بھی اس سازش سے متعلق کوئی رپورٹ کسی پولیس اسٹیشن' کسی کمانڈنگ آفیسر کی مجاز اتھارٹی کو درج نہیں کروائی۔

یہ درست ہے کہ معمول کی گفتگو میں لیفٹیننٹ کرنل کو کرنل کہا جاتا ہے' بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے آفیسرز کے ناموں کے ساتھ کرنل عنایت اللہ کا ذکر کیا اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ کرنل

عنایت کون تھے۔ یہ مفہوم لینا درست نہیں ہے کہ مجھے معمولی مالی مفاد نے غلط کام کرنے پر اکسایا ہے اور اس لیے میں جھوٹا بیان دے رہا ہوں۔

14.02.1996 مسٹر مقبول الٰہی ملک منجاب ملزم نمبر 3' کرنل آزاد منہاس نے گواہ نمبر 1 مفتی سعید خان پر جرح کی۔

مجھے چھتر باغ کے علاقہ سے گرفتار کیا گیا' یہ مدنی ہسپتال اور راولپنڈی کے درمیان ہے۔ جب مجھے گرفتار کیا گیا ندیم شفیع بھی میرے ساتھ تھا۔ ہم راولپنڈی آرہے تھے ہم چھتر باغ ٹھنڈا پانی پینے کے لیے رُک گئے تھے۔ جونہی ہم چھتر باغ رُکے' ندیم شفیع بوتل لینے کے لیے نیچے اترا اور اسی لمحہ ایک جیپ آئی اور میں گرفتار ہو گیا۔ مجھے ٹھنڈا پانی پینے کی اجازت بھی نہ دی گئی اور گرفتار کر لیا گیا اور غلیظ گالیاں دی گئیں۔ انہوں نے مجھے گاڑی کے کاغذات دکھانے کے لیے کہا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں کار کا مالک نہیں ہوں۔ انہوں نے ندیم شفیع سے دریافت کیا۔ میں نہیں جانتا کہ ندیم شفیع نے کاغذات کہاں سے انہیں دکھائے یا نہیں دکھائے کیونکہ انہوں نے مجھے میرے بازوؤں سے پکڑا اور اپنی جیپ میں لے گئے انہوں نے مجھے اپنی کار میں ڈالا میں نہیں جانتا کہ انہوں نے ندیم شفیع کو کیسے گرفتار کیا انہوں نے میرے سر کو کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ وہ کپڑا ایک تولیہ نما تھا جس سے میرے سر اور چہرے کو ڈھانپ دیا گیا۔ پھر انہوں نے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد میری آنکھوں پر سیاہ پٹی چڑھا دی اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد انہوں نے میرے سر پر ایک کالا غلاف چڑھا دیا۔

میں پریشان تھا کہ میرے ساتھ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے۔ پھر میرے ذہن میں اس کی دو وجوہات آئیں۔ سب سے پہلے جو بات ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ سب کچھ ملزم نمبر 2 کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مجھ سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جس کی مجھے سزا مل رہی ہے' یہ مفہوم درست ہے کہ میرا ردعمل میرے ساتھ ہونے والے غیر اخلاقی سلوک کی وجہ سے تھا۔ بظاہر معلوم ہو رہا تھا کہ سب کچھ ملزم نمبر 2 کی اسلحہ خریداری کی وجہ سے ہو رہا ہے کیونکہ یہ اس وقت کی خاص پریشانی تھی۔

میں نہیں سمجھتا کہ مجھ سے کسی جرم کا ارتکاب ہوا تھا۔ یہ درست ہے کہ اس معاملے میں

میرا ایک حصہ تھا جس کے بارے میں عدالت کو پہلے سے بتا چکا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ میرا یہ رول مجھ کو ایک مجرم ثابت کرتا ہے۔ اپنے آپ کو مجرم سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ملزم نمبر 2 کو ہمیشہ اس کام سے روکا جو وہ کرنا چاہتے تھے اور دوسری وجہ میرے ان سے گہرے تعلقات تھے اور ان کے مجھ پر بہت احسانات تھے جس کی وجہ سے میں ان کو چھوڑ نہیں سکتا تھا۔

یہ درست ہے کہ جب میں کوئٹہ گیا بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔ میں نے اس وقت ان کو نہیں کہا کہ انہیں حکومت کا تختہ الٹنا نہیں چاہیے۔ ان (ملزم نمبر 2) کے دریافت کرنے پر میں نے انہیں بتایا کہ میری راولپنڈی بریگیڈ میں کچھ افسر ان سے واقفیت ہے۔ میں نے انہیں نہیں بتایا کہ جب میں راولپنڈی جاؤں گا تب میں ان افسران سے رابطہ کروں گا۔ بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے مجھ سے پوچھا کہ راولپنڈی بریگیڈ کے کسی افسر سے میری واقفیت ہے، میں نے ہاں میں جواب دیا۔ ملزم نمبر 2 نے مزید کہا کہ راولپنڈی بریگیڈ کے کسی افسر سے واقفیت بہت ضروری تھی۔

ملزم نمبر 2 نے کہا کہ مجھے راولپنڈی بریگیڈ کے افسران سے ملنا چاہیے۔ 1995ء میں میری حج سے واپسی کے بعد ملزم نمبر 2 نے ٹیلیفون کیا اور اطلاع دی کہ وہ راولپنڈی آرہے ہیں۔ جب وہ راولپنڈی آئے میں نے انہیں جہانگیر ہوٹل مدعو کیا۔ میں نے ملزم نمبر 2 کو بتایا کہ میں نے راولپنڈی بریگیڈ کے افسران میں سے چند دوست افسران سے رابطہ کیا ہے اور ان دوستوں نے مجھے حکومت کی تبدیلی کے سلسلہ میں مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ میں نے ان افسران سے رابطہ کیا اور وہ شامل ہونے کو تیار تھے۔ میرا ان افسران سے رابطہ بریگیڈئیر مستنصر باللہ کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں کہا جا سکتا ہے۔ یہ سمجھ لینا درست ہے کہ اگر بریگیڈئیر مستنصر باللہ کے منصوبہ میں امداد کرنے کا کوئی ارادہ نہ ہوتا تو میں ان افسران سے رابطہ نہ کرتا، گواہ نے مزید کہا ان افسران سے رابطہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بریگیڈئیر مستنصر باللہ کی طرف سے ان افسران سے اس کے منصوبے سے متعلق رائے طلب کرنا تھی، جسے میں ایک امانت سمجھتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے ایسا ضرور کرنا چاہیے حالانکہ میں ان سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔

جہانگیر ہوٹل راولپنڈی والی ملاقات میں میں نے بریگیڈئیر مستنصر باللہ کو نہیں بتایا تھا

کہ میں حکومت کا تختہ الٹنے کے منصوبہ سے اتفاق نہیں کرتا۔ بریگیڈئیر مستنصر باللہ کی کوئٹہ روانگی کے بعد میں نے اپنے دوستوں کو ملاقات کے لیے اکٹھا نہیں کیا' کافی دنوں کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنے دوستوں کو اکٹھا کروں اور ان کے ساتھ بریگیڈئیر مستنصر باللہ کے منصوبہ سے متعلق گفتگو کروں۔ میں نے اپنے بیان میں نہیں کہا کہ میں نے ملزم نمبر 2 کے دوسری مرتبہ راولپنڈی آنے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ درست ہے کہ میری طرف سے ندیم شفیع کے گھر منعقد کیا جانے والا اجلاس بریگیڈئیر مستنصر باللہ کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی ایک اہم کڑی تھی۔

ایک اچھا مسلمان کسی ایسے جرم کو مخفی نہیں رکھتا جو معاشرے میں بڑے فساد کا سبب بننے والا ہو۔ میں گناہ اور عیب کے فرق کو بخوبی سمجھتا ہوں۔ ایک آدمی کو دوسرے آدمی کی کسی غلطی کو چھپانا چاہیے۔ بریگیڈئیر مستنصر باللہ کی پشاور کی انکوائری (10 SEPT 1995-14 SEPT 1995) کے بعد میں گوجرانوالہ اپنے چند دوستوں سے ملنے کے لیے گیا۔ لاہور کے راستہ میں میجر وحید سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہاں میں ایک روز اپنے دوست میجر کامران اور ایک اور دوست میجر اسد سے بھی ملا۔

میں نے بریگیڈئیر مستنصر باللہ کی انکوائری کے بارے صرف میجر وحید سے تبادلہ خیال کیا دوسرے دوستوں سے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ یہ درست ہے کہ میجر وحید اور میں نے فیصلہ کیا کہ ہم اس منصوبے کے عملی جامہ کے لیے کشمیر ایشو کی آڑ لیں گے۔ یہ درست نہیں ہے کہ کشمیر ایشو کی آڑ میں منصوبہ پر عمل کرنا جرم تھا یا غیر اخلاقی تھا۔ گواہ نے مزید کہا کہ میں نے اور میجر وحید نے اس معاملہ کو ختم کرنا چاہا اور کوشش کی کہ یہ خبر نہ پھیلے۔ جب میں 19 اکتوبر 1995ء کو دوبارہ تفتیش کے لیے بلایا گیا تھا۔ میں حیران نہیں ہوا تھا۔ میرا بیان بطور شہادت منصر کیمپ میں ریکارڈ کیا گیا۔ میں ماسوائے ندیم شفیع کے گرفتار کیے گئے لوگوں کو نہیں جانتا تھا۔ میری گرفتاری کے دوران میرے خاندان کے کسی فرد نے مجھے چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔

1۔ میری گرفتاری سے چند دن پہلے 8 ستمبر 1995ء کو میرے خاندان کا ہر فرد بریگیڈئیر مستنصر باللہ کے لیے دعائیں کر رہا تھا۔

میرے خاندان والوں نے یہ جانا کہ میرے ساتھ ایسا ہو سکتا تھا۔

2۔ اکتوبر 1995ء کے پہلے ہفتے کرنل مسعود کمانڈنگ آفیسر جی ایچ کیو انٹیلی جینس مجھے میرے خاندان سے ملانے لے گئے تھے۔ میرے والد صاحب نے مجھے بتایا کہ اگر تم حق پر ہو تو تمہیں استقامت پر رہنا چاہیے۔ اگر تم غلطی پر ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا چاہیے۔

مجھ پر فوجی قانون نافذ نہیں ہوتا۔ میرے بہنوئی نے مجھے ضمانت پر رہا کرانے کی کوشش کی جبکہ حقیقت میں، میں قید میں خوش تھا کیونکہ ظالم بننے سے مظلوم ہونا بہتر ہے۔ یہ غلط ہے کہ میں کسی خوف کی وجہ سے رہا نہیں ہونا چاہتا تھا کہ جب میں رہا ہوں گا تو لوگ مجھ پر طنز کریں گے کہ میں نے ملزم نمبر 2 کے خلاف گواہی کیوں دی۔ یہ درست ہے کہ میں نے چند وجوہات کی بناء پر بیان دیا ہے۔

یہ غلط ہے کہ جب میں رہا ہوں گا میرے رشتہ دار مجھ پر تنقید کریں گے۔ میں اپنے ذاتی معاملات اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق چلاتا ہوں یہ کہنا درست ہے کہ میں نے اخبار میں بیان دیا تھا کہ میں سلطانی گواہ نہیں ہوں میرے بیان دینے کی وجہ چند لوگ تھے جنہوں نے مجھے بیان دینے کی نصیحت کی جن میں میرے استاد اور میرے بڑے شامل ہیں۔ ان نیک لوگوں کے خلاف میرا جھوٹا بیان دیئے جانے پر میری رہائی کے بعد مجھے کسی بھی شخص نے تنقید کا نشانہ نہیں بنایا۔ تاہم کچھ لوگوں نے وضاحت ضرور طلب کی۔ یہ میرے لیے اتنا اہم نہیں تھا کہ کون مجھ سے پہلے رہا ہوا ہے۔

کرنل امجد، ندیم شفیع، مولانا عبدالقادر ڈیروی صاحب سے پہلے رہا ہو گئے تھے۔ یہ غلط ہے کہ مولانا محمد عبدالقادر ڈیروی صاحب گرفتار نہ کیے گئے تھے۔

مولانا محمد عبدالقادر ڈیروی منصر کیمپ میں ملحقہ کمرے میں بند تھے، کرنل امجد میرے بہنوئی ہیں۔ کرنل امجد اس کیس میں گواہ نہیں ہیں لیکن انہیں بھی ایک ماہ تک حراست میں رکھا گیا۔

17.02.1996 مسٹر مقبول الٰہی ملک، منجانب ملزم نمبر 3 کرنل محمد آزاد منہاس۔

ڈکشنری کے مطابق پلان کا مطلب ہے ایک ایسا منصوبہ جو ابھی صفحہ مثل پر نہ آیا ہو اور

اس میں بھی تبدیلی کی گنجائش موجود ہو۔ میں مانتا ہوں کہ پلان مقصد حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ خواہش ایک خیال کی ابتدائی سطح ہوتی ہے جو دماغ میں جنم لیتی ہے اور غور و غوض کے بعد پلان بن جاتی ہے، جبکہ صرف ایک خواہش کو منصوبہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب میں کوئٹہ گیا تب بریگیڈیئر مستنصر باللہ کا اپنا ایک ارادہ تھا۔ یہ کوئی تفصیلی منصوبہ نہیں تھا۔ یہ مفہوم لینا درست ہے کہ جب میں کوئٹہ گیا، ملزم نمبر 2 نے مجھے بتایا کہ وہ حکومت کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کہنا درست ہے کہ ملزم نمبر 2 کا یہ بیان منصوبہ کی پوری وضاحت نہیں کرتا۔

یہ مفہوم لینا درست ہے کہ میں نے ملزم نمبر 2 کی یہ خواہش کہ حکومت تبدیل کرنا چاہتے ہیں، میں نے ان کی اس خواہش پر اعتراض نہیں کیا۔ اس منصوبہ سے میری دلچسپی اس حد تک تھی کہ میں نے بریگیڈیئر مستنصر باللہ کو بتایا تھا کہ حکومت کی تبدیلی کے بعد اس وقت حکومت چلانے کے لیے قابل اور تجربہ کار اشخاص کا ملنا مشکل ہوگا۔ میں نے ملزم نمبر 2 کو استخارہ کرنے کا مشورہ دیا اور میں نے خود بھی استخارہ کرنے کا ارادہ کیا۔ میرا کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم دونوں استخارہ کریں۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ ہم نے استخارہ کب کیا۔ استخارہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی سچی مہم درست ہونے کے سلسلہ میں اللہ سے رہنمائی حاصل کرے۔ میرا خیال ہے کہ یہ درست ہے کہ اچھے مقصد کے لیے حکومت میں تبدیلی برحق ہے۔ ایسے نیک مقاصد کے لیے میں حکومت میں تبدیلی پسند کروں گا، گواہ نے خود بخود کہا میں اپنے فتویٰ کے ذریعے یہ کہنا چاہوں گا، میرے فتویٰ کے مطابق اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کے مطابق ایسی حکومت کو تبدیل کرنا جو غیر اسلامی ہو، غیر مسلموں سے جہاد کرنے سے قبل غیر اسلامی حکومت کے خلاف جہاد کیا جائے اور ایسا کرنا غیر مسلموں سے جہاد کرنے سے 50 سے 70 دفعہ افضل ہے، لیکن اس کی دو شرائط ہیں۔

1۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جو لوگ حکومت کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں وہ اس کے اہل ہوں۔

2۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حکومت کی تبدیلی کے بعد کوئی ابتری یا بدنظمی نہیں ہونی چاہیے۔

میں اس فتویٰ پر یقین رکھتا ہوں اور اس پر عمل پیرا ہوں، یہ فتویٰ جیسا کہ احکام القرآن، شامی جلد 17 میں ہے۔

میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف یہ کہہ دینا کہ میں حکومت تبدیل کرنا چاہتا ہوں کوئی

جرم نہیں ہے لیکن ملزم نمبر 2 نے ندیم شفیع کے گھر ہونے والی میٹنگ میں 300 آدمیوں کے استعمال والے منصوبہ کا اظہار کیا تھا۔ میں اپنے بیان میں تین سو آدمیوں والے منصوبے، وہ تقریر جو کامیابی کے بعد نشر کی جانی تھی، اور اس فہرست کا بھی جس میں ان افسران کا ذکر تھا جنہیں ترقی دی جانی تھی کا ذکر کر چکا ہوں۔ ملزم نمبر 2 نے ان 300 آدمیوں کے ناموں کا تذکرہ نہیں کیا تھا لیکن اتنا ضرور کہا تھا کہ یہ 300 آدمی افغانستان کی جنگ میں شریک رہے ہیں۔

بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے کہا تھا کہ یہ 300 افراد حکومت کی تبدیلی میں استعمال ہوں گے۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ آیا ملزم نمبر 2 نے مجھے یہ بتایا تھا کہ یہ 300 افراد حکومت کی تبدیلی میں کیسے استعمال ہوں گے۔ یہ مفہوم درست ہے یہ تینوں چیزیں 300 افراد۔ تقریر، اور ایسے افسران کی فہرست جن کو حکومت کی تبدیلی کے بعد ترقی دی جانی تھی یہ کوئی منصوبہ نہیں تھا، لیکن یہ تینوں منصوبہ کا حصہ تھیں۔ وہاں کوئی مالی منصوبہ زیر غور نہیں آیا۔ جب ملزم نمبر 2 ندیم شفیع کے مکان سے چلے گئے میں نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ اپنا منصوبہ ترک نہیں کریں گے۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ آیا میں نے یہ کہا تھا کہ وہ حکومت میں تبدیلی کی نیت ترک نہیں کریں گے یا منصوبہ ترک نہیں کریں گے۔ یہ درست ہے کہ اگست 1995ء میں ملزم نمبر 2 نے مجھے ایک منصوبہ کے بارے میں اطلاع دی تھی۔

میں نے سوچا کہ اس ملک میں ایسا کرنا غیر قانونی، غیر اخلاقی اور غلط ہے، میں نے اس منصوبہ کے بارے میں اپنے جاننے والے کسی سینئر آرمی افسر کو اطلاع نہیں دی۔ میں نہیں سمجھتا کہ میں نے ان لوگوں کو اطلاع نہ دے کر کوئی غیر قانونی یا غیر اخلاقی یا غلط عمل کیا ہے۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس منصوبہ کو ظاہر نہ کرنا اس طرح کا جرم ہے جس طرح ملزم نمبر 2 نے کیا ہے۔

یہ درست ہے کہ 6 ستمبر 1995ء کو بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے ایک دوسرا منصوبہ ظاہر کیا کہ چیف آف آرمی سٹاف کی عدم موجودگی میں مقرر ہونے والے چیف آف آرمی سٹاف یعنی لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک کو التجا کی جائے کہ وہ ملک میں نظام خلافت رائج کر دیں اور ملک کا انتظام مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ 6 ستمبر 1995ء کو چیف آف آرمی سٹاف ملک میں موجود تھے لیکن منصوبہ یہ تھا کہ جب وہ ملک سے باہر چلے جائیں گے تو ان کی جگہ مقرر ہونے

والے چیف آف آرمی سٹاف سے التجا کی جائے گی کہ وہ ملک کا انتظام مکمل طور پر اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ یہ توقع تھی کہ جنرل وحید جلد ہی کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر جانے والے تھے۔ اس کے بعد کوئی نیا منصوبہ مجھے نہیں بتایا۔ 8 ستمبر 1995ء کو بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے مجھے کچھ کاغذات دیئے اور کہا کہ میں ان کو ضائع کردوں میں نے یہ کاغذات جلانے کے لیے ندیم شفیع کو دے دیئے تھے۔ میں کاغذات کو جلانے یا ضائع کرنے میں اپنے آپ کو ماہر نہیں سمجھتا۔ اس موقع پر وکیل استغاثہ نے عدالت سے درخواست کی کہ گواہ سے جو سوال پوچھے جائیں وہ ریکارڈ کیے جائیں۔

سوال: ان کاغذات کو ضائع نہ کرنا اور نہ جلانا' کیا آپ کے اس عمل سے بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچی۔

جواب: نہیں' میں نے وہ کاغذات جلانے کے لیے ندیم شفیع کو دے دیئے تھے۔

''میجر جنرل اعجاز امجد' لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک کے حوالہ سے میرے پاس آئے تھے۔ میجر جنرل اعجاز امجد کا کیس پرموشن کے لیے پیش ہونے والا تھا۔ میجر جنرل اعجاز امجد کے قادیانی ہونے کی وجہ سے ان کی شخصیت کے بارے میں شبہات پائے جاتے تھے۔ میجر جنرل اعجاز امجد کا اصرار تھا کہ ان کی اہلیہ قادیانی ہیں جبکہ وہ خود مسلمان ہیں۔ چند ملاقاتوں کے بعد میں نے ان کو مشورہ دیا کہ ان کی بیوی کو مسلمان ہو جانا چاہیے یہ طے پایا تھا کہ ان کا نکاح دوبارہ پڑھا دیا جائے۔''

لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک' میجر جنرل ترمذی' کرنل امجد اس کے گواہ تھے۔ سب کچھ ہونے کے بعد بھی میجر جنرل اعجاز امجد لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی نہ پا سکے۔ میں نے آرمی کو اپنے ٹارگٹ کے حصول کے لیے نہیں چنا تھا۔ میں ملزم نمبر 2 کی وجہ سے فوج میں متعارف ہوا تھا۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ سب جھوٹ ہے کہ میں نے مذہبی تعلیم کے ذریعے فوج میں جگہ بنانے کی کوشش کی تا کہ اس ادارے میں مسائل پیدا کیے جائیں' اس کے وقار کو ٹھیس پہنچائی جائے' اس کے بارے میں نفرت پھیلائی جائے' اعلیٰ افسران کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کی جائیں۔ یہ سب کچھ جھوٹ ہے کہ میں نے غیر ملکی ہدایات کے مطابق (خصوصاً بھارت) کے ایما پر ایسا کیا ہے۔ اللہ اور بریگیڈیئر مستنصر باللہ دونوں جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ غلط ہے' میں نے جامعہ اسلامی

میں ہسپتال کے ذمہ داریوں کی وجہ سے درس کے سلسلہ کو ختم کر دیا‘ میں نے کبھی بھی لگاتار مسجد دار السلام میں درس نہیں دیا۔ میں مولانا نور محمد کی دعوت پر ادھر جاتا تھا۔ میں اور ملزم نمبر 12 اکٹھے جاتے تھے۔ میں ان کی وفات کے بعد ادھر کبھی نہیں گیا۔

میں مسجد طور میں مسلسل درس دیتا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے وہاں درس کا سلسلہ کیوں بند کیا۔ میں بیکری چوک مسجد میں بطور استاد مقرر ہوا تھا۔ درس دینے کے لیے کچھ عرصہ کے بعد بیکری چوک مسجد کی انتظامیہ نے مجھے وہاں پڑھانے سے روک دیا تھا۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ مجھے ان اداروں سے نکالا گیا تھا۔ میں نے میجر جنرل اعجاز امجد کی سفارش پر ہسپتال کے لیے ٹیلی فون حاصل نہیں کیا تھا۔ یہ درست نہیں ہے کہ میجر وحید میرے مکمل طور پر زیر اثر تھے۔ گواہ مفتی سعید نے رضا کارانہ طور پر کہا کہ میجر وحید ملزم نمبر 3 کو نہیں جانتے تھے۔ یہ خیال درست نہیں ہے کہ میجر وحید کے والد نے مجھ سے التجا کی کہ میں میجر وحید کا پیچھا چھوڑ دوں۔ کیونکہ میں میجر وحید سے سارے پیسے لے لیا کرتا تھا جو وہ سعودی عرب سے بھیجتے تھے‘ میں ایک دفعہ وزٹ پر امریکہ گیا ہوں جبکہ میں 1995ء تک چھ سات بار برطانیہ جا چکا ہوں۔

جرح بذریعہ مسٹر ایم وائی کے صمدانی وکیل ملزم نمبر 1‘ میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی۔

اس تیسرے کے علاوہ میرے پاس دو پاسپورٹ ہیں جو اپنے گھر میں تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جیسے ہی یہ مجھے ملے‘ میں عدالت کے سامنے پیش کر دوں گا۔ (عدالت نے جائزہ لیا ہے کہ انگریزی کی انٹریز صاف نظر آئی ہیں جبکہ عربی کی انٹریز صاف پڑھی نہیں جاتیں)۔ میں نے 1991ء میں بھارت کا دورہ کیا تھا پہلا اور آخری۔ میں بھارت جانا چاہتا ہوں۔ میں گزشتہ پانچ سالوں سے بھارت جانے کے لیے کوشش کر رہا ہوں۔ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ''الفتح'' کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ جس میں میں نے مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے‘ یہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے لکھے فتویٰ کو دیکھ نہ لوں۔ میں جب بھی باہر گیا ہوں میں دہلی میں کبھی نہیں ٹھہرا۔ 14.02.1991 کو اپنے پاسپورٹ کے ذریعے میں نے بھارت کے سفارت خانہ کو ویزہ کے لیے درخواست دی۔

06.03.1996 جرح بذریعہ ریٹائرڈ جسٹس جناب قربان صادق اکرام۔ منجانب ملزم نمبر 2 بریگیڈیئر مستنصر باللہ۔

مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ 1995ء میں مکتہ المکرمہ میں بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے ملاقات سے پہلے کب ملا تھا۔ ملزم نمبر 2 اور میرے درمیان کبھی کبھار ملاقات ہوتی تھی۔ یہ درست ہے کہ ہم جب بھی ملتے تھے، ملزم نمبر 2 نے کبھی بھی پاکستان کے خلاف بات نہیں کی اور کبھی بھی ملزم نمبر 2 نے کسی بھی حکومت پر تنقید نہیں کی۔ تاہم وہ ملک میں غیر اسلامی اقدار کے فروغ اور اخلاقی قدروں کی پامالی پر غم وغصہ کا اظہار کرتے تھے۔

بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے اقتدار پر موجود کسی وزیراعظم پاکستان کو اپنی تنقید کا کبھی نشانہ نہیں بنایا۔ میں اخبارات، میگزین باقاعدگی سے نہیں پڑھتا۔ یہ کہنا درست ہے کہ ہر پاکستانی ان چیزوں، قیمتوں کا بڑھنا، غیر اسلامی، غیر اخلاقی رجحانات پر تنقید کرتا ہے۔ یہ درست ہے کہ مسجد یا کسی دوسری جگہ میری مختلف لوگوں سے جب گفتگو ہوتی تب ملک میں غیر اسلامی اور غیر اخلاقی رجحانات جیسے موضوعات زیر بحث آتے۔

یہ درست ہے کہ ملزم نمبر 2 نے 1992ء سے لے کر 1995ء آج تک ہماری ہونے والی کسی بھی ملاقات میں فوج کے کسی افسر یا افواج پاکستان کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ یہ درست ہے کہ ملزم نمبر 2 نے کبھی بھی حکومت پاکستان یا افواج پاکستان کے خلاف کوئی سازش والی بات نہیں کی۔ 1992ء سے لے کر 1995ء تک جب بھی ہمارے ملک میں غیر اسلامی رجحان اور غیر اخلاقی اقدار کے فروغ کے بارے میں گفتگو ہوتی ملزم نمبر 2 بحثییت ایک عام پاکستانی کے اپنی رائے کا اظہار کیا کرتے تھے۔ یہ درست ہے کہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ ایک سچے اور باعمل مسلمان ہیں۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ دستاویز Ex.V (تقریر) پر میرے دستخط ہیں لیکن اس کو میں نے نہیں لکھا ہے۔ اس موقع پر گواہ کو دستاویز Ex.V (تقریر) دکھائی گئی۔ اس نے کہا یہ اس کے دستخط نہیں ہیں۔ یہ درست ہے کہ دستاویز Ex.V (تقریر) میں کسی بھی ملزمان کے نام نہیں ہیں۔ خصوصی طور پر ملزم نمبر 2 کا نام نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ دستاویز Ex.V (تقریر) کو پڑھنے سے اس کی تحقیق نہیں ہوتی کہ ملزم نمبر 2 کہ کہنے پر لکھی ہے۔

یہ درست ہے کہ دستاویز Ex.V (تقریر) ملزم نمبر 2 کے لیے لکھی گئی تاکہ وہ اس دستاویز سے اپنی مطلوبہ راہنمائی حاصل کر سکیں۔

Statement of Witness No 4. Col Liaqat Ali Raja.

بیان و جرح گواہ نمبر 4۔ کرنل لیاقت علی راجہ۔ سلطانی گواہ

20.03.1996

پی۔اے 12680 کرنل لیاقت علی راجہ ولد راجہ محمد اقبال عمر 44 سال' مذہب اسلام' سنی' قوم راجپوت چوہان' سکنہ ڈاکخانہ دہر دگی' تھانہ ومن' تحصیل وضلع چکوال یونٹ آرمی ایوی ایشن GHQ راولپنڈی نے حلف کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔

میں عدالت میں بیٹھے ہوئے تمام ملزمان کو جانتا ہوں۔ میں آرمی ایوی ایشن ڈائریکٹوریٹ میں جولائی 1995ء سے تعینات ہوں۔ اس تعیناتی سے پہلے میں آرمی ایوی ایشن بیس ملتان میں 1985ء سے 1995ء تک سروس کرتا رہا ہوں۔ اس عرصہ کے دوران میں نے آرمی ایوی ایشن بیس ملتان مین مختلف عہدوں پر خدمات سرانجام دیں۔ اسی دوران میری ملزم نمبر 3 کرنل آزاد منہاس سے قربت بڑھی۔ ہم دونوں نے آرمی ایوی ایشن کا بنیادی کورس کیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے مذہبی ہم ذہن ہونے کی وجہ سے قریب آئے۔ علاوہ ازیں ہم دونوں ایک ہی علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ میں کرنل آزاد منہاس کی فضائیہ میں بہترین پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی وجہ سے بہت عزت کرتا تھا۔ 1979ء میں ہم دونوں نے فلائنگ انسٹرکٹر کورس PAF رسالپور میں اکٹھے کیا۔ اس کے بعد ہم دونوں آرمی ایوی ایشن سکول راولپنڈی میں تعینات ہو گئے۔ ہم نے 1979ء سے 1982ء تک سکول میں خدمات سرانجام دیں۔ اس عرصہ کے دوران ہماری دوستی گہری ہوتی گئی۔

ہم کبھی کبھار الیاسی مسجد میں جو کہ شیر دل کالونی راولپنڈی کے قریب ہے جاتے رہتے تھے۔ اسی ویسٹریج کالونی راولپنڈی میں ہم دونوں 1980ء سے 1982ء تک ایک دوسرے کے ہمسائے بھی رہے ہیں۔ اس عرصہ کے دوران ہم نے ایک مسجد کی تعمیر کی اور اس طرح ہم ایک دوسرے کے مزید قریب آئے۔ میں 1982ء سے 1990ء تک چند دن تبلیغی جماعت کے ساتھ لگاتار ہا ہوں۔ میں 3 روز سے لے کر 40 روز تک تبلیغی جماعت کے ساتھ لگا تار ہا ہوں۔

1991ء میں کرنل آزاد منہاس نے مجھے اپنے مرشد صوفی محمد اقبال صاحب کی زیارت

کے لیے لاہور بلایا۔ کرنل آزاد منہاس نے اپنے مرشد سے مجھے جس انداز سے متعارف کروایا' میں صوفی محمد اقبال کا مرید بن گیا۔ اس وقت سے میرا کرنل آزاد منہاس سے خصوصی تعلق قائم ہو گیا۔ 1992ء کے اوائل میں کرنل آزاد منہاس اس جستجو میں تھے کہ میں ایک ماہ Leave / P لوں اور 1992ء کا رمضان المبارک صوفی صاحب کے ساتھ مدینہ منورہ اور مکتہ المکرّمہ میں گزاروں۔ ہم نے 21 افراد کے گروپ کی صورت میں سفر کیا۔ اس سفر میں کرنل آزاد منہاس ہمارے گروپ لیڈر تھے۔ ہم پہلے 20 روز تو مدینہ منورہ میں صوفی صاحب کے مہمان رہے اور آخری 10 روز مکتہ المکرّمہ میں گزارے۔ ہم سب ایک ہی کمرے میں رہتے تھے اور فرش پر سب اکٹھے سوتے تھے۔

1993ء میں صوفی اقبال پاکستان آئے۔ رمضان المبارک کے دوران انہوں نے ٹیکسلا میں قیام کیا۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی پنڈی سے اکثر وہاں آتے تھے۔ وہ نماز تراویح مسجد میں ادا کرتے تھے اور آدھی رات تک روزانہ وہاں رُکے رہتے تھے۔ میری جنرل ظہیر الاسلام عباسی کے ساتھ جان پہچان مدینہ منورہ میں 1992ء میں ہونے والی میٹنگ کے دوران ہوئی۔ میرا تعارف ان سے کرنل آزاد منہاس نے مسجد نبوی میں کروایا تھا۔ لیفٹیننٹ جنرل نصیر اختر بھی اس وقت مسجد نبوی میں موجود تھے۔ یہ دونوں جنرل بھی صوفی محمد اقبال سے متعارف کرائے گئے۔ ٹیکسلا میں رمضان المبارک کے آخری پندرہ دنوں کے دوران مفتی مختار الدین آف کربوغہ شریف اپنے 50 ساتھیوں کے ساتھ اس پروگرام میں شریک ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے اس پروگرام میں جہاد کے موضوع پر ایک نظم سنائی جس میں کشمیری بھائیوں کی مدد کے لیے توجہ دلائی گئی تھی۔ اس ایک ماہ کے دوران مجھ میں حقیقتاً گورنمنٹ مخالف عنصر پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے صوفی محمد اقبال کے ساتھ ایک انفرادی میٹنگ میں اپنے جذبات کا اظہار کیا اور ان سے پوچھا کہ آیا میں نے ان کے پیغام کو صحیح سمجھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ آہستہ بات کریں اس کی سزا موت ہے۔ اس سلسلے میں جنرل ظہیر الاسلام عباسی اور کرنل آزاد منہاس سے رابطہ کریں۔ میں نے اس سلسلہ میں جنرل ظہیر الاسلام عباسی سے وضاحت چاہی انہوں نے بتایا کہ وہ بذات خود اس بااثر اپوزیشن میں نہیں ہیں کہ وہ حکومت کو ہٹا سکیں۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی ذکر کرتے تھے کہ صوفی صاحب کو ان سے بہت توقعات ہیں لیکن انہیں آرمی کے کام کرنے کے طریقہ کار سے واقفیت نہیں ہے۔ انہوں

نے بتایا کہ دوسرے جرنیلوں نے بھی صوفی صاحب کی اس خواہش پر توجہ نہیں دی۔اس موضوع پر میں نے کرنل آزاد منہاس سے بھی تبادلہ خیال کیا۔کرنل آزاد منہاس نے جواب دیا کہ اس وقت ہمیں اس بات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ہم صوفی صاحب کے حلقہ میں زیادہ سے زیادہ افسران کا اضافہ کریں اور اپنے ممبران کی تعداد بڑھائیں۔اسی ایک اعتکاف میں مجھے خلیفہ بنادیا گیا اور میں واپس ملتان آ گیا۔1993ء میں ہم تینوں جنرل ظہیرالاسلام عباسی، کرنل آزاد منہاس اور میں صوفی صاحب کو مدینہ منورہ روانہ کرنے کے لیے لاہور ائیرپورٹ پر موجود تھے۔ڈیپارچر لاؤنج میں میں نے صوفی محمد اقبال سے پوچھا کہ آپ نے ہمیں جو کام سونپا ہے اس کو کیسے عمل میں لایا جائے گا۔ان کی طرف سے الوداعی پیغام یہ تھا کہ جنرل ظہیرالاسلام عباسی اور کرنل منہاس سے رابطہ رکھیں۔

1994ء میں صوفی اقبال جب دوبارہ ٹیکسلا آئے ملزم نمبر 3 کرنل آزاد منہاس مجھے یہ کہتے رہے کہ میں کربوغہ شریف میں کچھ دن مفتی مختار الدین صاحب کے ساتھ گزاروں اور دیکھوں کہ وہ جہاد کے لیے کیسے آدمی تیار کرتے ہیں۔میں نے چار، پانچ روز کربوغہ شریف اور دو ایک روز خانقاہ اقبالیہ ٹیکسلا میں گزارے۔میں اور زیادہ چھٹی حاصل نہ کرسکا اور ملتان واپس آ گیا۔

میں جب ملتان تھا۔رمضان المبارک 1994ء کے آخری 10 روز کے دوران مجھے یہ پیغام ملا کہ مجھ سے خلافت واپس لے لی گئی ہے لیکن میں بدستور ان کا مرید رہا۔حقیقت میں خلافت کی اضافی ذمہ داریوں کا بوجھ اترنے سے میں اپنے آپ کو ہلکا محسوس کررہا تھا۔

1992ء سے 1995ء تک میں تقریباً ہر تین ماہ بعد راولپنڈی جایا کرتا تھا اور جنرل ظہیرالاسلام عباسی سے جب بھی وہ اپنے اسٹیشن پر موجود ہوتے لازمی ملا کرتا تھا۔جنرل ظہیرالاسلام حکومت کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرتے اور آرمی کی ہائی کمان کو تبدیل کرنے کا اظہار بھی کرتے۔وہ اس وجہ سے ہمیشہ چوکنا رہتے تھے کہ ان کے گھر اور آفس میں انٹیلی جنس نے جاسوسی کے حساس آلات نصب کیے ہوں گے۔اس لیے ہماری اکثر میٹنگ یا تو کھلی جگہ پر ہوتی یا ان کے گھر سے مسجد کے راستے میں۔اس وقت جنرل ظہیرالاسلام عباسی کے ذہن

میں حکومت کو ہٹانے کے لیے کوئی خصوصی منصوبہ نہیں تھا۔ 1995ء میں میری تعیناتی آرمی ایوی ایشن ڈائریکٹوریٹ GHQ راولپنڈی ہوگئی۔ ملتان سے میں نے بذریعہ روڈ سفر کیا۔ 10 جولائی کو میں کھاریاں چیک پوسٹ ملزم نمبر 3 کرنل آزاد منہاس سے ملنے رُک گیا۔ اس وقت وہ منگلا میں تعینات تھے۔ کرنل آزاد نے اس دن مجھے بتایا تھا کہ ان کو ایک نماز جنازہ کے لیے جانا ہے۔ اس لیے مجھے منگلا آفس ان کا انتظار کرنا چاہیے۔ ان سے میری ملاقات ان کے دفتر میں ہوئی۔ ان کے آفس سے ہم مسجد کی طرف گئے۔ ہم نے وہاں نماز عصر ادا کی۔ جب مسجد میں کوئی فرد نہ رہا تو ہم نے اس مشن پر بات چیت کی جو ہمارے پیر صاحب نے ہمیں سونپا تھا۔ میں نے کرنل آزاد منہاس سے پوچھا کہ گورنمنٹ کو کیسے ہٹایا جائے گا جبکہ جنرل ظہیر الاسلام عباسی کسی ایسی اہم فوجی پوزیشن پر کمانڈ بھی نہیں کر رہے۔ کرنل آزاد منہاس نے مجھے چند اہم باتیں میری رہنمائی کے لیے بتائیں۔

1۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میں جنرل ظہیر الاسلام عباسی سے قریبی رابطہ رکھوں اور جنرل عباسی سے گورنمنٹ کو ہٹانے کے لیے مزید معلومات لیتا رہوں۔

2۔ انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ صوفی اقبال صاحب کے حلقہ عقیدت مندوں سے باہر کسی اور شخصیت کو اس میں شامل نہیں کرنا چاہیے۔

3۔ لیفٹیننٹ جنرل نصیر اختر صاحب کو پس پردہ رکھا جائے گا کیونکہ ان کا آرمی چیف آف سٹاف بننے کا امکان ہے۔

میں نے کرنل منہاس سے پوچھا کہ انتقال اقتدار کیسے ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا کہ کامیابی کے بعد صوفی محمد اقبال فوراً پاکستان آجائیں گے۔ اس کے بعد ان کی ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ مجھے اس فوجی ایکشن کی تاریخ کا علم نہیں تھا۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ مستقبل قریب میں ایسا کیا جائے گا۔ میں 12 جولائی 1995ء کو راولپنڈی پہنچا اور میں نے آرمی ایوی ایشن آفیسرز میس میں قیام کیا۔ میں نے 25 جولائی 1995ء کو اپنے بچوں کو ملتان سے راولپنڈی منتقل کر دیا۔ اس عرصہ کے دوران میں نے ملزم نمبر 1 میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی سے رابطہ قائم کیا۔ وہ میرے راولپنڈی آنے پر بہت خوش تھے۔ میں نے ان کو منگلا میں کرنل آزاد منہاس سے ہونے

والی میٹنگ کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے اس تجویز کو رد کر دیا کہ صوفی صاحب کے حلقہ عقیدت کے علاوہ اس مشن کے لیے کسی اور افسر کو منصوبہ میں شامل نہ کیا جائے۔ وہ اس لیے کہ اس سے ہمارا انتخاب کم اور محدود ہو جائے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ہم کرنل آزاد کی ہر بات سنیں کیونکہ جنرل ظہیر الاسلام عباسی کا صوفی محمد اقبال سے براہ راست رابطہ تھا۔

جولائی کے تیسرے ہفتے سے لے کر اگست کے وسط تک میں نے ملزم نمبر 1 میجر جنرل ظہیر الاسلام کے ساتھ تقریباً تین چار ملاقاتیں ان کی رہائش گاہ پر کی تھیں۔ ان ملاقاتوں کے دوران انہوں نے ثابت کیا کہ ملک میں اصل طاقت مسلح افواج کی ہے اور یہ ہمیشہ فوج کے ساتھ رہے گی۔ اگر اس مرکزی قوت کو حکومت تبدیل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے ہم ذہن ایسے افسران کا گروپ بنانا چاہتے ہیں جو اس عظیم مقصد کے لیے اپنی جانوں کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اس گروپ میں کون کون سی شخصیات آپ کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ملزم نمبر 3 کرنل آزاد منہاس، کرنل شمس، ملزم نمبر 4 کرنل عنایت اللہ خان اور ایک بریگیڈیئر ان کے اندرونی لوگوں میں سے ہیں۔ انہوں نے وسط اگست تک اس بریگیڈیئر کا نام ظاہر نہیں کیا تھا۔ لیکن انہوں نے یہ ضرور کہہ دیا تھا کہ وہ بریگیڈیئر اس منصوبہ کے خالق ہیں اور انہیں حکومت کا تختہ الٹنے کے منصوبے کے لیے مالی وسائل کی ضرورت ہے۔

میں جنرل ظہیر الاسلام عباسی کے ساتھ متفق تھا کہ اگر ایک دفعہ فوج کے چوٹی کے جرنیلوں کو ہٹا دیا جائے تو ہم حالات پر اپنی گرفت مضبوط کر لیں گے۔

جنرل ظہیر الاسلام عباسی فکر مند رہتے تھے کہ وہ کیسے اس عظیم مقصد کو آگے بڑھائیں۔ ایک ایسی ہی ملاقات میں انہوں نے بتایا کہ میں آپ کو بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے متعارف کراؤں گا۔

میں اپنی پرائیویٹ گاڑی میں جنرل ظہیر الاسلام عباسی کے ساتھ صدر راولپنڈی میں قاری سعید الرحمٰن کی مسجد میں آیا۔ مغرب کی نماز کے بعد جب مسجد خالی ہوگئی میں اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ ملزم نمبر 2 بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے ملا۔ ملزم نمبر 2 بریگیڈیئر مستنصر باللہ قرآن پاک

اور رحل اٹھائے آئے اور مسجد کے مرکزی دروازے کے قریب مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے کہا کہ کسی کو شک بھی نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی تاثر ملنا چاہیے کہ ہم کوئی میٹنگ کر رہے ہیں۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے کہا کہ ہمیں کرنل عنایت اللہ خان کے گھر چلے جانا چاہیے۔ ہم سب فوری طور پر کرنل عنایت اللہ خان کے گھر روانہ ہو گئے۔

یہ گھر سی ایم ایچ (CMH) راولپنڈی کی طرف واقع تھا۔ ہم نے اپنی کار کو سہ منزلہ بلڈنگ کے قریب پارک کیا۔ جہاں کرنل عنایت رہائش پذیر تھے۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی اور میں انتظار کے لیے مسجد میں رُک گئے۔ جبکہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ کرنل عنایت کو گھر سے لے آئے۔ کرنل عنایت ہمیں اپنی رہنمائی میں اپنے مکان تک لے آئے۔ میری گاڑی کرنل عنایت کے گھر کی بغلی طرف سے 50 گز دور کھڑی تھی۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے اصرار کیا کہ میں گاڑی کو اس انداز سے پارک کروں کہ یہ دوسروں کو نظر نہ آئے۔

کرنل عنایت کے گھر یہ ہماری پہلی اور آخری میٹنگ تھی جس میں جنرل ظہیر الاسلام عباسی، بریگیڈیئر مستنصر باللہ، کرنل عنایت اللہ اور میں شریک ہوئے تھے۔

ملاقات جنرل ظہیر الاسلام عباسی کے افتتاحی کلمات سے شروع ہوئی کہ موجودہ حکومت ملک کو جس طریقہ سے برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ ضروری ہو گیا ہے کہ اس حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے ملک کی قابل رحم صورت حال پر روشنی ڈالی۔ دوران گفتگو کشمیری مجاہدین کی مدد کے لیے حکومت کی موجودہ پالیسی بھی زیر بحث آئی۔ سب کا خیال یہ تھا کہ ایسی موجودہ پالیسی سے کشمیر ہم سے چھن جائے گا۔ اس لیے از حد ضروری ہو گیا ہے کہ طاقت کو استعمال کر کے مسلح افواج کی مدد سے انقلاب لایا جائے۔ اس کے لیے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ مسلح افواج کو کنٹرول کر کے فوج میں تبدیلی لائی جائے۔ کرنل عنایت اللہ جو کہ ملٹری انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ میں تعینات تھے نے کہا کہ وہ کشمیر سیکشن میں کام کر رہے ہیں۔ واقعی حالات بہت خراب ہیں۔ انہوں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ ہم وقت ضائع کر رہے ہیں ہمیں بغیر کسی دیر کے فوج کے چوٹی کے جرنیلوں کو ہر حال میں اتار دینا چاہیے۔ کرنل عنایت اللہ نے رائے دیتے ہوئے کہا کہ افسران کا ایک گروپ جس میں ہم

بھی شامل ہوں اچانک چیف آف آرمی سٹاف آفس میں داخل ہو اور اسے ہتھیار ڈالنے (Surrender) کے لیے کہے، کسی بھی کور کی طرف سے کوئی ردعمل نہیں ہوگا۔

بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے اپنا نظریہ پیش کیا اور کہا کہ اگر آپ لوگوں کے پاس کوئی منصوبہ نہیں ہے تو میرے پاس ایک منصوبہ ہے۔ میں اس پر بڑے عرصے سے کام کر رہا ہوں۔ بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے جنرل ظہیر الاسلام عباسی کی طرف دیکھا اور کہا سر یہ لوگ کور کمانڈر کانفرنس میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ کانفرنس کے عرصہ کے دوران ہر کور کمانڈر کہاں رہتا ہے۔ جب وہ راولپنڈی میں کور کمانڈر کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ہونگے۔ ہم ان کور کمانڈرز کو ان کی رہائش گاہوں پر حملہ کر کے قابو کر لیں گے۔ بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے وضاحت کی کہ اس مقصد کے لیے مجاہدین کو استعمال کریں گے اور اس کام کے لیے مکمل منصوبہ تیار کر لیا گیا ہے۔ فی الوقت سب سے بڑی رکاوٹ ہتھیاروں کی خریداری کے لیے رقم کا بندوبست نہ ہونا ہے۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے ہمیں ہدایت کی کہ وہ سب مسلسل سوچیں اور اگلی ملاقات میں تجاویز کے ساتھ آئیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اس موقع پر میں نے شرکاء سے کہا کہ ہمیں یقین قلب ہونا چاہیے کہ ہمارے مقاصد عظیم ہیں۔ ہمیں اپنے دلوں میں جھانکنا چاہیے کہ ہماری نیت صاف اور پاک ہے۔ کہیں اقتدار کی ہوس ہمارے ذہنوں میں چھپی نہ ہو۔

جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے جواب دیا کہ یہ میری دیرینہ خواہش تھی جب میں کرنل تھا کہ ایک ایسی انقلابی تحریک ہونی چاہیے جو طاقت سے پاکستان میں اسلام کو نافذ کر دے۔

ہم نے کرنل عنایت اللہ کی رہائش پر چائے پی۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے عشاء کی نماز کی امامت کی اور ہم وہاں سے چلے آئے۔ میں نے بریگیڈئیر مستنصر باللہ کو قاری سعید کی مسجد میں اتارا۔ جہاں ان کی سٹاف کار انتظار کر رہی تھی اس کے بعد جنرل عباسی کو ان کی رہائش گاہ پر اتارا۔ دو تین دن کے بعد جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے مجھے ٹیلیفون پر اطلاع دی کہ مفتی مختار الدین صاحب کربوغہ شریف والے پہنچ گئے ہیں۔ ہمیں صدیق اکبر مسجد اللہ آباد کالونی ویسٹریج راولپنڈی لازمی اکٹھے ہونا ہے۔ ہم جنرل ظہیر الاسلام عباسی، بریگیڈئیر مستنصر باللہ،

کرنل عنایت اللہ اور میں شام کے وقت مسجد میں اکٹھے ہوئے۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے مجھے بتایا کہ اس ملاقات کا مقصد بریگیڈ ئیر مستنصر باللہ کو مفتی مختار الدین صاحب سے متعارف کروانا ہے جو بریگیڈ ئیر مستنصر باللہ کو دیکھنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ کرنل عنایت اللہ مسجد کے صحن میں کھڑے رہے اور ہم نے مفتی مختار الدین صاحب کے ساتھ مسجد کے ایک کمرہ میں ملاقات کی۔ یہ میرے علم میں آیا کہ مفتی مختار الدین صاحب حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے اس انقلابی تحریک سے واقفیت رکھتے ہیں۔ مفتی مختار الدین صاحب نے نصیحت کی کہ یہ ایک حساس اور عظیم مقصد ہے۔ ہمیں اپنے حلقہ میں اضافہ کرنے میں بہت احتیاط برتنی چاہیے۔ مفتی مختار الدین صاحب نے آپریشن کے طریقہ کار کے بارے میں ہم سے کچھ نہیں پوچھا۔ انہوں نے پیشکش کی کہ وہ سامان اور آدمیوں کی صورت میں مدد کر سکتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ راولپنڈی میں اپنا قیام بڑھا سکتے ہیں۔ ہم نے ان سے کسی قسم کی کوئی مدد طلب نہیں کی۔ ہم نے ان سے کہا کہ وہ مشن کی کامیابی کا انتظار کریں۔

اگلے روز فجر کے وقت مجھے مفتی مختار الدین صاحب کی طرف سے ٹیلیفون کال آئی کہ میں ان کو مسجد صدیق اکبر میں آ کر ملوں۔ جب میں مسجد صدیق اکبر پہنچا مفتی مختار الدین صاحب نے مجھے کہا کہ بغیر کسی تاخیر کے جنرل ظہیر الاسلام عباسی سے ایک تقریر حاصل کریں اور مجھے دکھائیں۔ میں سیدھا کار پر جنرل عباسی کے گھر آیا۔ یہ ملاقات کا عجیب انداز تھا۔ بیٹ مین نے جنرل ظہیر الاسلام عباسی کو اطلاع کی وہ باہر آئے۔ میں نے ان سے تقریر کے بارے میں پوچھا جو مفتی مختار الدین کے حوالے کرنا تھی۔ جنرل عباسی نشان زدہ کاغذات لفافے میں بند لائے۔ میں ان کاغذات کو مفتی مختار الدین صاحب کے پاس لے گیا۔ میں نے مفتی مختار الدین کے ساتھ اس تقریر کو پڑھا۔ اس وقت ہم مسجد کی اوپر والی منزل پر بیٹھے تھے۔ مجھے اس تقریر کے اہم حصے ابھی تک یاد ہیں۔ اس تقریر کے آخر میں کچھ انگلش میں نوٹس لکھے گئے تھے جو ظاہر کرتے تھے کہ جنرل ظہیر الاسلام عباسی کے نوٹس دیئے گئے ہیں۔ جو انہوں نے اس تقریر کے حوالے سے لکھے تھے۔ مفتی مختار الدین اس تقریر کی ایک فوٹو کاپی لینا چاہتے تھے میں نے مفتی صاحب کو بتایا کہ جنرل صاحب نے مجھے آپ کو اس کی کاپی دینے کو نہیں کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان کا

خاص اعتماد والا آدمی فوٹو کاپی لینے کے لیے آپ کے ساتھ صدر تک جائے گا۔ اس کے بعد آپ اصل کاغذات جنرل عباسی کو واپس کر دیں۔ مفتی صاحب نے وضاحت کی کہ وہ فوٹو کاپی میں اس لیے دلچسپی رکھتے ہیں کہ وہ جنرل عباسی کو حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد ان کا وعدہ یاد دلائیں گے۔ مفتی صاحب نے کہا کہ جنرل ظہیر الاسلام عباسی کو یہ بھی بتا دوں کہ مفتی صاحب نے اس تقریر کی ایک فوٹو کاپی لے لی ہے۔ میں نے صدر کی ایک دوکان سے جو کہ سینما ہال کے پاس تھی۔ فوٹو کاپی کروائی اور وہ فوٹو کاپی مفتی مختار الدین صاحب کے آدمی کے حوالے کر دی۔ میں نے اسی روز واپس جا کر اصل کاغذات جنرل ظہیر الاسلام عباسی کو واپس کر دیئے۔ زیادہ امکان ہے کہ یہ کاغذات میں نے جنرل عباسی کو ان کے آفس میں دیئے۔ مجھے اس سینما کا نام یاد نہیں ہے۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں ہے کہ جنرل عباسی نے جو تقریر مجھے دی تھی وہ اصل تھی یا فوٹو کاپی۔

اگست 1995ء کے آخری ہفتہ کے دوران جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے مجھے بتایا کہ وہ ایران کے سرکاری دورے پر جا رہے ہیں اور پھر عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ بھی جائیں گے اور وہاں مشن کے سلسلہ میں صوفی محمد اقبال سے بھی ملاقات کریں گے اور ان سے ہدایات حاصل کریں گے۔ جنرل عباسی اگست 1995ء کے آخر میں ایران کے دورہ پر چلے گئے۔ اس دوران بریگیڈیئر مستنصر باللہ کچھ معاملات کو مربوط کرنے کے لیے لاہور چلے گئے۔

ستمبر 1995ء کے پہلے ہفتے بریگیڈیئر مستنصر باللہ اور میں نے ان کے دفتر میں تین پلاننگ سیشن کیے۔ یہ ملاقاتیں ہر روز تقریباً دو تین گھنٹے جاری رہتیں۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ اس دوران نوٹس بناتے اور کہتے کہ ہمیں حکومت کا تختہ الٹنے کی آؤٹ لائن بنا لینا چاہیے۔ جیسے ہی جنرل عباسی ایران کے دورہ سے واپس آئیں ان کو پیش کریں۔

ہماری منصوبہ بندی کا پہلا نقطہ جو زیر بحث آیا وہ یہ تھا کہ کور کمانڈرز کو قابو میں کرنے کے لیے کس قسم کے لوگ استعمال کیے جائیں۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے تجویز دی کہ ریگولر آرمی ٹروپس کی بجائے ہمیں مجاہدین کو اس مقصد کے لیے استعمال کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نے ان کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اگلا نقطہ جو زیر بحث آیا وہ یہ کہ اس آپریشن کے لیے کتنے آدمیوں کی

ضرورت پڑے گی۔ میں نے توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ ہمیں ہدف کو متعین کرنا چاہیے اور پھر اس کی ضرورت کے مطابق افرادی قوت کا تعین کرنا چاہیے۔

بریگیڈیئر مستنصر باللہ کا منصوبہ یہ تھا کہ جب کور کمانڈرز راولپنڈی میں اگلی کور کمانڈرز کانفرنس میں شرکت کے لیے رہائش گاہوں پر ٹھہرے ہوئے ہوں تو اس رہائش گاہوں پر حملہ کیا جائے۔ میں نے جائزہ لیا کہ یہ لازمی طور پر رات کو کیے جانے والا آپریشن ہے اس کے لیے زیادہ افراد کی ضرورت پڑے گی اور پھر مختلف جگہوں پر کیے جانے والے آپریشن کے درمیان رابطے میں مشکلات بھی ہوں گی اور ان رہائش گاہوں پر موجود خاندانوں کی موجودگی بھی بڑی خطرناک صورت حال پیدا کر دے گی۔ میں نے تجویز کیا کہ جب تمام کور کمانڈرز جی ایچ کیو میں جاری کانفرنس میں مصروف ہوں تو ان کو قابو کر لیا جائے۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ میری تجویز سے متفق ہو گئے کہ ایسا کرنے سے ہماری کامیابی یقینی ہے۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ جنرل ہیڈ کوارٹرز کے اندر تمام سیکورٹی کے طریقہ کار سے خوب واقف تھے۔ اس لئے اس منصوبہ کی کامیابی یقینی تھی۔

ہماری گفتگو کا اگلا مرحلہ ہتھیاروں کے بندوبست کیے جانے کا تھا۔ ہم جانتے تھے کہ کور کمانڈرز کانفرنس پر حملہ کرنے اور مسلح افواج کے بڑوں کو قابو کرنے کے لیے 50 آدمیوں اور ہتھیاروں کی زیادہ ضرورت نہ پڑے گی۔ میں نے بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے پوچھا کہ صدر پاکستان اور وزیراعظم کو کب اور کیسے قابو کیا جائے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ COAS، کور کمانڈرز اور PSOs کی گرفتاری کے بعد ایک تازہ پوسٹنگ حکم جاری کر کے کور کمانڈرز کی ایک بالکل نئی قیادت ڈیوٹی سنبھال لے گی۔ ہم فوری طور پر پنڈی بریگیڈ کا نیا کمانڈر تعینات کریں گے اور اسلام آباد کی کارروائی مکمل کر لیں گے۔

میں نے ان سے اسلام آباد کے قریبی ملٹری فارمیشن کی طرف سے ممکنہ مزاحمت کے بارے میں دریافت کیا۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے جواب دیا یہ کام اتنا اچانک ہوگا کہ کہیں سے بھی کوئی حرکت نہ کر سکے گا۔ راولپنڈی اسلام آباد روڈ بلاک کر دی جائے گی تا کہ مزاحمت کو روکا جائے۔ انہوں نے کہا کہ آپریشن کے دوران بھاری جانی نقصان ہو سکتا ہے۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے کہا ہمیں کوشش کرنا ہے کہ کوئی جانی نقصان نہ ہو۔ کیونکہ کور کمانڈرز کارروائی کے بعد ہم

نے مختلف فیلڈ فارمیشن کا دورہ کرنا ہے۔ مختلف افسران سے ملنا ہے۔ اس لیے ہمارے ہاتھوں پر کوئی خون نہ ہو۔ بہرحال ان افسران کو بچانے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

منصوبے میں یہ شامل تھا کہ ایک تھری سٹار سٹاف کار' ایک مائیکروبس جس میں 20 مجاہدین ہوں گے۔ 30 ستمبر 1995ء کو ہونے والی کور کمانڈرز کانفرنس پر حملہ آور ہوں گے۔ وہاں گیٹ پر کسی بھی قسم کی مزاحمت کا امکان نہ تھا جس کی وجہ سے ہمیں اپنا ہدف حاصل کرنے کے لیے کوئی خاص وقت نہیں لگے گا۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی اور ہمارے گروپ کے دوسرے افسران اس آپریشن کو کنٹرول کریں گے۔ مسلح افواج کی موجودہ قیادت تبدیل کر دی جائے گی۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی جنرل ہیڈکوارٹر سے بحیثیت امیر المومنین قوم سے خطاب کریں گے۔ پریس کانفرنس کا بھی بندوبست کیا جائے گا۔ ایک دفعہ آرمی کو کنٹرول کرنے کے بعد پنڈی بریگیڈ کو سول حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ تمام شاہرائیں بند کر دی جائیں گی۔ ابتدائی سطح پر تمام بیرونی پروازیں بھی بند کر دی جائیں گی۔ تمام دنیا سے ملک کا رابطہ منقطع کر دیا جائے گا۔ پنڈی بریگیڈ کے موجودہ یونٹ میں فوراً ہمدرد فوجی جوانوں کو تعینات کر دیا جائے گا۔ ایسا PAF کی فلائٹ سے بذریعہ ائیر لفٹنگ کیا جائے گا۔

ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ہتھیار آسانی کے ساتھ مہیا نہیں ہو رہے۔ تاہم ہم نے ایک منصوبہ تیار کر لیا جس پر جنرل ظہیر الاسلام عباسی کے آنے اور ہتھیاروں کی دستیابی کے بعد عمل ہونا تھا۔

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ اپنے آفس میں ہماری ملاقات کے دوران نوٹس بناتے جا رہے تھے۔ ہماری اگلی ملاقات جنرل ظہیر الاسلام عباسی' بریگیڈیئر مستنصر باللہ اور میرے درمیان 7 ستمبر 1995ء کو ہوئی۔

بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے جنرل عباسی کو بتایا کہ ان کی غیر موجودگی میں ہم نے منصوبہ کی تمام جزئیات کو طے کر لیا ہے اور آپ کی نظر ثانی کے لیے حاضر ہے۔ یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا ہم اسلام آباد ائیر پورٹ مسجد کے بڑے ہال میں ائیر پورٹ کی جانب والے حصہ میں بیٹھ گئے۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی منصوبہ کی جزئیات سن کر بہت خوش ہوئے۔ خاص طور پر منصوبہ کا یہ

عنصر انہیں بہت پسند آیا کہ یہ کارروائی اچانک، یکدم اور تیزی کے ساتھ کی جانی تھی۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے ہتھیاروں کا انتظام ہو جانے کے سلسلے میں جو انہوں نے بہت سستی قیمت پر حاصل کر لیے تھے بہت خوش تھے۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ ایک کاغذ پڑھ رہے تھے جس پر ہتھیاروں کی تفصیل درج تھی جو 25×AK47، ایک راکٹ لانچر اور کچھ ہینڈ گرینڈ کی فہرست تھی مجھے ہتھیاروں کی مکمل فہرست یاد نہیں ہے مگر ہتھیاروں میں اہم آئیٹم یہی تھی۔

بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے کہا کہ ہتھیار کوہاٹ میں موجود ہوں گے۔ ہم اگلے روز یعنی جمعہ 8 ستمبر صبح سات بجے جا کر لے آئیں گے۔ میں نے ملزم نمبر 2 کی ہتھیاروں کو اس طریقہ کار سے لانے کی مخالفت کی اور آپریشن فیل ہونے کا خدشہ ظاہر کیا۔ جنرل عباسی نے اس موقع پر مشورہ دیا کہ اس سطح پر تم دونوں اپنی زندگیوں کو خطرے میں مت ڈالو۔ کیونکہ آپ لوگ بہت اہم ہیں۔ ملزم نمبر 2 نے اصرار کیا کہ ہمارے پاس ہتھیاروں کو لانے کے لیے اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ہماری مجبوری ہے ہم نے درہ نہیں جانا کوہاٹ سے پنڈی لانے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم فوجی یونیفارم میں دو کاروں پر جائیں گے۔ ایک میری سٹاف کار ہوگی اور دوسری میری پرائیویٹ کار ہوگی۔ میں نے ملزم نمبر 2 سے پوچھا کہ ہماری کاروں کے ساتھ کوئی وقوعہ ہو جائے اور ہم گرفتار ہو جائیں، ملزم نمبر 2 نے دلیل دی کہ کوئی بھی سٹاف کار کو نہیں روکے گا اور اس طرح ننانوے فیصد کامیابی کے امکانات ہیں۔ ہمیں ایسے ناقابل ذکر Risk قبول کرنا چاہیں۔ ان خطرات کو مول لینا ہی درحقیقت جہاد ہوتا ہے۔ اس خاص صورت حال میں جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے بریگیڈیئر مستنصر باللہ کی دلیل سے اتفاق کیا اور مجھے کہا کہ آپ اگلے روز بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے ساتھ ہتھیار لینے ضرور جائیں۔ میں نے اسے اپنے لیڈر کا حکم سمجھ کر قبول کر لیا۔

ہم نے اسی وقت اگلے روز ملنے کی جگہ اور وقت طے کر لیا کہ 8 ستمبر 1995ء جمعہ کے روز بوقت صبح 3:55 پر بریگیڈیئر مستنصر باللہ اور میں ہال روڈ راولپنڈی TCS کے دفتر کے قریب اکٹھے ہوں گے۔ ہم نے اپنی گھڑیوں کے وقت کو باہم ملایا۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے مجھے میری ذاتی کار میں پٹرول ڈالنے کے لیے ایک ہزار روپے دیئے۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے اپنے دورہ ایران سعودی عرب کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔ انہوں نے ذکر کیا کہ ان کا یہ دورہ

ایران بہت کامیاب رہا ہے۔ انہوں نے اس کا بھی ذکر کیا کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں صوفی اقبال صاحب کو حکومت کا تختہ الٹنے کی کارروائی سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔

میں 8 ستمبر 1995ء بوقت صبح 3:55 پر TCS کے سامنے بریگیڈیئر مستنصر باللہ کا انتظار کرنے لگا۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ بروقت اپنی کار پر آ گئے اور میں نے اپنی گاڑی ان کی سٹاف کار کے پیچھے لگا دی۔ ہم پنڈی بریگیڈ کے سامنے تقریباً 4 بجے صبح پہنچ گئے۔ جہاں بریگیڈیئر مستنصر باللہ کا ایک سابقہ ڈرائیور مقصودان کے انتظار میں کھڑا تھا۔ دونوں ڈرائیوروں کو انہوں نے سٹاف کار میں بیٹھنے کا کہہ دیا اور کہا کہ کوہاٹ تک ہمارے پیچھے آئیں۔

بریگیڈیئر مستنصر باللہ میرے ساتھ میری ذاتی گاڑی میں آ گئے تا کہ ڈرائیور ہماری باتیں نہ سنیں۔

ہم نے راستہ میں فجر کی نماز ادا کی اور ملک میں شریعت کے نفاذ کے لیے گفتگو کرتے رہے۔ نظام صلوٰۃ، زکوٰۃ، نشریاتی نظام اور پردہ وغیرہ بھی ہماری گفتگو کا موضوع تھے۔ ہم صبح 6:30 بجے گرین ہوٹل کوہاٹ پہنچ گئے۔ ہم نے اپنی کاروں کو گرین ہوٹل کوہاٹ کے سامنے پارک کر دیا۔

ہم ہوٹل میں داخل ہوئے ڈرائیوروں کو کار کے ساتھ رہنے دیا۔ ہم اپنی ٹوپیاں (Caps)، بیلٹ اپنی پرائیویٹ کار MNO-615 ڈاٹسن چیری لال رنگ میں چھوڑ آئے۔ ایک آدمی ہال میں کاؤنٹر پر بیٹھا تھا۔ ہم نے اسے ناشتہ لانے کو کہا۔

مجاہد لیڈر قاری سیف اللہ جو کہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے دوست تھے ان تمام انتظامات کے ذمہ دار تھے اور انہوں نے 7 بجے ہتھیار ہمارے حوالے کرنا تھے۔ قاری سیف اللہ 6:50 پر آ گئے۔ جب ہم چائے پی رہے تھے۔ ہم نے ایک دوسرے کی خیریت معلوم کی۔ یہ میری قاری سیف اللہ اختر کے ساتھ پہلی ملاقات تھی۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا تعلق اسلام کی وجہ سے ہے۔ ہم نے ایک دوسرے کی دین سے لگاؤ کو سراہا۔ میں نے قاری سیف اللہ اختر کو بتایا کہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ اس کام کے لیے آپ اور آپ کے آدمیوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ قاری سیف اللہ اختر نے میرا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ حکومت پر قبضہ کے بعد آپ لوگ شریعت کو مکمل طور پر نافذ کر دیں۔ اس کے بعد ہم سیڑھیاں چڑھ کر کمرہ نمبر 8 میں آ گئے۔ جہاں ہم ہتھیاروں کے پہنچنے

کا انتظار کرنے لگے۔ جبکہ ہمارے ڈرائیور کمرہ نمبر 9 میں ناشتہ کر رہے تھے۔ جس کمرہ میں ہم انتظار کر رہے تھے یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ ہم نے وہاں نوافل ادا کیے ہم ہتھیار حاصل کرنے کے لیے بے چین تھے۔ تقریباً 8:15 پر قاری سیف اللہ اختر آئے اور کہا ہتھیار پہنچ گئے ہیں اور مجھے اپنی کار کی چابی دیں تا کہ میں ہتھیار ان میں رکھوا دوں۔ میں نے قاری صاحب کو اپنی کار کی چابی دی۔ اور وہ کمرے سے چلے گئے۔ ہم نے 45 منٹ مزید انتظار کیا۔ ہم نے سیڑھیوں سے اوپر چڑھنے کی آواز سنی جیسا کہ کوئی دوڑ کر سیڑھیاں چڑھ رہا ہے اور ہمارے کمرے کی طرف آ رہا ہے۔ یہ نائیک الیاس تھا جو کہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ کی سٹاف کار کا ڈرائیور تھا۔ اس نے حواس باختہ انداز میں کہا ''سر پولیس کا ریڈ ہو گیا ہے اور وہ کرنل صاحب کی گاڑی مقصود ڈرائیور اور مولوی صاحب کو لے گئے ہیں۔'' ہم یہ سن کر سکتے میں آ گئے...... درحقیقت ہمیں اچانک اس چھاپہ مار کارروائی کی بالکل توقع نہ تھی۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے پریشانی میں کہا ''مارے گئے' اس میں تو ہماری یونیفارم آئیٹمز ہیں اور ہمارا وردی والا ڈرائیور۔''

ہم نے جلدی میں خود کو سنبھالا سیڑھیوں سے نیچے آئے۔ ہوٹل کے باہر کچھ لوگ اکٹھے تھے۔ ہم سٹاف کار میں بیٹھ گئے اور ڈرائیور کو کہا کہ شہر سے باہر نکل جائے۔ جیسے ہی ہم ایک سڑک پر آئے تو میں نے دیکھا کہ میری کار بہت تیزی سے پشاور کی جانب جا رہی ہے۔ ایک ہائی لیکس اس کے پیچھے جا رہی تھی۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے ڈرائیور سے کہا چلو اس کو پکڑیں اور اپنے آدمی چھڑائیں۔ میں نے اختلاف کیا اور کہا کہ ہمیں راولپنڈی جانا چاہیے اور معاملے کو مزید الجھانا نہیں چاہیے۔ راولپنڈی واپس آتے ہوئے راستے میں بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے مجھے پیشکش کی کہ میں اس معاملے سے بالکل نکل جاؤں اور انہوں نے کہا کہ میں ساری ذمہ داری قبول کر لوں گا اور حکام کو بتا دوں گا کہ میں نے تم سے کار عاریتاً لی تھی۔ میں نے ان کی پیشکش قبول نہ کی انہوں نے کہا ''ہم نے پوری کوشش کی ہے۔ اس قوم کی قسمت میں شاید ابھی اسلامی حکومت کا نفاذ نہیں ہے' اللہ کو یہی منظور تھا۔''

''ہم نے مزید اس معاملے پر بات چیت کی ہم فوجی حکام کو کیا رپورٹ کریں گے۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے کہا کہ جنرل ظہیر الاسلام عباسی کے دیئے گئے Cover Plan کو

استعمال کریں گے۔ وہ یہ تھا کہ اگر کارروائی سے پہلے کسی وجہ سے ہمارا مشن کسی سطح پر مشکل کا شکار ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ ہم کشمیری مجاہدین کی مدد کر رہے ہیں۔ ہم نے یہ کہانی یوں بیان کرنا ہے کہ ہم نے یہ اسلحہ کوٹلی میں مجاہدین کے حوالے کرنا تھا۔ ہم نے سوچا کہ اسلحہ سپلائی کے لیے کوٹلی یا مظفر آباد میں سے کس کا نام لینا چاہیے۔ تاہم پھر مشترکہ طور پر طے کیا کہ فطری طور پر کوٹلی کا نام زیادہ مناسب رہے گا۔ ہم نے یہ بیان کرنا تھا کہ یہ ہتھیار ہم نے 8 ستمبر 1995ء کو کوہاٹ سے 9-8 کی رات کو کوٹلی پہنچانا تھے اور 9 ستمبر کی صبح کو واپس راولپنڈی آنا تھا تاکہ دفتر بروقت پہنچ جائیں۔

ہم ملزم نمبر 2 کے گھر تقریباً 12:00 بجے دن پہنچ گئے تھے، یہ میرا بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے گھر پہلا اتفاق تھا۔ مجھے ملزم نمبر 2 نے کہا کہ جنرل ظہیر الاسلام عباسی کو فون کریں اور تمام صورت حال بتائیں۔ میں نے جنرل عباسی کو فون کیا اور ان کو ناکامی کے بارے میں بتایا۔ ٹیلی فون پر ہی ائیر پورٹ مسجد میں جمعہ کی نماز پر ہماری ملاقات ہونا طے پا گیا۔ میں نے اور بریگیڈیئر مستنصر باللہ، جنرل عباسی نے جمعہ کی نماز ادا کی اور 8 ستمبر 1995ء کو ہونے والے واقعہ سے متعلق تفصیل بتائی۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے پوچھا کہ کیا کار میں ایمونیشن اور اسلحہ لوڈ ہو گیا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ اس کے بارے میں ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے ہمیں رہنمائی دیتے ہوئے کہا کہ ان چیزوں کے بارے میں پریشان نہ ہوں۔ آئی ایس آئی کے افسروں سے رابطہ کریں اور انہیں کہیں کہ گاڑی اور ڈرائیور مقصود کو برآمد کریں۔

جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے یہ بھی مشورہ دیا کہ اس موقع پر اس کہانی میں ان کا ذکر نہیں آنا چاہیے۔ ہم اس صلاح مشورہ کے بعد اپنے گھروں کو چلے گئے کہ جنرل عباسی ہم سے دوبارہ شام کو ملیں گے اور ہم ان کو گاڑی اور ڈرائیور کی برآمدگی کے لیے کی جانے والی کوششوں سے آگاہ کریں گے۔ میں بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے گھر رات دس بجے تک ٹھہرا رہا۔ میں نے بریگیڈیئر مستنصر باللہ کے ساتھ دوپہر اور رات کا کھانا کھایا۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے مختلف جنرل آفیسرز کو، آئی ایس آئی کے افسران SSP کوہاٹ کو کار اور ڈرائیور برآمد کرنے کے لیے فون کیے کیونکہ ابھی تک ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ ہتھیار اور ہمارے آدمی کس ایجنسی نے پکڑے ہیں۔ میں

نے بریگیڈئیر مستنصر باللہ کو ایک شخص سعید خان کو مختلف نوعیت کے کچھ کاغذات دیتے ہوئے دیکھا اور وہ اس شخص کو کہہ رہے تھے کہ ان کاغذات کو ضائع کر دیں۔

ملزم نمبر 2 اپنے بریف کیس کو صاف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں ایسا اس لیے کر رہا ہوں کہ ہمارا کم سے کم نقصان ہو' Damage Control بریگیڈئیر مستنصر باللہ نے ٹیلی فون پر ایک کرائے پر لیے گئے گھر کا معاہدہ ختم کر دیا۔ ملزم نمبر 2 نے مجھے کہا کہ میں ان کے گھر کے قریب ایک مسجد سے جنرل ظہیر الاسلام عباسی کو لے آؤں۔

بریگیڈئیر مستنصر باللہ کے گھر اور ائیر پورٹ کے درمیان تین مساجد تھیں اور یہ ایک مسجد ان کے گھر کے قریب ذرا ہٹ کر فاصلے پر تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اس مسجد کو تلاش کیا جس میں جنرل ظہیر الاسلام عباسی عشاء کی نماز کے بعد نمازیوں کو دین کے بارے میں تلقین کر رہے تھے۔

جنرل عباسی نے کہا کہ 30 ستمبر ابھی بہت دور ہے۔ ہمیں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے کور کمانڈر کانفرنس سے پہلے ہی کسی دوسرے منصوبہ کی منصوبہ بندی کر لینی چاہیے۔ میں نے انہیں بتایا کہ اگر ہم' بریگیڈئیر مستنصر باللہ اور میں' کور کمانڈر کو گالف گراؤنڈ میں بے بس کر دیتے ہیں تب آپ کے خیال میں کیسا رہے گا۔

جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے میری کمر تھپتھپاتے ہوئے کہا کہ تم ایک بہادر لڑکے ہو۔

ہم بریگیڈئیر مستنصر باللہ کی کار میں ان کے گھر چلے آئے۔ بریگیڈئیر مستنصر باللہ اور میں نے جنرل عباسی کو کار اور ڈرائیور کو برآمد کیے جانے سے متعلق کی جانے والی کوششوں سے آگاہ کیا۔

جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے ہمیں ہدایت کی کہ بریگیڈئیر مستنصر باللہ اور مجھے اس مسئلے کو اپنے سینئرز کو فوری طور پر یعنی 9 ستمبر 1995ء کو بتا دینا چاہیے۔ بریگیڈئیر مستنصر باللہ کے ڈرائیور نائیک الیاس نے مجھے میرے گھر تقریباً 10:30 رات کو چھوڑا۔ میں نے دوسرے دن 9 ستمبر 1995ء کو اپنے ڈائریکٹر کو اس مسئلہ سے متعلق رپورٹ کی۔ جس میں کشمیری مجاہدین کی مدد کی جانے والی کہانی کا رنگ شامل تھا۔

07.04.1996 جرح بذریعہ ایم کے صمدانی۔ کونسل ملزم نمبر 1 میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی۔

یہ ستمبر 1995ء کا پہلا ہفتہ تھا جب بریگیڈیئر مستنصر باللہ کو کور کمانڈرز کانفرنس کی تاریخ کا علم ہوا کہ کانفرنس 30 ستمبر 1995ء کو ہونی ہے۔ انہوں نے اسی وقت مجھے اس سے آگاہ کر دیا۔

غالباً ستمبر کے پہلے ہفتے میں آخری تین ملاقاتوں کے دوران بریگیڈیئر مستنصر باللہ کو کور کمانڈرز کانفرنس کی تاریخ کا علم ہوا۔ یہ غالباً 3 اور 5 ستمبر 1995ء کا درمیان تھا۔

میں ہمیشہ پاکستان کا وفادار رہا ہوں۔ لیکن مجھے یہ احساس دلایا گیا تھا کہ آئین پاکستان کے ساتھ وفادار رہ کر اسلامی انقلاب نہیں لایا جا سکتا۔ مجھے یہ احساس تھا کہ اسلام ہر طرف سے خطرے میں ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان آئین پاکستان کا وفادار رہ کر اسلامی انقلاب لا سکے۔

مجھے یہ معلوم تھا کہ آئینی طریقے سے اسلام کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔

یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اگر میں کامیاب ہو جاتا تو اس کا معنی یہ تھا کہ موجودہ آئین پاکستان ختم ہو جاتا۔ میرا یہ عمل قانون کی نظر میں غداری بنتا ہے۔

یہ کہنا درست ہے کہ باوجود اس کے میں عدالت میں اپنی فل یونیفارم میں بیٹھا ہوں۔

08.04.1995 جرح بذریعہ ملک محمد رمضان کونسل ملزم نمبر 4 کرنل عنایت اللہ خان۔

مجھے معافی دے کر سلطانی گواہ بنایا گیا ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے خلاف بغاوت کا کیس بنتا ہے۔ اب چونکہ میں نے سب کچھ صحیح بتا دیا ہے اس لیے مجھے کیس سے باہر نکالا جا رہا ہے۔ اس شرط پر کہ میں آئندہ بھی سچ بات کروں گا۔ کرنل لیاقت علی راجہ سلطانی گواہ سے پوچھے جانے پر کہ آیا ایجوڈنٹ جنرل نے آپ کو معاف کیے جانے پر کوئی تحریری وجوہات دی تھیں۔ سلطانی گواہ نے جواباً کہا ''جی ہاں۔''

یہ درست ہے کہ میں نے سمری آف ایوی ڈینس میں حکومت کا تختہ الٹنے کے الفاظ استعمال نہیں کیے لیکن اگر آپ میرے بیان کو پڑھیں تو کور کمانڈرز کانفرنس پر حملہ کرنا، پنڈی بریگیڈ کو حکومت تبدیل کرنے کے لیے استعمال کرنا، انہیں ہار پہنانے کے لیے نہیں تھا بلکہ حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے تھا۔

Statement of Witness No. 7 Jawad Sultan

بیان گواہ نمبر 7 "جواد سلطان"

24.04.1996

جواد سلطان ولد چوہدری سلطان احمد عمر 28 سال مذہب اسلام، سنی، قوم ارائیں، سکنہ مکان نمبر 7 بلاک ایس نیو ملتان، ملتان شہر، پولیس اسٹیشن نیو ملتان تحصیل و ضلع ملتان، سینئر انٹیلی جنس انوسٹی گیشن (کسٹمز ایکسائز اینڈ سیل ٹیکسز) آفیسر بنوں یونٹ نے حلف اُٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔

میں بنوں یونٹ میں بطور انٹیلی جنس آفیسر 28 نومبر 1992ء سے تعینات ہوں۔ میں کورٹ میں موجود کسی بھی ملزم آفیسر کو نہیں پہچانتا۔ تین یا پانچ ستمبر 1995ء کو میجر اعجاز آرمی انٹیلی جنس یونٹ بنوں نے مجھے اطلاع کی کہ کچھ اسلحہ بارود آٹھ ستمبر 1995ء کو کوہاٹ سے اسمگل کیے جائیں گے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ ہتھیار غیر ملکی ساخت کے ہونگے، یہ اطلاع ملنے کے بعد میں پشاور اپنے اسٹنٹ ڈائریکٹر انٹیلی جنس سے ملا۔ کیونکہ مجھے اس اسلحہ کو پکڑنے کے منصوبہ کی اجازت درکار تھی اور انہیں یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ کچھ ہتھیار اسمگل ہو رہے ہیں۔ میں 7 ستمبر 1995ء ان کے دفتر میں ان کی اجازت لینے کے بعد واپس کوہاٹ آ گیا۔

8 ستمبر 1995ء کو میں صبح چار اور ساڑھے چار بجے کے درمیان دو Mobile Parties سے گاؤں 'چکر کوٹ' کی ناکہ بندی۔ یہ گاؤں اس سڑک پر ہے جو درہ سے کوہاٹ کو آتی ہے۔ مجھے یہ بھی اطلاع کی گئی تھی کہ اس گاؤں میں وحید نامی شخص کے گھر سے 8 ستمبر صبح ساڑھے سات بجے ہتھیار لئے جائیں گے۔ میں نے گاؤں کے دونوں طرف سڑک پر ایک ایک موبائیل پارٹی لگا دی۔ ایک موبائیل پارٹی کے پاس وائرلیس سیٹ تھا دوسرا وائرلیس سیٹ مجھے صبح سات بجے میجر اعجاز نے لا کر دیا اور سیٹ دے کر وہ روانہ ہو گیا۔ تقریباً آٹھ بجے سے کچھ پہلے مجھے میجر اعجاز نے وائرلیس سیٹ پر بتایا کہ مطلوبہ گاڑی ہماری طرف آ رہی ہے۔

8 ستمبر 1995ء صبح آٹھ اور سوا آٹھ کے درمیان مطلوبہ گاڑی MNO-615 سرخ چیری نے ہماری چیک پوسٹ نمبر 2 کو کراس کیا جو کوہاٹ کی طرف تھی۔ تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر پیچھا

کرنے کے بعد ہم نے مطلوبہ کار (MNO-615) کو گرین ہوٹل کوہاٹ کے سامنے جالیا۔ جب ہم نے کار کو پکڑا اس سے دو شخص ہم نے گرفتار کئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ایک جو وردی میں تھا ملزم نمبر 2 بریگیڈئیر مستنصر باللہ کا ڈرائیور سپاہی مقصود تھا اور دوسرا شخص قاری سیف اللہ اختر۔

ہم نے ان دونوں کو اپنی ڈبل کیبن میں ڈالا اور سرخ چیری اپنے ڈرائیور کو دی۔ اس کار کو موبائیل گاڑی سے آگے رکھتے ہوئے پشاور روانہ ہو گئے۔ کیونکہ دوسری موبائیل پارٹی ابھی تک نہیں آئی تھی، کچھ فاصلہ پر ہم اس کے انتظار کے لئے رک گئے۔ اس وقت میں نے ڈگی کھولی تو اس میں رائفلیں، راکٹ لانچر اور گرینڈ دیکھے۔ دوسری موبائیل کے آنے کے بعد ہم پشاور کے لئے روانہ ہو گئے۔ پشاور پہنچ کر میں نے اسٹنٹ ڈائریکٹر مسٹر جہانزیب محمود کو تمام تفصیل سے آگاہ کیا اور ہتھیار دکھائے۔ وہاں چار پانچ فوجی انٹیلی جنس آفیسر پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے ہتھیاروں کا معائنہ کیا میں نے فہرست بنائی اور دونوں آدمی اور ہتھیار ان کے حوالے کر دیئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم نے آرمی کی اطلاع پر ہی یہ ہتھیار پکڑے تھے۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ ہتھیار کس کے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ سترہ کلاشنکوفوں پر خالستان زندہ باد جتھے دار تلونڈر سنگھ
(KHALISTAN ZINDABAD, JATHEDAR TALWINDAR SINGH)
لکھا ہوا تھا۔ دوسری نو کلاشنکوفوں پر کوئی ایسی لکھائی نہیں تھی۔

اس کے علاوہ پانچ راکٹ اور ایک راکٹ لانچر اس کے علاوہ پچاس ہینڈ گرینڈ بھی تھے۔ تمام کلاشنکوفوں پر میگزین نہیں لگے ہوئے تھے۔ مجھے 8 ستمبر سے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ ہتھیار لینے والے لوگ کہاں سے آ رہے ہیں۔ مجھے صرف یہ بتایا گیا کہ ایک گاڑی گاؤں چکر کوٹ سے جو کہ ہنگو روڑ پر ہے 8 ستمبر کو وہاں سے ہتھیار لے جائے گی۔

ایکس بریگیڈئیر مستنصر باللہ کا مؤقف

استغاثہ کے سب سے پہلے گواہ میرے بارہ سال پرانے دوست مفتی سعید خان صاحب ہیں۔ ان کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ انہوں نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا ہر مشکل میں میرے کام آئے۔ مجبوری تھی کہ اب انہیں میرے خلاف گواہی دینی پڑی۔ البتہ اگر یہ چاہتے تو

جرح (Cross Examination) میں ہاتھ ذرا ہلکا رکھ سکتے تھے۔

مجھے بچانا تو بہت مشکل تھا میں تو پھنسا ہی تھا مگر انہوں نے کمال عقل مندی سے ہمارے پانچ، چھ قریبی ساتھیوں کو بچالیا۔ لوگوں کو اس بات کی سمجھ نہیں آئی۔ لیکن میں مفتی سعید خان صاحب کی اس کامیابی پر بہت خوش ہوں۔

3 ستمبر 1995ء کو قاری سیف اللہ اختر نے مجھے ٹیلی فون کیا کہ اس نے ہتھیار خرید لئے ہیں اور وہ 8 ستمبر صبح ساڑھے سات بجے ہم نے کوہاٹ کے قریب ایک گاؤں سے اُٹھانے ہیں۔ حیرانی اس بات کی ہے کہ اسی دن کسٹمز کے انسپکٹر جواد سلطان کو بھی یہ خبر پہنچ گئی اور اسے بھی معلوم ہو گیا کہ گاؤں چکر کوٹ کے ایک وحید نامی شخص سے یہ ہتھیار اٹھائے جائیں گے۔ وجہ یہ ہوئی کہ قاری سیف اللہ اختر صاحب نے درہ آدم خیل کے ایک دکاندار حاجی فضل سے یہ ہتھیار خریدے اور ایک شخص سعد رسول کو دیئے کہ وہ چکر کوٹ میں وحید کے گھر پہنچادے۔ قدرت کو ایسے ہی منظور تھا کہ یہی شخص سعد رسول آرمی انٹیلی جنس کا مخبر تھا۔ اس لئے 8 ستمبر کو ہمارے آدمیوں کے پہنچنے سے پہلے ایکسائز اور کسٹم والوں نے ناکے لگا دیئے۔

منصوبے کی کامیابی کیوں یقینی تھی

ہتھیار تو 8 ستمبر کو پکڑے گئے لیکن 17 ستمبر 1995ء تک کسی کو ہتھیاروں کے استعمال کی اصل وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ تقریباً 18 ستمبر 1995ء کو ایک امریکی ایجنسی نے ISI کو خبر دی کہ یہ ہتھیاروں والا معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے یہ کشمیر کے لئے نہیں تھے بلکہ ان کا استعمال کہیں اور ہونا تھا یعنی کوئی بغاوت ہے اس پر آرمی والوں نے کرنل لیاقت راجہ اور مجھے 18 ستمبر کو دوبارہ حراست میں لے لیا اور سیف ہاؤس (Safe House) میں قید تنہائی میں رکھا۔

25-26 ستمبر کی رات کو کرنل لیاقت علی راجہ قید تنہائی کی وجہ سے ہمت ہار گئے اور ذہنی طور پر ٹوٹ گئے۔ انہوں نے آرمی ایجنسی کو آپریشن خلافت کا مکمل منصوبہ بتا دیا اور تمام افراد کے نام بتا دیئے اس کے بعد آرمی والوں نے تقریباً 100 آفیسرز کو پکڑ کر تفتیش کی۔ یہاں تک کہ میجر جنرل علی قلی خان (DGMI)، لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک کمانڈر پنڈی کور کو بھی گرفتار کرنے کے

لئے گئے مگر جیسے ہی انہیں علم ہوا کہ میجر جنرل علی قلی خان انہیں حراست میں لینے کے لئے آرہے ہیں وہ محترمہ بےنظیر بھٹو کے پاس چلے گئے اور خود کو اس معاملے سے پوری طرح الگ کر لیا۔ اس وجہ سے لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک کو گرفتار نہ کیا جاسکا مگر کرنل کیانی جو کہ پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک کے کرنل سٹاف رہ چکے تھے اور کرنل عنایت اللہ کے دوستوں میں سے تھے کو بھی زیرِ تفتیش لایا گیا اور ہمیں ایس آئی بی (SIB) کی کوٹھریوں میں منتقل کر دیا گیا۔ 29-28 ستمبر کی رات کو تفتیشی آفیسر بریگیڈیئر خورشید کے سامنے مجھے لے جایا گیا اور انہوں نے کہا ''بریگیڈیئر مستنصر باللہ آپریشن خلافت ختم ہو چکا ہے'' "Operation Khilafat is Over" اس کے بعد مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں کرسی سے گرنے ہی لگا تھا لیکن خود کو سنبھال لیا۔ مجھے یقیناً اس کا دکھ نہیں تھا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا میرا دکھ یہ تھا کہ مسلمان ایک بار پھر خلافت سے محروم ہو گئے ہیں۔ اگر خلافت قائم ہو جاتی تو خلافت عثمانیہ کے بعد خلافت کا ٹوٹا ہوا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جاتا۔ مسلمان خلافت کے بغیر کبھی طاقت نہیں پکڑ سکتے۔ اسی لئے حضور کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

''مسلمانوں پر ایک دن بھی ایسا نہ ہو کہ وہ خلیفہ کے بغیر ہوں۔''

یہاں یہ بھی عرض کرونگا کہ تمام تفتیشی افسران کا نظریہ تھا کہ اگر یہ آپریشن شروع ہو جاتا تو یقیناً کامیاب ہوتا یعنی کامیابی کے نوے فیصد امکانات تھے یہی وجہ تھی کہ آج تک پاکستان کی تمام ناکام بغاوتوں میں مجھے سب سے زیادہ سزا دی گئی۔ وہ بھی بامرِ مجبوری ورنہ جنرل عبدالوحید کاکڑ اور بےنظیر بھٹو صاحبہ ہمیں شوٹ (Shoot) کرنا چاہتے تھے دراصل تکنیکی (technically) طور پر کامیابی کا دارومدار چیف آف آرمی سٹاف (COAS) جنرل عبدالوحید کاکڑ اور صرف دو کور کمانڈرز کو ہٹا کر جنرل ظہیرالاسلام عباسی کو چیف آف آرمی سٹاف (COAS) بنانا اور دو نئے کور کمانڈرز مقرر کرنے میں تھا۔ جہاں کور کمانڈز کانفرنس ہوتی تھی میں کئی سالوں سے جی ایچ کیو (GHQ) کی اسی عمارت میں ڈیوٹی (Duty) دے رہا تھا بلکہ کور کمانڈرز کی آپریشنل پلاننگ (Operational Planning) کی کانفرنسوں میں مددگار (Assistant) کے طور پر میری باقاعدہ موجودگی ہوتی تھی۔ کرنل عنایت اللہ کا دفتر اس ہال سے بیس گز کے فاصلہ پر تھا جنرل ظہیر الاسلام عباسی اور کرنل لیاقت علی راجہ وہاں موجود ہوتے تھے ہم سب اس جگہ کے ایک ایک چپہ

سے واقف تھے۔ ہم تمام گارڈز (Guards) کو روزانہ دیکھتے تھے۔ جی ایچ کیو (GHQ) گیٹ سے کانفرنس روم کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ ایک سو پچاس گز تھا۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں تیس حملہ آوروں سے لدی ہوئی گاڑی جو فلیگ سٹاف کار کے پیچھے ہوتی تھی صرف تیس سیکنڈ میں ٹارگٹ پر پہنچ جاتی گارڈز کے کل 10 سے 12 آدمیوں کو ایسے اچانک حملہ سے ایک منٹ میں گرفتار کیا جاسکتا تھا۔ فائرنگ سے اس لئے گریز کہ اندر والے الرٹ (Alert) نہ ہو جائیں اور پھر ہمارے 15 آدمی باہر اور 15 مسلحہ آدمی اندر لوگوں کے سروں پر موجود ہوتے۔ جنرل ظہیر الاسلام عباسی پی ایم اے کورس کے حساب سے کچھ کور کمانڈرز سے سینئر تھے۔ انہیں وہیں پر چیف آف آرمی سٹاف (COAS) کے رینک لگائے جاتے اور آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں چیف آف آرمی سٹاف (COAS) کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ وہ جو کرنا چاہے کر لیتا ہے جس آسانی سے سول (Civil) حکومتوں کو برطرف کیا جاتا رہا ہے آپ خوب واقف ہیں اس لئے 1995ء میں بھی حکومت کو بآسانی برطرف کر دیا جاتا اس لئے کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ خون خرابہ ہوتا تھا، بدنظمی ہوتی تھی، حالات خراب ہو جاتے محض پراپیگنڈا (Propaganda) اور آپریشن خلافت سے ناواقفیت تھی۔

ہم فوری دو کور کمانڈرز کو تبدیل کرتے اور نئے چیف آف آرمی سٹاف (COAS) کو گرفت مضبوط ہونے تک ہم تمام کور کمانڈرز اور پرسنل سٹاف آفیسرز (PSOs) کو اپنی حفاظت میں رکھتے اس کسی بھی کام میں ذرہ برابر بھی مشکل نہ تھی۔

اپنے ناواقف لوگوں کی معلومات کے لئے عرض کر دوں کہ اُس وقت فوج کے گارڈز جی ایچ کیو کے گیٹ پر کسی سٹاف کار کو نہیں روکتے تھے صرف دور سے گاڑی پر لگے سٹار پلیٹ اور جھنڈے کو دیکھ کر ایک منٹ پہلے ہی گیٹ کھول دیتے تھے اس لئے یہاں کسی قسم کا کوئی بھی خطرہ نہیں تھا۔

فوج کے کنٹرول کے سلسلے میں ایک اہم بات عرض کروں گا اس کو ہماری خوش قسمتی سمجھئے کہ پنڈی کے اس وقت کے کور کمانڈر ایک ایسے شخص تھے جو جنرل عباسی اور میرے بہت قریبی دوست تھے اور مکمل طور پر اسلامی ذہن رکھنے والے لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک تھے۔ ہماری کامیابی کے لئے ان سے بہتر آدمی نہ کوئی ہو سکتا تھا نہ ہمیں ضرورت تھی۔ ایسے دینی آفسر کہ کونسا پاکستان کا کینٹ ہوگا جہاں انہوں نے نوکری کی ہو اور مسجد تعمیر نہ کروائی ہو ان کے علاوہ دو تین ایسے کور کمانڈر بھی تھے جن کا صوفی اقبال صاحب کے ساتھ باقاعدہ ملنا جلنا تھا۔

تمام آرمی والے یہ بھی جانتے تھے کہ چیف آف آرمی سٹاف (COAS) کے پرسنل سٹاف آفیسر (PS(C بریگیڈیئر کلیدی حیثیت رکھتے ہیں اور چیف آف آرمی سٹاف (COAS) کے تمام احکامات انہی کے ذریعے دیئے جاتے ہیں فوج کا ایک ایک جنرل ان کی سنتا ہے اور چیف آف آرمی سٹاف (COAS) سے دریافت نہیں کرتا۔ اس وقت چیف کے پرسنل سٹاف آفیسر بریگیڈیئر جاوید افضل تھے جو میرے نہایت قریب ترین دوستوں میں سے تھے۔ نہایت شریف اور پاک' ان کا تعاون سو فیصد یقینی تھا اور صرف 4 گھنٹوں میں ہمارا کنٹرول مکمل ہو جاتا۔

پرانی یاد آ گئی 1974ء میں جب کوئٹہ میں کیپٹن (Captain) تھا تو ان (جاوید افضل) کی شادی ہوئی تو وہ بھی کیپٹن (Captain) تھے مگر گھروں کی ویٹنگ لسٹ (Waiting List) میں ان کا نام بالکل نیچے تھا اور انہیں گھر نہیں مل سکتا تھا تو ہم نے آدھا گھر ان میاں بیوی کے حوالے کر دیا اور کئی مہینے ہم ایک ہی گھر میں رہے وہ میرے بھائیوں کی طرح تھے۔

بے نظیر بھٹو کے آنسو

معلوم نہیں کیوں اور کیسے اس وقت کی وزیر اعظم محترمہ بے نظیر صاحبہ کو یہ بتایا گیا کہ ہم لوگ ان کو اور ان کے بچوں سب کو ختم کرنا چاہتے تھے حالانکہ ہم تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ بچوں اور عورتوں پر ہتھیار استعمال کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں۔ دوسری بات کورٹ مارشل میں کسی گواہ نے بھی یہاں تک کہ مفتی سعید خان اور سلطانی گواہ کرنل لیاقت علی راجہ نے بھی ایسی کسی بات کا ذکر نہیں کیا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ بیان کرنے سے ہرگز گریز نہ کرتے اور سرکاری طور پر مزید انعامات کے مستحق قرار پاتے۔ اس کے برعکس جو باتیں کرنل لیاقت علی راجہ کو بتانی چاہیے تھیں' وہ انہوں نے نہیں بتائیں۔ میرا یہ نظریہ تھا کہ جب نظام خلافت آئے تو اس طریقے سے آئے اور ایسے آئے کہ اس وقت کسی بھی مسلمان کی آنکھوں میں آنسو نہ ہوں۔ خوشیاں ہی خوشیاں ہر طرف رقصاں ہوں۔ مگر افسوس بے نظیر صاحبہ ہر انٹرویو میں اپنے بچوں کا ذکر کرتی رہیں اور ٹی وی پر آنسو بہاتی رہیں۔ یہ بات میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعت اسلامی اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو بھی یہ بتایا گیا کہ ہم انہیں بھی خدانخواستہ مارنا چاہتے تھے۔

اگلی بات کہ تمام گواہ اٹک قلعہ کے قریب میس (Mess) میں ایک عارضی جیل بنا کر قید

میں رکھے گئے جب استغاثہ کا کوئی گواہ بیان دے چکتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا۔ ان کے انچارج ایس آئی بی (SIB) کے ایک لیفٹیننٹ کرنل نظیر 'قادیانی' تھے۔ انہوں نے استغاثہ کے گواہوں کو خوب ڈرا دھمکا کر رکھا اور قادیانی ہونے کا حق ادا کیا۔

آپریشن خلافت اور عدلیہ

ایک اور دلچسپ بات یاد آ گئی۔ جنوری 1996ء میں ہمارے ساتھ جو زیادتیاں ہوئی تھیں ان کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی، میرے وکیل جناب جسٹس ریٹائرڈ قربان صادق اکرام صاحب نے منع بھی کیا کہ ہم ایسا نہ کریں لیکن کیونکہ باقی تینوں افسران اور ان کے وکلاء حضرات بضد تھے اس لیے ہم نے سپریم کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ انہوں نے جو فیصلہ دیا وہ تو ہمارے حق میں کیا ہی ہونا تھا مگر خفیہ ایجنسیوں کے کچھ افسروں سے معلوم ہوا کہ سپریم کورٹ کے دو ججوں نے اپنا فیصلہ اس وقت کے وزیر دفاع جناب آفتاب شعبان میرانی کی قیام گاہ پر بیٹھ کر لکھا۔

اٹک میں اسیری کا ایک سال جس کا دورانیہ 25 اکتوبر 1995ء تا 30 اکتوبر 1996ء گزارا اگرچہ اس اسیری کے دوران اوپر سے احکامات سخت ترین تھے تاہم پہرہ پر تعینات گارڈز، جوانوں اور جونیئر افسران کا رویہ ہم سے انتہائی مشفقانہ رہا اور وہ ہم سے بڑی عزت و احترام سے سلوک کرتے رہے حتیٰ کہ ہم اسیروں سے قدم قدم پر معذرت بھی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو حق کے قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر جزا خیر عطا فرمائے۔

(آمین)

مولانا عبدالقادر ڈیروی اور آپریشن خلافت

میرے ایک بزرگ دوست جناب محمد عبدالقادر ڈیروی صاحب پر میرے خلاف گواہی دینے پر کچھ لوگوں نے تنقید کی جس کا مجھے بہت دکھ ہوا۔ ڈیروی صاحب اور میرے مرحوم چچا زاد بھائی مفتی رشید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ اس انقلاب کے روح رواں تھے۔ انہوں نے میری ہمت افزائی

کی اور انہیں وہ تمام کچھ معلوم تھا جو مفتی سعید خان نے بیان کیا مگر ڈیروی صاحب نے اپنا بالکل مختصر سا بیان اس خوبصورتی سے دیا کہ استغاثہ کو ذرا برابر بھی امداد نہ ملی۔ مولانا ڈیروی صاحب جید عالم دین تھے تمام فوجی افسروں کو آپریشن خلافت کے تمام حقائق کا علم تو ہو ہی چکا تھا اس لیے اگر ڈیروی صاحب جھوٹ بولتے تو تمام افسروں کی نظر میں علماء دین کی رہی سہی عزت بھی جاتی رہتی۔ اس لیے میں نے خود ان سے کہا کہ وہ بیان سے ہرگز گریز نہ کریں اور پھر انہوں نے اس عقلمندی سے بیان دیا کہ اس سے مجھے ذرہ برابر بھی نقصان نہ ہوا۔

آپریشن خلافت کیوں ناگزیر تھا

1995ء میں ہم سب کو سو فیصد یقین تھا کہ آپریشن خلافت ناگزیر ہے اور ملک کو بچانے کا یہی واحد راستہ ہے۔ آج 6 سال ہونے کو ہیں اور میرا یہ خیال ہے کہ پاکستان کی بقاء صرف اور صرف نظام خلافت میں ہے بلکہ عالم اسلام کی بقاء اسی میں ہے کہ ایک خلیفہ کے تحت نظام اسلام رائج ہو۔ اگر ہم کامیاب ہو جاتے تو طالبان کو چند سالوں میں ایک فوجی قوت بنا دیتے اور امریکہ پاکستان کو دھمکی دینے کی جرأت نہ کرتا۔

جس طرح روسی طاقت افغانستان میں ختم ہوئی اسی طرح امریکی طاقت بھی عراق اور افغانستان میں ختم ہو جائے گی اور غالب امکان ہے کہ 2010ء تک دنیا یونی پولر (Unipolar) نہیں بلکہ ٹرائی پولر (Tripolar) ہو جائے گی چین اور روس مقابلہ کی قوتیں بن جائیں گی یہودی لابی (Lobby) نے اسلام کا ایک فرضی جن کھڑا کیا، اسلام سے نفرت کی آگ بھڑکائی اور امریکیوں سے غلط فیصلے کروائے۔ امریکی خفیہ ایجنسیاں اب اس سر توڑ کوششوں میں ہیں کہ:

1۔ مسلمان ممالک کے درمیان اور ممالک کے اندر شیعہ سنی نفرتوں کو ابھارا جائے اور اسلامی دنیا کو دو دشمن حصوں میں بانٹ دیا جائے دونوں دھڑوں کی خفیہ امداد کی جائے اور پوری اسلامی دنیا کو مکمل طور پر یعنی فوجی، سیاسی، معاشی اور کلچرل کنٹرول (Control) میں رکھا جائے اور مسلمان ممالک اور ان کے تمام وسائل کو چین کے خلاف جنگ میں استعمال کیا جائے۔

2۔ دوسرا یہ کہ روس اور اسلامی ممالک کو ایک دوسرے کے قریب نہ آنے دیا جائے چاہے

اس کے لئے یورپ میں کچھ اسلامی ریاستیں ہی کیوں نہ قائم کرنی پڑیں۔

3۔ چین میں اسلامی جہادیوں کے نام سے ایسی کارروائیاں کی جائیں کہ چین، پاکستان، ایران اور افغانستان میں سے کسی بھی اسلامی ملک کو امداد نہ کرے بلکہ امریکہ ان تینوں ممالک کو چین کے خلاف استعمال کرے۔

اب ان چار ممالک، عراق، ایران، افغانستان اور پاکستان کی یہی کوشش ہونی چاہیئے کہ 2010ء تک امریکہ کو فوجی (Millitarily) لحاظ سے یہاں الجھا رکھیں یعنی نہ ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ وہ جنگ کو (Escalate) بڑھا دے اور نہ معاملہ ایسے ہو کہ امریکہ فوجیں نکال لے۔ انشاءاللہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ لیکن اس حکمت عملی (Strategy) پر صرف وہ حکومتیں عمل پیرا ہو سکتی ہیں جنہیں اسلام سے لگن اور حضور اکرم ﷺ کی امت کا درد ہو۔ امریکیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے والوں کو بخوبی علم ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے ہی بچوں، آنے والی نسلوں کی قبریں تیار کر رہے ہیں۔ خلافت ہم مسلمانوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"خلافت مسلمانوں کی ڈھال ہے۔"

اس وقت خلافت ہوتی تو مسلمان متحد اور طاقت ور ہوتے۔

میری اسیری کے دن ختم ہونے کو ہیں۔ انشاءاللہ اکتوبر 2003ء کا سورج میرے لیئے آزادی کا پیغام لے کر طلوع ہوگا۔ اپنی اسیری کے دنوں میں الحمدللہ میں نے قرآن عظیم کا ترجمہ انگریزی زبان میں شروع کیا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے اب تک تین پارے مکمل کر چکا ہوں۔ ربّ ذوالجلال کے حضور سجدہ ریز ہوں کہ وہ میری اس محنت کو قبول ومقبول فرمائیں اور یہ کارِ خیر میری نجات کا باعث ہو۔ میری خواہش ہے کہ اگلے آٹھ سے دس سال اگر اللہ تعالیٰ نے مہلت دی اور مدد فرمائی تو اس قرآن پاک کے ترجمے کو مکمل کر لوں کہ ربّ کریم اس خطا کار کو اتنی مہلت دے دے کہ وہ اس کام کو بہ احسن وخوبی انجام دے سکے۔ مجھے اُمید ہے کہ احباب اس سلسلے میں مجھ سے تعاون فرمائیں گے۔

اسلامی خلافت کیسے وجود میں آئی

اصل میں یہاں بات ختم کرنا چاہ رہا تھا مگر یکا یک خیال آ گیا کہ کچھ اور باتیں بھی عرض کر دوں۔ ہمیں معلوم ہے کہ محمد ﷺ کی جماعت کا طرز یہ نہیں تھا کہ پہلے سارا عربی معاشرہ اسلام قبول کر لے یا اس کی اکثریت کی اصلاح ہو جائے تو پھر جا کر نظام اجتماعی' نظام خلافت کا قیام کیا جائے۔ نہ یہ نقطہ نظر تھا کہ بس دعوت دیتے رہو' خیالات و اعتقادات کی اصلاح کرتے رہو' بالآخر ایک صالح نظام خود بخود برپا ہو جائے گا یا بطور انعام اللہ تعالیٰ خود میدان میں اتر آئیں گے اور حق کو غلبہ دے دیں گے۔ وہاں تاریخ کی یہ حقیقت سامنے تھی کہ عوام کی بھاری اکثریت حالت جمود میں پڑی رہتی ہے اور معاشرے کا ایک قلیل عنصر فعال ہوتا ہے جس میں سے ایک حصہ اصلاح یا انقلاب کی دعوت کا علمبردار بنتا ہے اور ایک حصہ مزاحمت کرتا ہے اصل بازی اسی فعال عنصر کی دونوں صفوں کے درمیان ہوتی ہے اور اس کا جب فیصلہ ہو جاتا ہے تو عوام خود بخود حرکت میں آتے ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ عوام کے راستے میں جب تک ایک فاسد قیادت حائل رہتی ہے اور ان کی زندگیوں کو بگاڑنے کی مہم جاری رکھتی ہے وہ نہ کسی دعوت کو بڑے پیمانے پر قبول کر سکتے ہیں نہ اپنی عملی زندگی میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی قیادت میں تقریباً پانچ سو مرد' عورتوں اور بچوں نے ہجرت کی' ان کے پاس نہ تو رہنے کے لئے کوئی ٹھکانا تھا نہ پیٹ پالنے کے لئے کوئی کام اور نہ سرے سے کسی قسم کا کوئی مال جس پر ان کی معیشت کا ڈھانچہ کھڑا ہو سکے۔ ان اجڑے پچھڑے بے گھر لوگوں کے ساتھ ڈیڑھ دو سو انصار ملا کر حضور ﷺ نے یہودیوں، قبائلیوں سے معاہدے کئے اور اسلامی خلافت کا قیام کیا۔

خلافت اور منافقین

حضور ﷺ کی خلافت میں مسلمانوں اور کفار کے علاوہ ایک طبقہ منافقین کا تھا جس کا قرآن مفصل ذکر کرتا ہے اور یہ تینوں قسم کے لوگ آج بھی ہیں کفار اور منافقین کے مقاصد اور کام وہی ہیں جو حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کے وقت تھے البتہ طریقہ 'Strategies, modus operandi

نہایت جدید اور مہلک ہو چکے ہیں اور بظاہر بے ضرر کہ عام مسلمانوں کو ان کی چالوں کی خبر ہی اس وقت ہوتی ہے جب یہ دشمنانِ رسول اپنا کام تقریباً مکمل کر چکے ہوتے ہیں۔ منافقین کی پہلی قسم وہ ہے جنہوں نے مسجد قباء کے قریب مسجد ضرار تعمیر کی تھی۔ ان منافقین کا مقصد خلافت رسول کے مقابلہ کے لئے ایک متوازی جماع گاہ قائم کرنا تھا۔ مسجد ضرار کھڑی کی گئی کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ مسلمانوں کی اجتماعی دینی قوت توڑنے کے لئے دین ہی کو نفاق، اختلاف اور فساد کے لئے استعمال کیا جائے۔ اسی مرکز فساد کے بانیوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہم نے یہ مسجد ایسے کمزوروں اور معذوروں کے لئے تعمیر کی ہے جو زیادہ دور نہیں جا سکتے، یعنی انسان رحمی' humanitarian grounds پر یہ مسجد ضروری تھی۔ نیز اندھیری راتوں' بارش اور طوفان اور بلا کی گرمی میں یہاں مسلمانوں کے لئے باجماعت نماز آسان ہو جائے گی۔ آپ ﷺ اس کا افتتاح فرما کر برکت اندوز کریں تا کہ مسلمان یہاں خوشی سے آئیں۔ لیکن حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے متنبہ کر دیا گیا کہ:

''اور وہ لوگ جنہوں نے (اسلامی معاشرہ کو) ضرر پہنچانے' کفر کرنے' مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور پہلے سے اللہ اور رسول کے خلاف جنگ کرنے والوں کو گھات لگانے کا اڈا فراہم کرنے کے لئے مسجد کھڑی کی ہے اور ہاں وہی جو قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ (اس کام میں) ہم نے تو فقط نیک مقاصد ملحوظ رکھے ہیں (ان کی حقیقت یہ ہے کہ) اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ قطعی طور پر جھوٹے ہیں اور اس میں آپ ﷺ ہرگز کبھی قیام نہ فرمائیں............''

(توبہ آیت:107)

دیکھیئے کہ اسلامی تحریک اور خلافت رسول کا مقابلہ کرنے کے لئے کفار اور منافقین نے بھی مسجد کا پردہ استعمال کرنے کی کوشش کی کہ کیسے دین کو نقصان پہنچانے کے لئے فتنے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ کتنی جماعت بندیاں' فرقے' کتنی مسجدیں' کتنے حلقہ ہائے درس' کتنے اشاعتی ادارے اور کتنے میڈیا کی چینلز میں اسی مسجد ضرار کی سی روح بدکام کر رہی ہے اور ان کے بانی یہی دعویٰ لے کر اٹھتے ہیں کہ ہم تو دین میں اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور نئے دور میں اسلام میں نیا اجتہاد ہونا چاہیئے۔ روشن خیال اسلام(Libral Islam) ' درمیانہ اسلام (Moderate Islam)' دکیانوسی اسلام (Conservative Islam) ' سخت گیر اسلام (Radical Islam)' ابھی

اور بہت کچھ ہوگا اگر ان کا وقتی بندوبست نہ کیا گیا۔ ان سب کا توڑ مسلمانوں کے اتحاد، مسلمانوں کی اجتماعی قوت، یعنی خلافت میں ہی ہے جو ایسی تمام کوششوں کو جڑ سے اکھیڑ دے۔

گورے صاحب کے کالے کتے

مشہور امریکی نامہ نگار Timothy V.Gatto لکھتے ہیں کہ 'پچھلے کچھ سالوں میں امریکہ نے تیسری دنیا کے ممالک میں 50 حکومتوں کا تختہ الٹا اور اپنی ضرورت اور پسند کی حکومتیں بنائی ہیں۔' ایران کے علاوہ تمام اسلامی ملکوں کی حکومتیں امریکہ کی خوشی اور خواہش پر ہی قائم ہوتی ہیں یہی وجہ تھی کہ ایک امریکی وکیل نے کہا کہ تم امریکیوں نے عامل کانسی کو پکڑوانے کے لئے (لغاریوں کو) بہت زیادہ پیسے دیئے ہیں، بلکہ اسے تو یہ بھی کہنے کی جرأت ہوگئی کہ:

"Pakis can sell their mothers for only 2000 dollars."

'پاکستانی تو اپنی ماں کو بھی صرف دو ہزار ڈالر میں بیچ سکتے ہیں۔'

وجہ یہی ہے کہ ہمارے کالے صاحب، ہمارے اکثر لیڈر، اقتدار کے پجاریوں نے اپنی ملکی معیشت، تعلیمی نظام، معاشرت، سیاست، اپنا دین اور ملکی زمین اور افواج سب امریکہ کے قدموں میں رکھ دیں۔ ہمارے مسلمان نوجوان اپنے ملک اور قوم کے لئے مختلف سیکیورٹی فورسز میں آتے ہیں۔ اندرونی پرولوٹیریٹس (Internal Proletariats) انہیں کفار کے لئے لڑنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ انسانیت کے سب سے بڑے علمبردار عراق میں ابھی تک 10 لاکھ انسانوں کا ناحق قتل کر چکے ہیں۔ 40 لاکھ مردوں، عورتوں اور بچوں نے قریبی ملکوں میں پناہ لی ہے۔ عراق کا ایک بڑا حصہ مکمل طور پر تباہ اور مسمار کر دیا گیا ہے۔ وہاں ہر جگہ ناچ گانوں کے اڈے، جوا کھیلنے کی بلڈنگز (casinos) اور بدکاریوں کے اڈے یعنی بڑے بڑے ہوٹلز بنائے جا رہے ہیں (وہی تہذیبوں کی جنگ)۔ مگر کالے صاحب جو گورے صاحبوں کے پاؤں چاٹنے میں اپنی بقاء سمجھتے ہیں انہیں خیال نہیں کہ جب تک مسلمان اسلام پر قائم ہیں کفار کبھی مسلمانوں سے راضی نہیں ہو سکتے لیکن:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

(اقبال)

تمام اسلامی ممالک کے اندر عام مسلمانوں میں اور صاحب اقتدار میں ایک مسلسل جنگ

ہے۔ عوام کا قبلہ ابھی تک خانہ کعبہ ہے، کالے صاحبوں کا قبلہ واشنگٹن ڈی سی (Washington D.C.) ہے جہاں سے انہیں مکمل امداد حاصل ہے۔ عام مسلمانوں نے ابھی تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا کہ وہ کالے صاحبوں کے ساتھ ملیں یا حضور ﷺ کا ساتھ دیں جس دن عام مسلمانوں نے حضور کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا، حضور ﷺ جیسی زندگی بسر کرنے پر تیار ہو گئے یعنی جانیں ہتھیلی پر رکھ لیں، نہ کالے صاحب، نہ گورے صاحب کسی کو زمین بھی پناہ نہیں دے گی۔

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے لڑا دے ممولے کو شہباز سے

(اقبال)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ:

''نیکیوں کی طرف لپکو اور بھلائیوں کی طرف رخ کرو تمہیں چاہئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے بڑے سے بڑے تغیر آفرین اور انقلاب انگیز حکم کی تعمیل کرنے میں کسی مخالف طاقت سے نہ ڈرو۔ صرف اسی ایک سے ڈرو'، اس کا مطالبہ ہے کہ

''انہیں ایسے ڈرنا چاہیئے جیسا کہ مجھ سے ڈرنے کا حق ہے۔''

''حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کئے جانے سے پہلے کچھ آخری اشعار کہے اس میں سے ایک کا مطلب یہ تھا، میں جب اسلام میں مالا مال ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں تو پھر مجھے اس بات کی کچھ فکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجھے کس کروٹ گرنا نصیب ہو رہا ہے۔'' (سیرت ابن ہشام)

اسلام میں دورِ حاضر کے دوسری قسم کے منافقین حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کے دنوں میں نہیں تھے یعنی اسلامی تہذیب کے اندرونی پرولوٹیریٹس (Internal Proletariats)۔ ان کالے صاحبوں کا ایک تفصیلی ذکر کتاب کی شروع میں ہو چکا ہے۔ ساری امت کے امنگوں، نظریہ اور جذبات سے بالکل بے بہرہ یہ اقلیت مغرب کی نظریاتی اور ذہنی غلام، CIA کی مدد سے تمام مسلم ممالک پر حکومت کر رہی ہے اور حضور ﷺ کی امت کی تباہی اور اسلام دشمنی میں مغرب کی آلہ کار بنی ہوئی ہے۔ اسلام دشمنی کے تمام راستے ان کے دفتروں اور محلات سے گزرتے ہیں۔ ان کو بآسانی 'گورے صاحب کے کالے کتے' کہا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے اور اسلامی تہذیب کے لئے یہ اس وقت کفار سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے ہیں۔ مسلمان عوام

کی تمام سیاست، معیشت، معاشرت، عدلیہ (Judiciary)، قانون سازی، تعلیم، Media policy سب انہی کے کنٹرول میں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف جہاد کفار کے خلاف جہاد کرنے سے ستر گناہ زیادہ افضل ہے (امام ابوحنیفہ کے فتوے کے مطابق)۔

جب تک یہ اندرونی پرولوٹیریٹس (Internal Proletariats) اسلامی ممالک پر قابض ہیں مسلمان آزاد نہیں۔

یہ مسلمانوں پر مغربی تہذیب ٹھونس کر رہیں گے کیونکہ یہ دینی طور پر اور مزاجاً اب فرسودہ اور بے بس ہو چکے ہیں اسلامی تہذیب کے یہ میر جعفر اور میر صادق اگر وہیں 'ہجرت' کر جائیں جن کے ساتھ ان کے دل اٹکے ہوئے ہیں تو امت رسول ﷺ با آسانی اپنی کھوئی ہوئی منزل پا سکتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ یہاں یہ کالے صاحب برسر اقتدار، عزت دار اور ملک کی تمام سیاسی اور معاشی قوت اور کلچر کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں (90 فیصد عوام نہ اپنے بچے ان کے سکولوں میں پڑھا سکتی ہے نہ ہسپتالوں میں علاج کروا سکتی ہے)۔ وہاں انہیں فرسٹ کلاس ملکوں میں تھرڈ کلاس شہری' بن کر رہنا ہوگا۔ ایک ایسی اقلیت جنہیں 'سبز' ہونے کے ناطے سے خطرناک گھٹیا دشمن بنا کر حقیر اور قابل نفرت پیش کیا جاتا ہے، جن کے خلاف میڈیا 24 گھنٹے ایک کبھی نہ رکنے والی (relentless) نفرت کی مہم (Hate campaign) چلائے رکھتا ہے۔ (صرف 'مسلمان' کے لفظ کو گھما کر Spin دے کر لفظ terrorist استعمال کیا جاتا ہے)۔ سیموئیل ہنگٹن دنیا کی شہرہ آفاق کتاب 'تہذیبوں کا تصادم' (Clash of the civilizations) میں لکھتا ہے۔

"The underlying problem for the west is not Islamic fundamentalism, IT IS ISLAM, a different civilization whose people are convinced of the superiority of their culture and are obsessed with the inferiority of their power"

''مغرب کے لئے سب سے بڑا مسئلہ اسلامی انتہا پسند نہیں بلکہ خود اسلام ہے، جو کہ ایک مختلف تہذیب ہے۔ جس کے لوگ کو اپنی تہذیب وتمدن کی برتری پر مکمل یقین ہے اور اپنی قوت کی کمزوری کا انتہائی دکھ ہے۔''

دوسرے الفاظ میں وہ صرف اس لئے ہمیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں کیونکہ ہم ان سے

مختلف ہیں۔ پہلے مغرب نے 40 سال 'سرخ' روس کو دشمن بنائے رکھا اب 'سبز' کو اسی طرح کا ایک نا قابل معافی دشمن سمجھتے ہیں 'جن کا وجود اس دنیا کے لئے مسلسل خطرہ ہے۔' اصل میں یہ سب رنگ کفار کے اپنے ذہن کے رنگ ہیں جو نہایت بدنما اور بدبودار ہو چکے ہیں۔ یہ بات غور طلب ہے کہ پاکستان کمزور ہوتا جا رہا ہے اور یہ کالے صاحب وقت کے ساتھ جمہوریت ہو یا فوجی آمریت' روز بروز ان کی قوت اور تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ہے اور کفار کی پشت پناہی سے دن بدن سوائے ایمانی طاقت کے ہر لحاظ سے طاقتور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ٹائن بی کے مطابق 'ایک مکمل جابر اقلیت' بن چکے ہیں جو صرف جسمانی طور پر اسلامی تہذیب کا حصہ ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کو یقین ہے کہ وہ صحیح راستے پر ہیں تو انہیں غیر مسلم (Non muslims) ہونے کا اعلان کر دینا چاہئے ورنہ انہیں ملک وقوم سے غداری کی بجائے حضور ﷺ کی امت میں وفادار امتی بن کر رہنا چاہئے جس میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ بہرحال نظام خلافت ہی اس سنگین مسئلہ کا بہترین حل ہے۔

کوئی کمزور نظام ہزار سال تک دنیا پر حکومت نہیں کر سکتا

آخر میں خلافت کے سلسلے میں کچھ اہم باتیں۔ روم کے سیزر (Caesar) نے ایک بڑے علاقہ پر کچھ سال حکومت کی جو اس کے قتل کے ساتھ ختم ہوگئی۔ سب سے قریبی دوست بروٹس (Brutus) سمیت اپنوں نے چھرے گھونپ دیئے۔ اس کے مشہور الفاظ یاد آ گئے۔

'You too Brutus?'

'بروٹس تم بھی؟'

مقدونیہ (Macedonia) کے سکندر اعظم (320 - 310 ق م) نے بھی ایک بڑا علاقہ فتح کیا ابھی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ پھر اپنے کام آئے اور اوپر بھیج دیا۔ فرانس کے نپولئن نے (1810ء تا 1780ء) پورا یورپ ماسکو تک اور مصر تک کا علاقہ فتح کیا۔ اتنا ذہین کہ تمام دنیا اسے ماڈرن فوجی حکومت عملی (Modern Military Strategy) کا ممبا مانتی ہے لیکن اس کی زندگی میں ہی فرانس کی سلطنت ٹوٹ گئی اور پھر عظیم برطانیہ کا یہ جملہ بہت مشہور ہوا۔

"Great Britain loses all the battles except the last one."

'عظیم برطانیہ تمام جنگیں ہار جاتا ہے سوائے آخری جنگ کے۔' اور یہ بھی کہ 'سورج برطانیہ کی سلطنت میں کبھی غروب نہیں ہوتا' دوسو سال تک برطانیہ نے دنیا پر حکومت کی (1950ءتا1750ء) اور دلچسپ بات یہ ہے کہ وہاں اب بھی سورج غروب نہیں ہوتا۔ طلوع ہوگا تو غروب ہوگا۔ پھر کیا ہوا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں 30 لاکھ آدمی قتل کئے گئے اور کمیونسٹ روس وجود میں آیا۔ صرف 50 سال میں دم توڑ گیا اور امریکہ کو مکمل سُپر پاور (SuperPower) بنے 100 سال ہوئے ہیں۔

اب آئیں خلافت اسلامیہ کی طرف۔ اگر ہم اس کے عروج کا وقت 710ء یعنی سپین کی فتح سے شروع کریں اور خلافت کے ختم ہونے تک یعنی 1924ء تک نہیں بلکہ 1700ء کا وقت دیکھیں تو مسلمانوں نے ایک ہزار سال جبل لطارق، سپین، بحرے اوکیانوس Atlantic Ocean سے لے کر دیوارِ چین تک اور مورو کو (Morroco)، شمالی افریقہ کے مغربی ساحل سے انڈونیشا، فلپائن (Phillipines) تک تقریباً آدھی دنیا پر ایک سُپر پاور (Super power) کی حیثیت سے حکومت کی۔ کوئی مقابلہ ہے بھلا اسلام کے ایک ہزار سالوں اور برطانیہ کی صرف دو صدیوں اور امریکہ کی بالکل ہی کم ایک صدی کی حکومت کا؟ اس میں پہلی بات یہ ہے کہ اپنے خلفاء کے خلاف بات کرتے ہوئے، زباں درازی کرتے ہوئے ہمیں کچھ احتیاط ضرور کرنی چاہیئے۔ دوسری بات کہ یہ ایک ہزار سالہ آدھی دنیا پر خلافت کا قیام ان لوگوں کے لئے منہ توڑ جواب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نظام خلافت میں یہ خامی ہے کہ 'خلیفہ پر کنٹرولز' (Checks and Balances) نہیں ہوتے۔' کوئی بھی عقل مند آدمی یہ جواب دے گا کہ 'بھائی اگر بغیر کنٹرولز (Checks and Balances) کے، جس کے تم اتنے قائل ہو خلافت آدھی دنیا پر ایک ہزار سال تک حکومت کر سکتی ہے تو وہ ہمیں دل وجان سے قبول ہے۔ بلکہ کل نہیں آج سے رائج کر دو۔' مشہور ہے

Nothing succeeds like success

کامیابی سب سے بڑی کامیابی ہوتی ہے۔

اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ خلیفہ مقرر کرنے کا اور اتارنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ اس کا آسان جواب یہی ہے کہ 'بھائی تمہیں اپنے تمام فوجی آمریت اور جمہوریت کے طریقے مبارک ہوں ہمیں ہمارا نظام خلافت واپس کر دو۔' ہزار سال نہیں تو دو چار صدیاں تو چلا ہی لیں گے، مگر ان چند سوالات کا جواب نہ معلوم ہونے کی وجہ سے 'انٹرنل پرولوٹیریٹس (Internal Proletariats) کا لے

صاحب اور میرے مخلص سادہ بھائی نظام خلافت کے خیال کو ترک کر دیتے ہیں۔

خلافت ایک سسٹم ہے فردِ واحد کا نام نہیں

اب کچھ اور عرض کرنا چاہوں گا بات یہ ہے کہ خلفاء راشدین کے بعد 1924ء تک خلافت اس لئے چلتی رہی کہ خلافت ایک سسٹم کا نام ہے فردِ واحد کا نام نہیں۔ اسلام دنیا کا جامع ترین دین ہے خلفاء لڑتے رہے، قتل ہوتے رہے، محلاتی سازشیں بھی جاری رہیں لیکن اسلام کا سسٹم جو خلفاء راشدین کے دنوں سے شروع ہوا قائم رہا۔ اسلام کا معاشی نظام، تعلیمی نظام، قانونی نظام، معاشرتی نظام، اسلام کا کلچر، تہذیب، سنت کی پابندی یہ تھیں خلافت کی اصل قوتیں۔ ان تمام اسلامی اداروں کا اور نظام خلافت کا ایک بنیادی اصول ہے "اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہم سب جانتے ہیں۔ "اگر میرا کوئی حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہو تو نہ ماننا۔"

اس کا اثر یہ ہوا کہ اگرچہ خلفاء سرحدوں پر اتنے طاقتور تھے کہ علاقے در علاقے فتح ہو رہے تھے لیکن عوام سے اپنے مشکوک احکامات منوانے کے لئے انہیں مفتیوں، قاضیوں اور علماء دین کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ چنانچہ حجاج بن یوسف نے بہت سے صحابہ شہید کئے، مامون رشید نے امام احمد بن حنبل کو کوڑے لگوائے، خلفاء بڑے بڑے اماموں کو مجبور کرتے رہے کہ وہ قاضی کے عہدے قبول کریں۔ یعنی مفتیوں کے فتوے کے بغیر وہ عوام سے کوئی ایسا حکم نہیں منوا سکتے تھے جو مشکوک ہو۔ پھر اس طرح علماءِ سُو بھی وجود میں آئے جن کی مدد سے خلفاء عوام سے تعاون حاصل کرتے رہے۔ اسے آپ اسلام کی شخصی آزادی کہیں، انسانی حقوق کہیں جو بھی نام دیں۔ اس لئے دوبارہ عرض کرونگا کہ خلافت اسلامی سسٹم کا نام ہے اور اس نظام میں مسلمان اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے جمہوریت کفریہ سسٹم کا نام ہے۔

خلافت عثمانیہ کا زوال

اگلی بات ہم سب جانتے ہیں کہ خلافت اس لئے ٹوٹی کہ پہلی جنگ عظیم (1913ء تا 1917ء)

میں عرب مسلمان خلافت کے خلاف کفار سے مل گئے تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ عرب کے مسلمانوں نے کفار کے یعنی برطانیہ کے جنرل ایلن بی کی فوجوں کے ساتھ مل کر لارنس آف عربیہ کے زیر کمان ترکی کے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ورنہ خلافت کا اسلامی سسٹم ابھی قائم تھا۔ اس لئے آج بھی عراق، افغانستان اور پاکستان میں جو مسلمان امریکی فوجوں کے ساتھ مل کر یا امداد میں مسلمانوں کے خلاف لڑ رہے ہیں انہیں اندازہ نہیں وہ اپنی تنخواہ کے لئے کتنی تیزی سے اپنے ہی بھائیوں اور حضور ﷺ کی امت کو تباہی کے گڑھے میں پھینک رہے ہیں۔ یہ اجتماعی خودکشی ہے جس میں خود ان کے گھر والے اور بچے بھی شامل ہیں۔ ضمناً عرض کرتا چلوں کہ ایسے مسلمان جو کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑ رہے ہیں، یا کفار کی امداد کر رہے ہیں، یا کفار کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں، یا کفار کے ساتھ تعاون تو نہیں کر رہے یعنی بظاہر نیوٹرل (Neutral) ہیں لیکن کفار کے خلاف لڑنے یا دین کی بالادستی کی کوئی کوشش بھی نہیں کر رہے، انہیں کسی عالم سے اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں ضرور دریافت کر لینا چاہیئے۔ یہ اس لئے بھی کہ کچھ دعوے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر عمل اس کے خلاف ہو تو رد کر دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تو کیا انسان بھی انہیں قبول نہیں کرتے۔ مثلاً ہمارے کورٹ مارشل ہی کو لے لی جئے۔ میرے کچھ ساتھیوں نے کہا کہ ہم آئین کے وفادار ہیں، مگر انہوں نے ہمیں ذلت کے ساتھ فوج سے نکال کر جیلوں میں ڈال دیا۔

قرآن میں ہے۔

"اور جو کوئی اس کے موافق فیصلے نہ کرے جو اللہ نے اتارا تو وہی لوگ کافر ہیں۔" (سورۃ المائدہ:44)

اللہ کے حکم کے خلاف فیصلے کرنا، بہت وسیع لفظ ہے اور غور طلب ہے اس سلسلے میں اس ہستی کی بات جس کی زبان حرف آخر ہے حضور ﷺ کی بہت ہی عام فہم اور مشہور حدیث جو ہم سب جانتے ہیں، فرمایا:

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔" (صحیح مسلم، مشکوٰۃ)

مطلب واضح ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ نہیں وہ کافر ہے یہی چیز سورۃ النساء میں:

''اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے' پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔'' (آیت: 93)

اور تو اور ہم سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان مرد یا عورت یہ کہے کہ اسلامی سزائیں ظلم ہے' اور بغیر رجوع کئے بغیر توبہ کئے مر جائے تو کلمہ گو ہونے کے باوجود کفر پر موت ہوئی۔

بات اسلامی سسٹم کی ہو رہی تھی جو خلافت کی اصل ہے۔ 1924ء میں خلافت کے ٹوٹنے کے ساتھ مسلمان ملکوں میں تقسیم کر دیے گئے اور اب تک کفار اور منافقین کی یہی کوشش ہے کہ ان کا سسٹم یعنی جمہوریت اور ان کی تہذیب چلے' اسلامی سسٹم یعنی خلافت کا اجراء کسی بھی قیمت پر نہ ہو سکے۔

اجرائے خلافت کے لئے سہ نکاتی حکمت عملی

Trident Directional Strategy

کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہماری حکمت عملی (Strategy) بہت وسیع (all encompassing) ہونی چاہئے جسے میں Trident Directional Strategy کہوں گا۔ یعنی ہماری جدوجہد تین سطحوں پر ہونی چاہیئے۔

ا۔ معاشرے یعنی Society کی سطح پر

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اجراء خلافت کے لئے ہر ممکن طریقے سے کوشش کرے۔ یعنی اس کام کے لئے وقت نکالے' اپنی تمام صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے لوگوں کو تیار کرے اور ایک فیصلہ کن تحریک کی ابتداء کرے۔

(الف) اعداد و شمار (Facts and Figures) کی روشنی میں نظام باطل یا موجودہ نظاموں کا انسانیت کے لئے تباہ کن ہونے کا رسوخ اور یقین حصول۔

(ب) اس بات کا بھی یقین حاصل کرنا کہ ان مسائل سے نکلنے کا واحد حل خلافت کا قیام ہے۔ (زمانے اور حالات میں جو تغیر آ چکا ہے اس کی روشنی میں دین کو مکمل طور پر کابل عمل ثابت کرنا)۔

(پ) اس ساری کاوش کو محض ایک فکر و فلسفہ کی حد تک نہ رکھنا بلکہ ابھی سے اس کے رویہ عمل

بنانے کے لئے عملی جدوجہد کا آغاز۔ جس کی ابتدائی ضرورت ان نظام باطلہ کے خلاف اور برکت والے اس نظام کی خیر وخوبی کی تائید میں دعوتی عمل یعنی معاشرے میں ذہن سازی کا عمل فکر (Xitrary) اور جذباتی (Motivational) دونوں سطح پر۔

یہ واضح رہے کہ موجودہ حالات میں جماعتوں اور تحریکوں کے فوائد محدود اور نقصانات زیادہ ہونے کی بنیادی وجہ خودغرضی نظر آتی ہے جس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ کارکن بے غرض ہو۔ اس بے غرض کے لئے ہماری یہ ابتدائی تجویز ہے جس پر اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ اجرائے خلافت کی کوشش میں نہ تو کوئی لیڈر رہے، نہ کوئی Chairperson یا Co-Chairperson یا Co-Co-Chairperson ' نہ سیکرٹری (Secretary) نہ کوئی جنرل سیکرٹری (General Secretary) ہم سب ورکر ہیں، سب گمنام سپاہی ہیں۔ ہمارا انعام بس یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں منافقین کی فہرست سے نکال کر ہمارا نام اپنے مخلص بندوں میں شامل کردے اور روزِ محشر 'بھری محفل' میں یہ فرمادے کہ 'یہ میرا مخلص بندہ تھا' ہمارے لئے اس سے بڑا نام اور انعام کیا ہوسکتا ہے۔ مخلص ہونے کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس میں کبھی ناامیدی نہیں پیدا ہوگی ہمیشہ حق کے غلبے کے لئے برسرِ پیکار رہے گا چونکہ ناامیدی اسباب کی طرف نظر کرنے کا ہی ایک نتیجہ ہے۔ دوسرا یہ کہ غفلت کا خاتمہ یعنی نیکی اختیار کرنا اور حقیقت سے بچنا۔

2۔ گھر میں خلافت کے لئے عملی قدم

فرد اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے کے بعد کس بات کا پابند بنایا گیا ہے اس کے لئے یہ آیت ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے ڈراؤ۔"

یہ آیت مبارکہ اور اسی طرح سنت مبارکہ پر شاید ہیں کہ جیسے مرد اپنی بندگی کے سلسلے میں مسئول ہے اسی طرح وہ اپنے گھر والوں اور ماتحتوں کے سلسلے میں بھی مسئول ہے۔ فرد تو اپنے گناہوں کا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکتا اور جب بیوی، بچوں اور ماتحتوں کے گناہوں کے لیے بھی اسے جواب دہی کرنی پڑی تو بہت مشکل ہو جائے گی لہٰذا فرد دوسرے درجہ میں احیاء خلافت کے سلسلے میں اپنے گھر والوں اور ماتحتوں کو بھی اپنے مشن میں شریک کرے۔ لیکن جیسے فرد میں منکرات کے ترک اور فضائل کے حصول میں ایک ترتیب ہے۔ پہلے منکرات سے بچنے کے لئے مجاہدہ کے اسی طرح اپنے گھر والوں اور ماتحتوں کی تربیت میں بھی یہی اصول کارفرما ہوگا۔

اس لئے داعی احیاء خلافت کو سب سے پہلے یہ نظر کرنا ضروری ہے وہ کون سے کھلے منکرات ہیں جن کا دروازہ ہمارے گھر میں کھلا ہے۔ مثال کے طور پر میڈیا (Media) کا کردار واضح رہے کہ میڈیا کا کردار صرف اتنا ہیں کہ وہ ہمیں ننگی تصاویر اور بڑے مناظر دکھاتا ہے اور فحش کلام سناتا ہے بلکہ قیام خلافت کے لئے جو فکری اتحاد اور عملی یگانگت درکار ہے اس میڈیا کے ہوتے ہوئے پیدا ہونا ممکن نہیں۔ ہر گھر میں ڈش کلچر (Dish Culture) چل رہا ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ گھر کے پانچ سات لوگوں کے ایک چاردیواری' ایک خاندان کا حصہ ہونے کے باوجود سوچنے کے انداز اتنے مختلف کیوں ہیں ہر فرد کا قبلہ الگ ہے کسی کا سوچنے کا انداز' مزاج' چیزوں کو پرکھنے جانچنے کا معیار دوسرے سے نہیں ملتا' کوئی دوسرے کی بات اور طریقے سے اتفاق نہیں کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ صرف حضور ﷺ کی اتباع کے بغیر کسی قسم کا اتحاد ممکن نہیں۔ گھر میں تربیت کے حوالے سے کچھ سفارشات یوں ہیں۔

(i) بچوں کی دینی تعلیم اور نماز' روزہ کی پابندی اور اتباع رسول سنت کی پابندی۔

(ii) تمام کام سنت کے مطابق کرنے میں سختی کی جائے۔ حضور ﷺ کے طریقے کے علاوہ کوئی اور طریقہ برداشت نہ کیا جائے۔ ہمارے تعلق اور لاتعلقی کی بنیادیں سنت کی اتباع اور عدم اتباع سے طے ہونے چاہئیں۔ تارکِ سنت ہم میں سے نہیں۔

(iii) Internet سے بچے فائدہ کم اور نقصان بہت اٹھاتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کو اکیلے Internet پر بیٹھنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ کوئی بڑا اسی کمرے میں سوئے تو بہتر ہے۔

(iv) موبائل کے بغیر بھی لڑکیوں کا گزارہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ بچیوں کو موبائل نہ دیئے جائیں اس کے فائدے کم اور نقصانات بہت ہیں۔

(v) دین کی سربلندی کے لئے کام کرنا ہماری تربیت کا حصہ ہونا چاہیئے۔

(vi) نوجوان بچوں پر نظر رکھی جائے۔

(vii) لڑکیوں کو لڑکوں کی طرح ملازمتیں کرنے کی آزادی نہیں ہونی چاہیئے۔

3۔ انفرادی سطح

دونوں جہانوں میں مصائب سے بچنے اور اپنی دائمی حفاظت اور کامیابی کے لئے کچھ تجاویز: ہمیں چاہیئے کہ ہم:

(i) خوفِ خدا رکھنے والے لوگوں میں شامل ہو جائیں۔

(ii) اپنی زندگی کا یہ موٹو motto رکھیں کہ ہم سنت کے خلاف کوئی عمل نہیں کرینگے اور سنت کے خلاف کسی بھی عمل (Contra-sunnah) سے بیزاری کا اعلان کریں۔

(iii) نمازوں میں خرابی نہ پیدا ہونے دیں۔ معمولی معمولی عذر پر سنت، نوافل وغیرہ چھوڑ دینا، باجماعت نماز چھوڑنا، نماز میں خشوع وخضوع نہ ہونا، زندگی میں ایک بھی نماز ایسی نہ ہونا کہ اس میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا خیال نہ آیا ہو، نمازوں خشیتِ اللہ کے خوف سے خالی ہونا یہ سب خطرناک علامات ہیں۔ کوئی عالم ہو، مجاہد ہو، دین کا دعوائی ہو اگر نمازوں میں خشوع وخضوع نہیں تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ دین سے کھیل رہا ہے۔ جس ذات کے لئے وہ سمجھتا ہے کہ وہ سب کچھ کر رہا ہے اگر نماز میں اس ذات سے خوف، محبت نہیں اور اپنے رب کی موجودگی محسوس نہیں کرتا تو اس کے ایمان میں یقیناً کافی کمزوری ہے۔

(iv) مسلمانوں کے لئے آسانیاں پیدا کریں۔ یہ بھی حضور ﷺ کی سنت ہے۔ حضور ﷺ نے ہمیشہ ایسا کیا۔ مسلمان، کافر، دوست یا دشمن سب کے لئے آسانیاں پیدا فرماتے تھے، دوسروں کی مدد فرماتے، مشکلات حل فرماتے، دوسروں کے لئے راستے کھولتے تھے۔

(v) حضور ﷺ نے فرمایا 'وہ مومن نہیں جس کی آج کل سے بہتر نہیں' (مشکات) اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ روزانہ سونے سے پہلے مجھے اپنے دن کا تجزیہ کرنا چاہئے کہ کیا میرا یہ دن کل سے بہتر تھا یا خراب میری آج کی عبادات کل سے بہتر تھیں یا نہیں، میرے لوگوں سے معمولات کیسے تھے؟ کیا میں کسی کے کام آیا، کسی کی مدد کی، کسی مسلمان کے لئے خوشی کا باعث بنا، کل سے کچھ اضافی بھلائی کی؟ اور یہ کہ میرے خلوت کے اوقات کل کی خلوت کے اوقات سے بہتر تھے یا خراب۔ انسان کی اصل وہی ہے جو وہ تنہائی میں سوچتا اور کرتا ہے۔ تنہائی میں جس چیز کی طرف اس کی رغبت ہوتی ہے وہ کیا ہے نیکی یا گناہ۔

(vi) گاہے بگاہے اپنی ذات کا تجزیہ کرنا چاہیئے کہ کیا میں ان لوگوں میں سے تو نہیں جو برائی سوچتے ہیں گناہ کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ورغلا کر گناہ میں شامل کرتے ہیں؟ یا کیا میں ان لوگوں میں سے تو نہیں جو گناہ کی منصوبہ بندی تو نہیں کرتے لیکن موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں اور موقع ملتے ہی کر گزرتے ہیں۔ یا ان لوگوں میں سے تو نہیں جو نہ گناہ کی منصوبہ

بندی کرتے ہیں، نہ موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں لیکن اگر موقع مل جائے تو بچنے کی کوشش بھی نہیں کرتے یا ان میں سے ہوں جو گناہ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں خود کو پڑنے ہی نہیں دیتے جس سے میں گناہ میں پھنسنے کا ذرا برابر بھی خطرہ ہو۔ یا کیا میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں ہر وقت، ہر لمحہ یہ احساس رہتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور گناہوں کی ترغیبات دینے والی چیزوں سے بھی میلوں دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے ہیں، دوسروں کو بھی بچاتے ہیں۔

(vii) اللہ تعالیٰ محسنین کو پسند کرتا ہے اور انہیں بار بار بخشش اور جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ قرآنی اصلاح میں محسنین وہ لوگ ہیں جو ہر طریقے اور ہر لحاظ سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور کسی کو کسی بھی لحاظ سے نقصان نہیں دیتے۔ دوسری طرف، ہماری بھرپور کوشش ہونی چاہیئے کہ ہم ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآنی اصاح میں 'ظالمین' کہا یعنی وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت حضور ﷺ کے سنت کے مطابق نہیں کرتے چاہے وہ عبادات ہوں یا معمولات۔ یہ تو ہم جانتے ہی ہیں کہ کسی بھی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینے کو ظلم کہتے ہیں۔

(viii) اگر میری نماز، روزہ، زکاۃ، اللہ کا ذکر، عبادات مجھے اس قسم کا مسلمان نہیں بناتی کہ میں اللہ کی محبت، اس کے حکم اور سنتِ رسول ﷺ میں اللہ کی راہ میں جان دینے کے لئے تیار رہوں تو یہ اس بات کا یقینی .... اور حتمی دلیل ہے کہ میری عبادات، ذکر اذکار ناقص ہیں۔ اللہ کے راہ میں جان دینے کی خواہش ہی ہمارے مسلمان، باایمان ہونے کی کسوٹی ہے، پیمانہ اور پہچان ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا 'جس نے زندگی بھر جہاد کی تمنا بھی نہ کی وہ منافقت پر مرا۔ (ترمذی)

یہ چند سفارشات تھیں جو طریقہ بھی اختیار کریں اللہ کی اطاعت، اتباع رسول ہی واحد دینی اور دنیاوی فلاح کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو کوئی دوسرا راستہ (Option) نہیں دیا۔ انسان اللہ کا بندہ اور غلام ہے اور اسے اپنی اوقات میں رہنا چاہیئے۔

خلافت اور جمہوریت ایک سرسری جائزہ

نظام جمہوریت انسانی ذہنوں کی افتراء ہے جسے انسانی ارتقائی ترقی کی حد آخر کہا جاتا ہے۔

'The End Of History'

اس کے برعکس خلافت ایک آفاقی نظام ہے اور قرآن حدیث کے احکامات کے مطابق یہ نظام زمین پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نیابت سسٹم ہے۔ جمہوری نظام میں لوگوں کی رائے

کو مقدم جانا جاتا ہے اور انکی خواہشات کا خیال رکھا جاتا ہے۔اس کے برعکس نظام خلافت میں ہر قدم اور ہر معاملہ میں اللہ کی رضا اور حضور ﷺ کے طریقے کا خیال رکھا جاتا ہے۔

جمہوریت میں اقدار یعنی Values، حق، ناحق، صحیح، غلط، جائز وناجائز، اچھے یا بُرے سب کا فیصلہ اور تعین انسانوں کے وضع کردہ آئین اور اسمبلیوں سے ہوتا ہے، یعنی انسان جو خود کرتا ہے چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور اسی خود ساختہ قانون کے مطابق تمام زندگی گزارتا ہے۔ جبکہ نظام خلافت میں انسان کے لئے اقدار یعنی حق، ناحق، کا تعین کرنا، چیزوں کا حلال، حرام، جائز وناجائز قرار دینا صرف اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے۔وہ رب جس نے خود انسان کو بنایا اور یہ زرین اصول قرآن اور حدیث کی صورت میں بنی نوح انسان کی رہنمائی کے لئے قیامت تک مقرر کردیئے گے ہیں۔اندریں حالات خلیفہ کا یہ اولین فرض ہے کہ اسی بات کا اہتمام کرے اور تمام مسلمان ان اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں۔جمہوریت زندگی گزارنے کا ایک لادینی (Secular) طریقہ ہے جس طظر یقہ کار میں اللہ اور اگلے جہاں کی کوئی حقیقت سرے سے تسلیم ہی نہیں کی جاتی۔خلافت تمام عمر اللہ اور اسکے رسول کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے کا نام ہے۔جمہوریت انسان کی جبکہ خلافت اللہ کی حاکمیت ہے۔غرض جمہوریت خلافت کی ضد ہے، جمہوریت خلافت کے بنیادی فلسفہ، مقاصد، عزائم اور امنگوں میں ایک دوسرے کے سے قطعی ہیں۔جیسے شیطانیت قرآن وسنت سے مختلف ہے۔جمہوریت خلافت سے اتنی ہی مختلف ہے ظلم امن سے، جیسے شیطانیت مختلف ہے عبدیت سے، یہ دو مختلف طرز حیات ہیں۔شیطانیت ایک طرز زندگی ہے جس میں گناہ، برائی اور ظلم کے راستوں میں امداد کرنا، آسانیاں پیدا کرنا، دوسروں کو گناہ، برائی اور ظلم پر تیار کرنا اور شامل کرنا، نیک کاموں کو برائی بنا کر پیش کرنا، بُرے اور بے ایمان لوگوں کی ہمت افزائی اعر حمایت کرنا، انکی سرپرستی کرنا اور اللہ کے بندوں سے بغض اور عداوت رکھنا، یہ تمام چیزیں شامل ہیں۔غور طلب بات یہ ہے یہ تمام تر محاسن آمریت، جمہوریت اور اشتراکیت میں پوری طرح پائے جاتے ہیں۔جمہوری نظام حکومت کا ہر نمبردار یہ چاہتا ہے کہ وہ بار بار الیکشن جیتے اور وہ جس درجے (Level) کا بھی عہدیدار رہے برسراقتدار رہے، اُس کا عہدہ اور اقتدار تمام عمر قائم رہے اور بامر مجبوری اس سیٹ سے ہٹنا پڑے تا اس کے بیٹے یا قریبی رشتے دار اس کی جگہ لیں۔اقتدار کی ضمانت دو برے طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے۔دوران اقتدار اپنے اپنے حلقہ پر گرفت مضبوط کرنا اور پیسے جوڑنا۔

دوران اقتدار اپنی سیٹ پر گرفت مضبوط کی جائے' اپنی پارٹی کی برتری اور بالادستی کو مزید مستحکم کیا جائے اور اس کے لئے حق وناحق' ظلم وانصاف' ثواب وگناہ کی غیر کارآمد بحثوں (Non-consequential argumenls) میں الجھے بغیر اعلیٰ ترین مقاصد یعنی اقتدار کو مستحکم کرنے کے جذبہ سے سرشار ہو کر تمام سیاسی' معاشی' معاشرتی' انتظامی' قانونی اور اخلاقی اصولوں اور ضوابط تہہ وبالا کرتے ہوئے اپنے مقاصد کے اصول کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے کام میں مگن رہنا۔ اقتدار کے حصول اور قیام اور اگلے الیکشن میں عوام کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے سیاسی لیڈروں کو ایسے دیندار' ایمان دار' امانت دار اور باضمیر اور خوف رکھنے والے افسروں اور بینکروں کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی جو حق اور ناحق میں تمیز کرتے ہوں' جو ان کے لئے بے ایمانی اور بے اصولی کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ جمہوریت یا آمریت ہر دور میں وزیر سے لے کر چپڑاسی تک' ملک کے بڑے بڑے اداروں میں خواہ وہ تعلیم وصحت کے ادارے ہی کیوں نہ ہوں ایسے لوگوں کو کھپایا' ترقیاں دی گئیں جو صاحبان اقتدار کے لئے بے ایمانی' بے انصافی' ظلم اور غیر قانونی میں پیش پیش ہوں۔ جو کتوں کی صاحب اقتدار کرسی کے پیچھے دم ہلاتے ہوئے چلیں اور ان کے لئے شکار کریں۔ بلکہ ان کے حکم سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر زیادتیاں کریں۔ (More loyal than the king)

ان حالات میں پاکستان کا دنیا میں سب سے بے ایمان corrupt قوموں میں شمار ہونا کچھ عجیب بات نہیں۔ اگر آپ انٹرنیٹ (Internet) پر بیٹھے ہیں تو خود دیکھ لیں کہ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام جمہوری ملکوں کے لیڈران ان ممالک کے امیر ترین لوگوں میں سے ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ پھر عرض کرونگا کہ جمہوریت کو مغرب کی بھی 'پیسے کی آمریت کہا جاتا ہے' البتہ امریکہ' برطانیہ' فرانس وغیرہ اور پاکستان میں پیسے بنانے کے طریقے مختلف ہیں۔ مغرب میں پارٹی' پارٹی فنڈ Party Fund کے اکاؤنٹ میں پیسے ڈالے جاتے ہیں اور پھر وہی لیڈر پیسے استعمال کرتے ہیں' جسے ہم مذہب Sophisticated طریقہ کہیں گے بدعنوانی (Corruption) کا' عوام کو نقصان پہنچانے کا' کیونکہ یہی بڑے بڑے (Industrialists) اور یہودی جو پیسے دیتے ہیں وہ پیسے لینے والوں کے ذریعے اپنی مفادات کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ گلوبل Global level کے امیر لوگ' Congressmen، Senators، Mayors، Governors، Parlimentarians تمام سیاستدانوں کو خریدنا اور استعمال کرنا خوب جانتے ہیں اور یہ میں راز

کی بات نہیں کہہ رہا تمام مغرب والے بخوبی جانتے ہیں کہ ان کے سیاسی لیڈر وزیر اعظم اور صدر کوئی ایسی پالیسی نہیں بنا سکتے جو ان کے یعنی پیسے دینے والے donors کے مفادات کے خلاف ہو جائے اس میں ملک، قوم، عوام اور معیشت کا نقصان ہی ہو۔ ان کا صرف ایک سنہری اصول ہے (سنہری اصول صرف وہ بنا سکتے ہیں جن کے پاس سونا ہو) کہ وہ کوئی ایسا کام سر عام نہیں کرتے جس سے انہیں اگلے الیکشن میں اقتدار سے ہاتھ دھونے پڑیں، یقین جانئے اقتدار اور طاقت کی ہوس نے مغربی سیاسی لیڈروں کو بے ضمیر، بے ایمان اور منافق بنا دیا ہے کہ آپ کے تصور سے باہر ہے اور یہ سب مغربی عوام کو معلوم ہے (وقت کے ساتھ ساتھ ووٹ ڈالنے کی شرح گرتی چلی جا رہی ہے) مگر انہیں اس جمہوری نظام کے علاوہ کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ مجبور ہیں۔ حال ہی میں امریکہ کے 80 Senators کے نام اخباروں اور رسالوں میں چھپے جو یہودیوں کی Payrole پر ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ کسی Senator نے اُس کی تردید نہیں کی اور عوام بھی خاموش رہی کیونکہ وہ کہتے ہیں It's part of the game یہ اس کھیل کا لازمی حصہ ہے۔

پاکستان میں سیاسی لیڈر پیسے جوڑنے کے معاملے میں پارٹی فنڈ "Party Fund" کے Indirect Method کو مکاری، عیاری اور منافقت سمجھتے ہیں۔ Direct Method استعمال کرتے ہیں یہاں کھلی چھٹی ہے فیکٹریاں، رہائشی سکیمیں، قبضہ گروپ، سرکاری قرضے Loans، محلات وغیرہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ ایک امریکی جریدے کے مطابق۔

''جتنے بے ایمان، گھٹیا، بے اصول، بے ضمیر لیڈر پاکستان نے پیدا کئے ہیں ہم نے کسی دوسرے ملک میں نہیں دیکھے۔''

آج تک کسی لیڈر کو لوٹ کھسوٹ کے سلسلے میں سزا نہیں ہوئی۔ ایک امریکی تجزیاتی رپورٹ کے مطابق دنیا کے تمام ممالک میں غریب امیدواروں کی تعداد ایک فیصد (1%) سے زیادہ نہیں ہوتی سب برسر اقتدار امیدواروں کی یہ کوشش ہوتی کہ بے بہا مال اکٹھا کیا جائے اس ناجائز بنائی ہوئی دولت سے الیکشن میں کامیابی یقینی بنائی جائے۔ Election Compaign کے لئے، جوڑ توڑ کرنے کے لئے، لوگ خریدنے پڑتے ہیں اور کارندوں کو بھی پیسے چاہئے۔

ایک سرسری، مختصر سا جائزہ خلافت اور جمہوریت کے نظاموں کے مابین، خلافت چونکہ پیغمبروں سے چلی آ رہی ہے اور جمہوریت باقاعدہ طور پر فرانسیسی انقلاب French Revolion کے بعد رائج ہوئی اس لئے خلافت پہلے اور جمہوریت بعد میں۔

خلافت	جمہوریت
(1) طاقت کا سرچشمہ صرف اللہ ہے۔ کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت میں تمام اطاعت گناہ اور ناجائز ہے۔	(1) طاقت کا سرچشمہ صرف عوام ہے۔ انسان کا بنایا ہوا آئین اور قانون حرف آخر ہے اگر عوام طاقت کا سرچشمہ نہ ہو تو جمہوریت کی تعریف ہی غلط ہو جاتی ہے۔ It is a system of Government of the people for the people and by the people. یعنی لوگوں کی حکومت لوگوں کے لئے اور لوگوں کے ذریعے۔
(2) تمام قوانین قرآن وسنت اور شریعت پر مبنی ہوں۔	(2) تمام قوانین لوگ اور ان کے نمائندے بناتے ہیں۔ خدا کا اس میں کوئی رول Role حصہ نہیں۔
(3) انسانی اللہ تعالیٰ کا بندہ اور غلام ہے اور اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنی چاہیئے۔	(3) انسان نہ اللہ کا بندہ ہے نہ غلام بلکہ مکمل طور پر خودمختار اور آزاد ہے۔ آزادی Liberty/ہوا پرستی اس کا بنیادی حق ہے۔ اس پر صرف ملک کے آئین اور قانون کی پابندی ضروری ہے۔
(4) دین پر عمل کرنا اور کروانا، دین کی حفاظت، اس کی بقاء اور سربلندی کے لئے کام کرنا State خلافت کی ذمہ داری ہے۔	(4) مذہب ایک ذاتی فعل ہے چرچ (Church) اور State دو مختلف اور الگ الگ اکائیاں ہیں۔ عبادت (پرستش) چاہے کسی کی بھی کی جائے،

Jesus خدا، بھگوان، بدھا وغیرہ کی مگر زندگی ملک کے آئین، ملک کے قانون، ملکی معاشی، سیاسی تعلیمی، معاشرتی نظام کے تحت گزارنی ہے۔ اس لئے عیسائی ملک ہوں یا یہودی، ہندو ہوں یا بدھ مت یا مشرقین، ہر ملک میں جمہوریت چل رہی ہے۔ سب نے لادنیت Secularism کوقبول کرر کھا ہے۔

(5) حق اور ناحق، صحیح اور غلط، نیکی اور گناہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قائم کر دیئے ہیں۔ اور یہ متعینہ اصول قیامت تک ایسے ہی رہیں گے۔

(5) حق اور ناحق، صحیح اور غلط کا تعین انسان خود کرتا ہے، یعنی عوام کرتی ہے یعنی Parliment ‘Congress اور Assembly کرے گی جو وقت اور ضرورت کے مطابق تبدیل ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

(6) سیاست میں خلیفہ وقت تمام خلافت کے اہل حل وعقد کی ایک شوریٰ مقرر کرتا ہے جس میں ہر فرد ایسا مرتبہ، مقام اور تجربہ رکھتا ہے کہ اسے خلیفہ بنایا جاسکے۔ شوریٰ فاروقی کی طرز پر بنائی گئی یہ شوریٰ خلیفہ کی وفات کے بعد اکٹھی ہوتی ہے اور اپنے میں سے نئے خلیفہ کی تقرری کرتی ہے۔ یہ خلیفہ تاحیات مقرر ہوتا ہے اور اسے اس کی زندگی میں ہٹانے کی اجازت نہیں۔

(6) جمہوریت میں حاکم مختلف طریقوں سے چنے جاسکتے ہیں۔ دو بڑے پارلیمانی اور صدارتی سسٹم ہیں۔ مختلف جمہوری ملکوں میں ووٹ دینے اور گننے کے مختلف طریقے ہیں ہر طریقے میں خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی حکام چننے کے کسی طریقے سے مکمل طور پر مطمئن نہیں کیونکہ کوئی طریقہ بھی عوامی رائے کی مکمل ترجمانی نہیں کرتا۔ ہر چار سال بعد حاکم اور حکومت کو اقتدار کے حصول کے لئے دوبارہ الیکشن لڑنے

پڑتے ہیں۔ اسمبلی پارلیمنٹ وغیرہ جب چاہیں کسی مقررہ اکثریت سے حاکم، حکومت تبدیل کر سکتے ہیں۔

(7) خلافت کے بغیر اسلامی تہذیب کا قائم رہنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

(7) جمہوریت مغربی تہذیب کی بقا نہیں بلکہ تہذیب کے زوال، ٹوٹنے اور خاتمے کا باعث بن سکتی ہے۔

(8) جہاد خلافت کے بغیر بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ خلافت جہاد کی مکمل تیاری، منظم طریقے، مکمل اتحاد اور ایک Unified strategy حکمت عملی کے لئے ضروری ہے۔

(8) جمہوریت جہاد کا توڑ بنتی چلی جارہی ہے۔

(9) خلافت کی حفاظت، مدد اور پشت پناہی کے بغیر اسلام مختلف فرقوں میں بٹ رہا ہے، مختلف قسم کے اسلاموں کی باتیں ہونے لگیں ہیں (روشن خیال اسلام وغیرہ) اور اسلام دین الٰہی کا رنگ اختیار کرتا چلا جارہا ہے، جس میں جہاد کی نفی کی اور تمام ادیان سے مفاہمت اور مل جل کر رہنے کی اور انسانیت کے جھنڈے کے تلے اکٹھا ہونے کی تعلیم دی جارہی ہے۔

(9) جمہوریت، مذہب اور روحانیت کی ضد ہے اس کے نزدیک ہر وہ مذہب قابل قبول ہے جو جمہوری نظام اور جمہوری اقتدار یعنی شیطانیت کے لئے خطرہ نہ بن سکے۔ اسلام سے جمہوریت کی تباہی کا سب سے بڑا خطرہ ہے۔

(10) خلافت کا بلند ترین مقصد دنیا میں ظلم، ناانصافی، معاشی اور معاشرتی فساد اور استحصال کو مٹانا اور تمام انسانیت کو براری کی بنیاد پر امن زندگی مہیا کرنا ہے۔ خلافت انسانوں کی تقسیم، ظالم اور مظلوم، میں کرتی ہے۔ ظلم کی بنیاد کوئی کام یا کسی چیز کا ایسا استعمال جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے طریقے کے خلاف ہو ظلم ہے۔ لوگوں کے حقوق ادا نہ کرنا ظلم ہے، سود، زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا، غریبوں، محتاجوں اور بے یارومددگار لوگوں کی مدد نہ کرنا ظلم ہے۔ دوسروں قوموں کا استحصال، Economic exploitation، اشتراکیت neo-colonialism ظلم کی مختلف شکلیں ہیں۔ ظلم کا خاتمہ کرنا خلافت کا دائمی فریضہ ہے چاہے یہ ظالم کفار ہوں یا مسلمان۔ جہاد، قتال ظلم کے خلاف ہوتا ہے اور ظل کی نوعتیں ہر دور میں مختلف رہی ہے۔ مثال کے طور پر آج ظلم کی ایک بڑی شکل معاشی استحصال ہے جس کے نتیجے میں انسانیت طبقات میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔ اس لئے اسلام میں

(10) جمہوریت کا مطلب انسان کو آزادی (liberty)، بھائی چارہ (Fraternity) اور برابری (Equality) ہے، ان سب اصطلاحوں کے مطابق جو اہل مغرب بخوبی سمجھتے ہیں ۔ زمینی حقائق Ground Reatities کے طور پر عرض کرونگا کہ برابری اور بھائی چارہ میں سفید فام افراد کو کالوں پر فوقیت ہے اور آزادی کا یہ بھی مطلب ہے کہ دوسرے کے پیغمبروں کی توہین انسانی حق میں شامل ہے، Freedom of Speech بولنے کی آزادی کے تحت۔

جہاد وقتال کا تصور صرف باطل کی سرکوبی کا یک جہتی تصور نہیں بلکہ ایک فلاحی ریاست (جس میں عوام الناس کو اُن کے حقوق حاصل ہوں) کی تشکیل میں بھی مددومعاون ہے۔

لیکن بدقسمتی سے جہاد وقتال عامۃ الناس بلکہ خواص کے ذہنوں میں بھی شاید اس تصور کے ساتھ موجود کہ یہ زبردستی مسلمان بنانے کا ایک عمل ہے۔ حالانکہ تاریخی اور شرعی دونوں حیثیتوں سے دیکھیں تو اصل اسلام باطل کو حق پیش کرتے ہیں یعنی کلمہ اسلام یا اسلام۔

(۱) جہاد قتال کا مقصود ظلم و جور کا خاتمہ ہے نہ کہ پوری انسانیت کو زبردستی کلمہ پڑھانا۔ یہ کام تلوار سے نہ لیا گیا نہ لیا جائے گا بلکہ یہ کام دعوت سے لیا جاتا رہا ہے۔ یہاں بھی یہ بات وضاحت طلب ہے کہ خلافت کے قیام کے نیچے میں مسلمانوں کی صالح معاشرت اور تمدن خود ایک دعوت بلکہ ہر مسلمان کا مسلمان وجود ایک دعوت ہے۔ (۲) اپنی ماتحتی یعنی عقیدہ کفر پر قائم رکھتے ہوئے۔ (۳) تیسرے نمبر پر تلوار اٹھانے کا مرحلہ آیا ہے۔

(11) خلافت ایک کائناتی تصور Concept
پر قائم ہے۔ خلیفہ اللہ کل عرض اور اس کا
دینی اور دنیوی ہدف فلاح انسانیت
ہے۔ حضور ﷺ پیغمبر انسانیت ہیں
اور قرآن گلوبل آئین Global
Constitution ہے۔ اگر انسان
unipolar world بنانا چاہتا ہے اور
انسانیت کو امن اور سکون مہیا کرنا چاہتا
ہے تو قرآن ایک Global
constitution ہے آئین سے گلوبل
ولیج کے لئے جو خلافت کے سسٹم پر ہی
وقوع پذیر اور قائم رہ سکتا ہے۔ انسان
کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے۔
جہاد یہاں تک کہ دنیا میں فتنہ فساد باقی نہ
رہے۔
اور ہمارا ایمان کیونکہ حضور ﷺ نے
فرمادیا کہ وہ وقت آئے گا جب حضرت
عیسیٰ d تمام دنیا کے خلیفہ ہونگے اور
قرآن گلوبل آئین Global
Constitution۔ اس لئے خلافت کا
اجراأ ایک انسانی فریضہ ہے اور حضور
ﷺ نے فرمایا۔
"مسلمانوں پر ایک دن بھی ایسا نہ
گزرے کہ وہ خلیفہ کے بغیر ہوں۔"

(11) جمہوریت میں اندرون ملک اصول
ہے۔ My Party, Right or
Wrong میری پارٹی غلط ہو یا صحیح،
بیرون ملک اصول ہے My
Country, Right or Wrong
میرا ملک چاہے وہ ناحق پر ہو یا غلطی پر،
ناانصافی پر یا ظلم پر، اپنے ملک کی معیشت
کی حفاظت ضروری ہے اگرچہ
15 ملکوں کی معیشت تباہ کرنی پڑے تو
بھی جائز ہے اور اگر اپنے ملک کے
perceived دفاعی تحفظات
Security Interests کے لئے 15
ملکوں کے عوام کو تباہ و برباد کرنا پڑے
تو کوئی برائی نہیں۔ عین Patriotism
کا تقاضہ ہے۔

(12) خلافت میں روشنی کا دور Age of Enlightenment بعثت رسول سے شروع ہوتا ہے۔ قرآن اور مختلف احادیث مبارکہ میں حضور ﷺ اور قرآن مجید سے پہلے کے دور کو دور جہالت سے تعبیر کیا گیا ہے اور حضور ﷺ اور قرآن کو نور اور روشنی کیا گیا ہے۔ جمہوریت جیسے روشنی اور تاریکی کا ایک معنی اور مفہوم رکھتی ہے وہ تاریخی طور پر ہم سے متصادم ہو جاتی ہے۔

(12) مغرب میں روشنی کا دور Age of Enlightenment جمہوری دور یعنی French Revolution (1790) کے بعد کا دور کہلاتا ہے۔ اس سے پہلے Dark Ages تھیں اور پھر مڈل (Middle Ages) یہ بت بڑا تاریخی اور نظریاتی فرق ہے کہ وہ ہمارے قرآن اور حضور ﷺ کے دور کو تاریک دور سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور آخر میں یہ دہرانہ مناسب ہوگا کہ خلافت اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ نظام ہے اور جمہوریت اللہ کے مقابلے پر انسان کا بنایا ہوا نظام ہے جسے وہ اللہ کے نظام سے بہتر سمجھتا ہے۔ اس دوسری مرض کا کوئی علاج نہیں سوائے اس کے کہ انسان کو اس ظلم سے روکا جائے کہ وہ شیطان کی طرح اللہ کی حکم عدولی بھی کرے اور خود کو حق بجانب بھی سمجھے اور یہی اس شیطان کی تقلید ہے۔

غالب امکان ہے کہ ان تمام معاشروں میں جہاں انسانی ذہنوں کے وضع کردہ نظام جمہوریت کے تحت معاشرے چل رہے ہیں اگر وہاں اکیسویں صدی میں اس نظام سے چھٹکارا حاصل نہ کیا گیا تو ان کی جمہوریت کے عفریت تہذیب دم توڑ جائے گی۔ اس صدی میں مغرب بہت بڑے امتحان سے دوچار ہے اسے روحانیت Spiritualism اور لادینیت Seclurism میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ خلافت دینی اور دنیاوی فلاح ہے، دونوں زندگیوں کو سنوارتی ہے، جوڑتی ہے، جمہوریت انسان کو دونوں جہانوں میں رسوائی و ذلت کے سوا کچھ نہیں دے گی۔

شوریٰ تاحیات خلیفہ مقرر کرتی ہے

ہمیں معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خلیفہ خلیفہ مقرر کرنے کی اہمیت، اس کے من جملہ فرائض اور مسلمانوں کے لئے وقت کی اطاعت کے سلسلے میں مفصل ہدایات بیان فرمائی ہیں تاہم خلیفہ کی مدتِ خلافت کے سلسلے یا اسے تبدیل کرنے کے لئے کوئی واضح ہدایت نہیں فرمائی۔ مزید برآں اس سلسلے میں کسی صحابی کا کوئی ایک بھی قول نہیں ملتا۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کچھ منافقین اور بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو شکایت ہوئیں تو کسی ایک فرد نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سلسلے میں کوئی فرمان بطور دلیل پیش نہیں کیا جس کی رو سے یہ ثابت کیا جاسکتا کہ آپ کی مدتِ خلافت ختم ہوچکی اب کسی کو خلیفہ مقرر کریں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے تعلیم فرمائیں ہیں، یہاں تک بیت الخلاء استعمال کرنے اور غسل کا طریقہ بھی ہمیں انہوں نے سکھایا لہٰذا خلیفہ کی مدت خلافت کا تعین ہوتا تو وہ ضرور ذکر فرماتے۔ یا کوئی صحابی ان سے ضروری دریافت کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیفہ مقرر کرنے کا ذکر بار بار فرمایا مگر (خلیفہ کو مقرر کرتے وقت) مدت خلافت طے کرنے یا اسے تبدیل کرنے کا کوئی تصور مسلمانوں کو دینا یقیناً انہوں نے مناسب نہیں سمجھا۔ بلکہ خلفاء راشدین کا پورا سلسلہ (جس کے بارے میں زبان نبوت سے امت کو اسی طرح پیروی کرنے کا حکم ہے جس طرح نبوت کی پیروی کا) امت کے لئے یہ سنت مقرر کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ خلیفہ کسی معینہ مدت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ تاحیات ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ خلفاء راشدین خصوصاً شیخین کی یہ سنت مبارکہ رہی ہے کہ بعض امور کو اس لئے ترک فرمایا کہ بعد میں امت ان چیزوں کو ضروری نہ سمجھنے لگے۔ اس لئے ہمارے خلفاء راشدین کا یہ عمل ایک دانستہ اختیار کردہ اسوہ کی حیثیت رکھتا ہے جس سے انحراف پر اس سے قوی اور مضبوط دلیل چاہئے خصوصاً جب کے ہمارے اسلاف کی طرف سے ہمیں یہ ہدایت بھی ملی کہ اس امت کا پچھلا حصہ بھی اس چیز سے فلاح پائے گا جس سے امت کے پہلے حصہ نے فلاح پائی۔ تو اب خلفاء راشدین کے اسی مسلوکہ روش اختیار کئے ہوئے راستے کو حسن عرض اتفاق کہہ کر چھوڑ دینا کس دلیل سے۔ خصوصاً جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ سے بھی مکمل رہنمائی ہوتی ہے۔

(1) منافقین اور شر پسندوں کے کرتوت اور تیور دیکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (656ء۔ 644ء) پر واضح ہو چکا ہے کہ اگر وہ خلافت سے دستبردار نہ ہوئے اور شر پسندوں کے خلاف طاقت کا استعمال بھی نہ کیا تو یہ لوگ انہیں قتل کر دیں گے۔

(2) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اتباعِ رسول پر قائم سچے اور صادق تھے، نیز اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے تمام بے بنیاد الزامات کا تفصیلاً جواب دے چکے تھے۔

(3) اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ طاقت استعمال کرتے ہیں جس کے نتیجے میں کچھ لوگ قتل ہو جاتے تو قیامت تک نظام خلافت میں ایک سنت قائم ہو جاتی اور رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نظام کے داعی معمولی اختلاف پر بھی مسلمانوں کا خون بہانے سے گریز نہ کرتے اور یہ ان کا حق ادنیٰ سمجھا جاتا۔

(4) اگر ایسے حالات میں خلافت چھوڑ دینے کا کوئی فرمانِ رسول ﷺ ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کسی ناچیز کے بغیر ایسا کر گزرتے۔ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تمہیں ایک نعمتیں پنہائے گا (خلافت عطا فرمائے گا) پس اگر لوگ تمہیں اس تمہیں کو اتارنے (خلافت چھوڑنے) کا مطالبہ کریں تو ان کی خاطر یہ تھیں نہ اتارنا' بخاری مشکات' مسلم)

(5) اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی صواب دید سے خلافت چھوڑنے کا فیصلہ کر لیتے تو ایک سنت قائم ہو جاتی کہ جب لوگ مخالفت پر اتر آئیں تو حضرت عثمان کی طرح انہیں اپنے منصف ہونے کی وضاحت پیش کرنی چاہیئے اور اگر یہ وضاحت قابل قبول نہ ہو تو انہیں خلافت چھوڑ دینی چاہیئے اسی طرح خلافت کے کسی دور میں لوگوں کا خلیفہ سے اختلاف کی صورت میں یا کسی بغاوت کے پیش نظر جس طرح لوگ سڑکوں پر نکل کر احتجاج کرتے ہیں لہٰذا خلافت چھوڑ دی جائے۔ آج کے اس مادہ پرست دور میں ہم بخوبی واقف ہیں کہ چند شر پسند لوگ' میڈیا' اندرونی اور بیرونی ایجنسیاں ڈالروں اور پیسوں کے بل بوتے پر ایسے تماشے روز کروا سکتے ہیں۔ آج سے پندرہ سال پہلے پاکستان میں امریکی سفیر نے کہا تھا۔

''تم پاکستانی بڑے بنتے ہو' ہم جب چاہیں تمہاری ساری کی ساری نیشنل اسمبلی خرید سکتے ہیں۔''

(6) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ امت کے لئے ایک واضح پیغام ہے کہ 'حق' جان سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

اس لئے یہ کہتے ہوئے کہ ہمیں ذرہ عمر بھی شک نہیں ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کا خلیفہ تاحیات خلیفہ ہوتا ہے۔

خلفاء راشدین کے بعد بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں منافقین نے صحابہ کرام میں دین کے نام پر ہی اختلافات پیدا کئے اور جنگیں بھی ہوئیں۔ مسئلہ کو سلجھانے کے لئے یہ رائے بھی دی گئی کہ دو خلیفہ ہوں۔ اگر مدت خلافت نہ کرنے کے سلسلے میں حضور ﷺ کے کسی فرمان سے گنجائش بھی نکلتی تو صحابہ شائد اس Option کو ضرور بحث میں لاتے۔ اس بات کی دلیل ہے

کہ تاحیات خلافت ایک طے شدہ امر تھا جس میں کسی اور سوچ کی گنجائش بھی نہیں تھی۔

مسلمانوں کے پاس اطباعِ رسول کی صورت میں زریں اصول موجود ہیں جو حضور ﷺ نے کیا یاد کرنے ک کہا، جو صحابہ کرام نے کیا یا کرنے کو کہا وہ کرلو، جو حضور ﷺ نے نہ کیا نہ کرنے کو کہا اس کو مت کرو، اگر حضور ﷺ اور صحابہ نے خلیفہ کو تبدیل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں فرمایا تو بات واضح ہوگئی کہ تاحیات خلافت ہی کا قیام مقصود ہے اسی لئے اس کو ایسے ہی رکھنا چاہیئے جیسے حضور ﷺ اور خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کرام نے رکھا اور چھوڑا۔ جب خلفاء کا چناؤ اور تقرری شوریٰ فاروقی کے مطابق ہوگی تو کسی خلیفہ کو معزول کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔

اب بیعت اطاعت کو لیجئے۔ خلفاء وراشدین کے دور میں اور بعد میں بھی تمام صحابہ اور دیگر مسلمان خلفاء کے ساتھ پر بیعت اطاعت رہے کہ سنیں گے اور اطاعت کرینگے، صرف ایک شرط کے ساتھ کہ احکام اللہ اور رسول کے احکامات کی مخالفت میں نہ ہوں۔

کسی کو تاحیات خلافت میں ذرہ برابر بھی شبہ نہ تھا۔ ورنہ کوئی اعرابی بوجھ ہی لیتا کہ یہ بیعت کتنی مدت کے لئے ہے اور اگر بالفرض کوئی پوچھ ہی لیتا تو کوئی اسے یہ نہ کہتا کہ چار یا دس سال تک بلکہ اسے ہی جواب ملتا کہ جب تک خلیفہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف کوئی حکم نہ دے۔ اور اگر کوئی ایسا حکم ہو تو وہ نہ مانے ان تمام واقعات کے پیش نظر نظریہ رکھنا کہ تاحیات خلافت، حضور، خلفاء راشدین اور باقی اصحابہ کی منشاء میں نہیں تھی اور انہوں نے تاحیات خلافت کے نظریہ کی پیروی نہیں کی کم عقلی ہی نہیں ناعاقبت اندیشی میں ہے۔

فاروقی طریقے سے چناؤ کی برکات اور کامیابی کا بہت بڑا تاریخی ثبوت ہے کہ صدیوں سے Vatican City میں سوائے ایک دو کے کبھی کسی Arch Bishop کو جبراً ہٹانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ صدی میں کہیں ایک واقعہ کے خوف سے ہم خلافت میں سنتِ رسول اور سنت صحابہ کے خلاف کوئی اصولی تبدیلی کریں جو خلافت کے Conceptual pramowork سے بھی متضاد ہو کسی بھی وجہ سے جائز نہیں۔

جس جمہوری نظام کی کچھ لوگ اندھی تقلید کرنا چاہتے ہیں اس میں تاحیات عہدہ، سیٹ، membership رکھنے کا تصور بھی قائم ہے۔ صرف وزیر اعظم اور صدر کے دو عہدے ہیں جہاں جمہوری طریقے، عوامی ووٹ سے بھی حد صرف دو ٹرمز Terms یعنی آٹھ سال کی ہے۔

آپ Internet سے معلوم کر سکتے ہیں کہ امریکہ میں نوے فیصد سے زیادہ Senetors ' Congressmen گزشتہ تیس تیس سالوں سے اپنی نشستوں پر بار بار منتخب ہو کر قائم ہیں۔ یہ دو بڑے عہدے وہ تاحیات کسی کو دینے کو تیار نہیں کیونکہ انہیں اپنے جمہوری انتخابی طریقوں کی خامیاں خوب معلوم ہیں کہ اس سے معاشرے کو سب سے بہتر نہیں بلکہ سب سے امیر لوگ ہی منتخب ہو سکتے ہیں۔

اس حقیقت کا اعتراف منتخب (Orthodox) جمہوری ملک برطانیہ کے آئین (Unroutters Constitution) میں پایا جاتا ہے۔ برطانیہ کی کوئی سیاسی پارٹی برطانیہ کے کسی بھی فرد کو وزیر اعظم بنا سکتی ہے۔ بے شک پارلیمنٹ کا ممبر یعنی عوام کا منتخب نمائندہ نہ ہو اور ایسا متعدد بار ہوا ہے۔

جمہوری طریقوں سے بنائے گئے حاکموں کے نت نئے تماشے دیکھنے کے بعد کچھ لوگ اس خبط میں مبتلا ہوتے ہیں کہ خلیفہ کو ہٹانے کا کوئی باقاعدہ طریقہ ضرور ہونا چاہئے۔ درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جن کے ذہنوں سے یہ بات نکل گئی ہے کہ طاقت کا سرچشمہ عوام نہیں بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ہے۔

چنانچہ ایسا خلیفہ جو اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت میں خلافت کے معاملات چلا رہا ہے کسی انسان یا انسانی ادارے (Body organization) شوریٰ وغیرہ کو اجازت نہیں کہ وہ اسے خلافت سے معزول کرے اور اگر بالفرض وہ ظلم پر اتر آئے (ظلم بامعنی قرآن یعنی قرآن کی اصطلاح میں جسے ظلم کہا جاتا ہے) تو جہاد ہی مسلمانوں کا ہتھیار ہے ظلم کے خلاف' چاہے وہ کفار ظالم ہیں یا مسلمان ظلم کریں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کوئی سربراہ' خلیفہ' معاشرے میں ظلم نہیں پھیلا سکتا جب تک ہزاروں' لاکھوں لوگ اس کے ساتھ تعاون کرنے والے نہ ہوں۔ بصورت دیگر جیسی قوم ویسے حکمران ہونگے۔ اس لئے اگرچہ یہ تقریباً ناممکن ہے تاہم شورائی طریقے سے بنایا گیا کوئی خلیفہ راہ راست سے بھٹک جائے تو یہ اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ پوری امت کو دوبارہ حضور ﷺ کے متعین کردہ راستے پر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ خلیفہ کو مقرر اور معزولی کے عمل سے دین کی سربلندی ہوگی نہ ہی ظلم کا خاتمہ ہوگا جو کہ اسلام کا اصل مقصد ہے خلافت کا سسٹم (System) اتنا مضبوط ہے کہ باوجود اس کے خلفاء شورائی' شرعی طریقے سے پہن بنائے جاتے رہے اور علماء سو بھی وجود میں آئے۔ اس سب کے باوجود یہ نظام چودہ سو سال قائم رہا جن میں سے نو سو سال تک دنیا کفار پر حاوی رہا جس کے دو بڑے ستون دعوت و جہاد تھے۔

تاحیات خلیفہ مقرر کرنے کو اگر موجودہ دور کی روشنی میں دیکھا جائے تو معاملہ مزید واضح ہو جائے گا یہ حقیقت بھی ساری دنیا جانتی ہے کہ 'انسان دوست' نام نہاد جمہوری و انسانی اقدار کے علمبردار (جنھوں نے فل وقت ڈھائی ہزار مسلمان بچے قید کر رکھے ہیں) شیطانی قوتیں اپنی استعماری سوچ و مفادات کے پیش نظر تیسری دنیا کی تمام کمزور ریاستوں اور سربراہوں کو غیر مستحکم کر کے اپنے مفادات کو پروان چڑھاتی رہی ہیں۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ اسلامی ممالک کے تقریباً تمام حاکم اور لیڈرز اپنے اقتدار اور عیش عشرت کی خاطر سردھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں کہ شیطانی قوت ان کی کارکردگی سے مطمئن اور خوش رہے۔ عالم اسلام کو انتہائی تمنا کے باجود مسلمان ممالک کی حکومتیں کسی ایک مشترکہ مسئلہ پر بھی متحد نہیں ہو سکیں۔ جس کی بنیادی وجہ یہی اقتدار پر قابض اکلیتی گروہ اندرونی پرولیٹریٹس (Internal Protetartats) مسلمانوں کے نفاق کا سب سے بڑا سبب ہے۔ خلیفہ اسلام تاحیات خلیفہ ہوتا ہے اور اسے اس کی زندگی میں خلافت سے ہٹانے کا کوئی باقاعدہ طریقہ نہیں ہوتا' وہ بیرونی دھمکیوں سے بخوبی نبٹ سکتا ہے۔ عام طور پر طاغوتی طاقتوں کے جاسوسی ادارے مسلم ریاستوں کو سیاسی طور پر غیر مستحکم کر کے عوام کے ہاتھوں سربراہ کو ذلت ہٹوا دیتی ہیں' جیسا کہ ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ 1977ء کی دہائی میں ہوا اور یہ تمام کرشمہ ڈالرز کا تھا یا (Direct) قتل جیسے جنرل ضیاء الحق وغیرہ (1988ء) اور خود کینڈی (John F.Kennedy) کو بدنام زمانہ سی آئی اے نے اختلاف کی بنیاد پر منظر عام سے ہٹانے کے لئے 1962ء میں کیا۔ نظام خلافت میں مومنین خلفاء کا کردار قابل رشک و تقلید رہا ہے۔ اس ضمن میں پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ کمزور سے کمزور ایمان رکھنے والا مسلمان بھی اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ موت اور زندگی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جب ایک کامل مومن خلیفہ کے ساتھ عالم اسلام کی طاقت اور وسائل ہوں اور اندرونی انتشار کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے ہوں تو یقیناً وہ امت کی بقا اور فلاح اور دینی غیرت وعظمت کے لئے خلاف کوئی کام کرنے پر آمادہ نہ ہوگا نیز اس بات کا مکمل ادراک رکھتا ہوگا کہ اگر اسے طاغوتی قوتوں نے مسند خلافت سے علیحدہ کر بھی دیا تو اُسی اے کے اراکین شوریٰ میں سے ہر فرد نظم و نسق سنبھالنے کے لئے موجود ہوگا اس سلسلے میں ہمسایہ ملک ایران کی اسمبلی کو بم سے اڑا دینے کے بعد پوری قیادت کا میسر آ جانا ایک بھرپور دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں میں صلاحیت' ہمت و عزم کا کوئی فقدان نہیں ہے۔ یقین جانیئے کہ خلیفہ کے تاحیات خلیفہ ہونے میں ہزاروں خرافات کا توڑ ہے۔ ہم بآسانی کہہ سکتے ہیں کہ شوریٰ فاروقی کے طریقے منتخب تاحیات خلافت کے سسٹم میں غلطی کا امکان تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔

It's almost a zero percent error probability syndrome.

تمام بیرونی فتنہ انگیزیوں کا توڑ ہے۔ اس لئے یاد رکھنے کی بات ہے' ذاتی تجربہ کی بنیاد پر عرض کر رہا ہوں کہ تمام اسلام دشمن عناصر اسی نقطہ کو بہت زیادہ اچھالنے کی کوشش کرینگے' سادہ لوح مسلمانوں کو تذبذب اور Confusion کا شکار کرنے چاہیں گے تاکہ مسلمان نظام خلافت کے احیاء سے دور رہیں کہ اس میں خلیفہ کو ماسوائے جہادی طریقہ سے معزول نہیں کیا جاسکتا۔

تاحیات خلیفہ رہنے کے سلسلے میں سادہ سا جواب وہی ہے کہ کسی شورائی نظام کے بغیر بنے ہوئے خلفاء سے بھی مسلمان ایک ہزار سال تک Super Power رہے اور نہ صرف آدھی دنیا پر حکومت کی بلکہ باقی ماندہ دنیا پر ان کا خوف و دبدبار رہا۔ تاہم بعد ازاں شورائی نظام کے تحت خلیفہ مقرر ہونے کے بعد خلافت کے متعین کردہ طریقوں اور دعوت و جہاد پر قائم رہے۔ خلافت سسٹم کو زوال آنے کے اسباب تقریباً ختم ہو جائیں گے۔

جمہوریت کا راگ الاپنے والوں کو اس لئے بھی مشکل پیش آئے گی کہ یہی وہ مشق ہے جو جمہوری نظام کے ہاں چار سال بعد elections کی مکمل ضد ہے۔ وہ اس کی بھی شائش نہیں کرینگے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مغرب میں ٹھہراؤ اور دوام کسی چیز کو نہیں' نہ سیاست میں' نہ حکومتوں میں ٹھہراؤ ہے' نہ معاشی نظام میں ٹھہراؤ ہے' نہ معاشرے کی اقدار میں' نہ ان کی آزادی (liberty) کی حد میں ٹھہراؤ' نہ ازدواجی زندگی میں اور نہ ہی ان کی طبیعتوں میں بہت سی مائیں تو اپنے بچوں کو ان کے حقیقی باپ کا نام بھی بتانے سے قاصر ہیں۔ ہاں دوام ہے تو صرف اسلام دشمنی میں' اسلام کو بدنام کرنے (Islam bashing) میں اور اسلام کو کرش (Crush) کرنے کی کوشش میں۔ یہ تمام طاغوتی قوتوں کا مشترکہ ایجنڈا ہے۔

نظام خلافت کے حامی افراد ممکن ہے اس سطح پر بھی سوچتے ہوں کہ خلیفہ کو اس کی زندگی میں ہٹانے کا کوئی طریقہ ضرور ہونا چاہیئے۔ اس ضمن میں ایک مکمل کتاب بھی لکھی جاسکتی ہے تاہم یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہونگا کہ عوام الناس نے سیاستدانوں اور فوجی طالع آزماؤں سے اتنے دُکھ اٹھائے اور اتنے دھوکے کھائے ہیں کہ اب وہ کسی پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ خوف خدا رکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اقتدار کے حریص نہیں ہوتے اور جمہوری نظام سے دور رہتے ہیں (جن علماء اور بزرگوں نے جمہوری نظام میں قدم رکھا اللہ نے انہیں رسوا کر دیا)

یہ سیاسی لیڈر جمہوریت کی پیداوار ہیں' جمہوریت سے پہلے ایسے بے ضمیر انسان نہیں ہوا کرتے جس کے پاس سولہ مربہ اراضی ہو کھیتی باڑی کے لئے یا سولہ فیکٹریاں ہوں اور غریبوں کے ایسے نام نہاد نام لیواؤں کی ہم ووٹ دے کر سولہ کروڑ عوام کو ان کے اور ان کے 'ایماندار' ٹولے کا غلام بنا کر حوالے کر دیتے ہیں' پھر وہ کیوں نہ ہو آئندہ بھی جواب تک ہوا۔ جمہوریت کے تجربات سے خلافت کے سسٹم میں تبدیلیاں کرنا ایک بنیادی تجزیاتی غلطی (Basic Conceptual error) ہے جو مخمل میں ڈاٹ کا پیوند لگانے کے مترادف ہے۔ جمہوریت اور خلافت ایک دوسری کی مذہبی' نظریاتی اور تہذیبی (cultural) ضد ہیں۔ انسانی تاریخ کی صدیاں خلافت کی قوت' افادیت' برکت اور کامیابی پر گواہ ہیں جب کہ مغربی دانشور جمہوریت کے بارے میں دوبارہ سوچنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ (Secnd thoughts about democracy) غالب امکان یہ ہے کہ اگر انہوں نے اکیسویں صدی میں جمہوریت سے چھٹکارا حاصل نہ کیا تو ان کی تہذیب دم توڑ جائے گی۔ خلافت دینی اور دنیاوی فلاح ہے' دونوں زندگیوں کو سنوارتی ہے' جوڑتی ہے جمہوریت انسان کو دونوں جہانوں میں ڈبوتی ہے۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تمام گریک فلسفی سقراط (Socrates)' ارسطو (Aristotle) اور دیگر فلسفی تمام جمہوریت کے سخت مخالف تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ حاکم' حکمران معاشرے کے سب سے ذہین' باکردار اور نیک لوگ ہونے چاہیئے۔ ایسے لوگوں کے چناؤ کے لئے اور پھر ان لوگوں کے سلسلیہ قائم رکھنے کے لئے انہوں نے سالوں سال سوچ بچار میں لگائے۔ آخر افلاطون (Plato) نے ایک طریقہ پیش کیا جو نے Plotos Republic کہلاتا ہے۔ اس نے ایک Heirarchy ایک سب انسانوں سے تم ایک انسان کی جماعت (جنبش pholosopher کہا جائے) تیار کی جائے جن کی آپس میں شادیاں ہوں ان کے بچوں کے لئے خصوصی تعلیم و تربیت کا بندوبست ہوں اور وہ نسل در نسل حاکمیت کے فرائض سرانجام دیتے رہیں اس اعلیٰ درجہ (Philospher Kings) کی قیادت میں ہی رہنا تباہی سے بچے گی اور فلاح و آفت پائے گی' پاکیزہ معاشرہ ہوگا اور انسانیت امن و سکون سے رہے گی۔ اس طریقے میں بہت خوبیاں تھیں' تمام مسائل کا حل تھا' تمام فلسفیوں نے اسے پسند کیا مگر اس میں ایک خرابی تھی کہ یہ نا قابل عمل تھا۔

آج ڈھائی ہزار سال بعد بھی گریک فلسفے اور فلسفیوں کی برتری ساری دنیا میں تسلیم کی جاتی ہے لیکن وہ بھی انسانوں میں اعلیٰ درجہ کے حاکم کے انتخاب کا ایسا طریقہ پیش نہ کر سکے جس

سے انسانیت کی فلاح کے تمام مطلوبہ مقاصد حاصل ہوں اور وہ قابل عمل اور دیرپا بھی ہو۔ یہ شرف حضور ﷺ کے ایک تربیت یافتہ غلام دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا اور اللہ نے انہیں وہ ایمانی بصیرت اور فراست عطا فرمائی کہ انسانوں میں حاکم کے انتخاب کا ایسا طریقہ دیا جو ہر لحاظ سے افلاطون (Philosophers Kings) سے کہیں زیادہ بہتر و افضل، قابل عمل اور بے عیب ہے۔ شوریٰ فاروقی کا طریقہ ناصرف زیادہ آسان اور سب کے لئے قابل قبول ہے اسے ایک اور فوقیت بھی حاصل ہے کہ یہ امت کا سب سے افضل و اعلیٰ فرد اللہ اور اس کے دیئے گئے احکام اور سکھائے ہوئے طریقہ کے مطابق خلافت کے معمولات چلائے گا جب کہ افلاطون (Plato) کے احکام نے کسی انسانی بنائے ہوئے قانون کی ہی پیروی کرنی ہے جو کہ بلاشبہ ہمیشہ سے ناقص ہے اور ناقص ہی رہے گا۔ کوئی بعید نہیں کہ آنے والی صدی تک دنیا جمہوریت کو خیر باد کہہ دے اور حکام کا انتخاب شوریٰ فاروقی کے طریقے پر ہونے لگے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ دونوں عظیم جنگیں جمہوری دور میں ہوئیں اور ہٹلر اور موسولونی دونوں کا انتخاب جمہوری طریقہ بلکہ دوتہائی اکثریت سے ہوا تھا۔

خلافت کے لئے عملی تجاویز

اگلی اور شائد آخری بات کہ بہت سے لوگ یہ مانتے ہیں کہ اگر نظام خلافت رائج کر دیا گیا تو اسلامی سسٹم دوبارہ قائم ہو جائیگا' خلفاء بھی بنتے رہیں گے اور اترتے رہیں گے اور خلافت دوبارہ چل پڑے گی مگر ان کے خیال میں اس کی ابتداء ہی مشکل ہے کہ کون کرے اور کیسے ابتداء کی جائے اور یہ کہ خلیفہ مقررہ مدت کے لئے یا تاحیات مقرر کیا جائے۔ کچھ لوگ بیرونی طاقتوں سے بھی ڈرتے ہیں۔ اس سلسلے میں تو یہ عرض کرونگا کہ اگر ہم اپنے اپنے گھروں کو درست کرلیں تو اندرونی طور پر طاقتور ہو جائیں' یعنی جُڑ جائیں' متحد ہو جائیں بیرونی طاقتیں ہمیں ہرا نہیں سکتیں اللہ کے فضل سے خاص طور پر جب ہم خدا واحد کے حکم پر حضور ﷺ کے طریقے کے مطابق ایک ملت بن جائیں۔ خلافت کی ابتدا کے لئے۔

1۔ پہلا طریقہ تو وہ تھا جس میں ہم لوگ یعنی آپریشن خلافت والے دنیاوی لحاظ سے کامیاب نہ ہو سکے۔

2۔ دوسرا کہ کوئی مسلمان خوفِ خدا رکھنے والا چیف آف آرمی سٹاف (COAS) خلافت کا اجراء کرے کوئی خلیفہ مقرر کرے اور اس کی نگرانی میں اسلامی سسٹم کا دوبارہ قیام کرے۔

3۔ تیسرا یہ کہ عوام موجودہ تمام سیاسی لیڈروں کا گھیراؤ کریں اور انہیں اس پر مجبور کریں' سیاسی لیڈر ہر الیکشن میں مختلف گٹھ جوڑ کرتے ہیں' "بغض معاویہ" میں تمام سیاسی لیڈر اکٹھے بھی ہو جاتے ہیں' مل کر ایک وزیراعظم اور صدر بھی چن لیتے ہیں تو کرسیوں سے وفاداری کی

بجائے حضور ﷺ سے وفاداری کریں اور مل کر خدا کا خوف رکھنے والے ایک شخص کو خلیفہ مقرر کریں۔ اسلامی تہذیب کے اندرونی پرولوٹیریٹس (Internal Proletariats) بہانے تراشیں گے صحیح مسلمان مان جائیں گے۔

4۔ اگر تیسرا بیان کیا ہوا طریقہ بھی کامیاب نہیں ہوتا تو پھر سوائے اس کے کونسا راستہ کھلا ہے کہ عوام اندرونی پرولوٹیریٹس (Internal Proletariats) کو جبراً اقتدار اور کرسیوں سے گھسیٹ کر نیچے اتار دیں تا کہ اللہ تعالیٰ کا نظام قائم ہو جائے اور اللہ کے احکام کی اطاعت میں آسانیاں پیدا ہو جائیں۔

5۔ ہم سب جانتے ہیں کہ امت رسول ﷺ میں علماء دین ہی رسول ﷺ کے وارث ہیں، اگر تمام عالم اسلام کے علماء خلافت کے قیام کے لئے متحد ہو جائیں تو امت کا ہر فرد اس جنگ میں انکا ساتھ دے گا اور اس نظام کو اپنانے میں حتی المقدور کوشش کرے گا، کون یہ چاہے گا کہ وہ خلافت جیسے نصب العین کو نہ اپنائے، اس ضمن میں یہ عرض کروں گا کہ عالم اسلام کے تمام علماء کرام کو باہمی تفرقات کو مٹا کر فرقے بندیوں کو Bypass کرتے ہوئے متفقہ لائحہ عمل اختیار کرتے ہوئے اسلامی ریاستوں کا دورہ کریں اور علماء وقت کو خلافت کے قیام کے لئے راہ ہموار کرنے کی ذمہ داری سونپیں، ان ذمہ داریوں کو ایک واضح حکمت عملی کے ساتھ قابل عمل بنایا جا سکتا ہے تا کہ ان پر عمل پیرا ہو کر یہ مقصد حاصل کیا جا سکے۔

6۔ خلافت کے قیام میں بڑی رکاوٹ خود ہمارے بھائی ہو نگے اور تیسری دنیا کے ممالک، تیسری دنیا کہ ممالک میں ایک خطرہ فوجی شبخونوں کا ہوتا ہے' جیسا کہ الجزائر میں ہوا اور ترکی میں ہوتا ہے۔ فوجی آمریت سے بچنے کے لئے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کفار کا آلہ کار اور ہتھیار نہ بنیں اور کفار کے ایماء پر مسلمانوں کو برباد نہ کریں' میں فوجی آمریت کا توڑ' کے عنوان سے صفحہ نمبر 77 پر کچھ تجاویز پیش کر چکا ہوں۔ مجھے اللہ کے فضل سے یقین ہے کہ اگر ان پر عمل کر لیا جائے تو یہ مسئلہ انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا۔

خلیفہ کی تقرری کا شورائی طریقہ

خلیفہ تقرری کے لئے مختلف ارائیں' خلفاء راشدین کی تاریخ میں ہمیں تین طریقے ملتے ہیں۔

(1) با قاعدہ طور پر کوئی خلیفہ نامزد نہ کرنا کہ اہل حل و عقد خود فیصلہ کریں (حضور ﷺ نے ایسا کیا)۔

(2) خلیفہ کا خود دوسرے خلیفہ کا چناؤ اور مقرر کرنا (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا)

(3) خلیفہ وقت ایک شوریٰ کی تشکیل کرے جو اس کی وفات کے بعد اپنے اراکین میں سے ہی خلیفہ کی تقرری کرے۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا)۔

نیا خلیفہ' وقت اور تجربہ کی بنیاد پر شوریٰ میں مناسب تبدیلیاں کرتا رہے تاکہ اس میں ہر ایک فرد خلیفہ وقت کا مکمل پرتو ہوتا کہ کسی بھی نامساعد حالات میں خلیفہ کی موت کے بعد تیار کھیپ میں سے اسے خلیفہ اسلام مقرر کر دیا جائے تو کبھی تبدیلی کی ضرورت نہ پڑے۔

ابتداً وہی طریقہ درست تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا (وقت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کی سو فیصد تصدیق کر دی)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں وہی درست تھا (بعد ازاں تاریخ نے بھی اسے ثابت کیا) انتخاب کا جو طریقہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا اور اسی کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے لے کر قیامت تک خلیفہ کے چناؤ کے لئے شورائی طریقہ کار ہی درست تھا جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا۔ خلیفہ کی تقرری کا یہ شورائی طریقہ اگر نظام خلافت کا مستقل حصہ بنا دیا جاتا تو امتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت سی خانہ جنگیوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہتی اور خلافت کبھی زوال پذیر نہ ہوتی۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہوتا کہ خلفاء ہر دور میں امت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بہتر افراد ہوتے جو نماز' زکوٰۃ اور جہاد میں فرق نہ کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ یہ دکھا دیا کہ اللہ نے جہاد میں ہی امت کی بقا و عزت' دین کی سربلندی اور تمام انسانیت کی فلاح رکھی ہے۔

صد افسوس کہ عالم اسلام نے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قائم کردہ شورائی طریقہ نہ اپنایا مگر عیسائیوں نے اسے اپنا لیا اور عام تام جاہل عیسائیوں نے نہیں' بلکہ دنیا میں ان کی سب سے اونچی اعلیٰ (Clergy) پادریوں نے اس طریقہ کو Vaticancity میں صدیوں سے قائم کر رکھا ہے۔ قارئین کے لئے یہ بات حیران کن ہوگی کہ ان کا Arch Bishop سب سے بڑا پوپ جیسے پوپ پال اور اب پوپ بینا ڈکٹ سولہ Benedict وغیرہ سب اسی طریقہ سے چنے (Select) کئے جاتے ہیں۔ جس طریقے کی داغ بیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ڈالی۔

(1) شوریٰ فاروقی چھ صحابہ پر مشتمل تھی جو تمام صحابہ کرام میں سب سے بڑے درجہ کے صحابہ تھے یعنی عشرہ مبشرہ۔ ان صحابہ کرام کو ان کی زندگیوں میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنتی ہونے کی خوشخبری دے دی تھی۔ Vatican City کا Arch Bishop پوری دنیا میں سب سے اعلیٰ درجہ کے پوپس (Bishops) کا انتخاب کرتا ہے جنہیں کارڈینلز (Cardinals) کہا جاتا ہے۔ صدیوں سے انکی تعداد اسی چلی آ رہی تھی' بعد میں سو ہوئی اور اب کچھ عرصہ سے ایک سو بیس کارڈینلز (Cardinals) پر مشتمل شوریٰ Assembly کہلاتی ہے۔

(2) شوریٰ فاروقی کا اجلاس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہوا۔ یہ کارڈینلز (Cardinals) بھی Arch Bishop کی وفات کے تیسرے دن Vatican City میں اجلاس کی ابتداء کرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مرحوم خلیفہ یا مرحوم Arch Bishop ایسی شوریٰ کو manipulate نہیں کر سکتا اور ایسی شوریٰ (Assembly) کے افراد ان کے لئے صرف آخرت میں ہی کام آسکتے ہیں۔

(3) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ شوریٰ کا اجلاس بند کمرے میں ہوگا۔ باہر فوجی پہرہ قائم کیا گیا۔ سوائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے کسی کو ان سے ملنے کی اجازت نہ تھی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صرف رائے دے سکتے تھے۔ خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ بعینہ طریقہ کار کو اختیار کرتے ہوئے کارڈینلز (Cardinals) بھی ایک مخصوص جگہ (Enelave) پر اکٹھا ہوتے ہیں کسی کو اُن سے رابطہ کی اجازت نہیں ہوتی اور ہر قسم کے مواصلاتی نظام کے بغیر جب تک متفقہ فیصلے کا اعلان نہیں ہو جاتا یہ کسی سے نہیں مل سکتے۔

(4) جس طرح نظام خلافت میں خلیفہ تاحیات مقرر ہوتا ہے اُسی طرز پر Arch Bishop کا تقرر بھی تاحیات کیا جاتا ہے۔

(5) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے فوجی کمانڈر کو حکم دیا تھا کہ اگر یہ شوریٰ تین دن کے اندر کسی خلیفہ کا انتخاب نہ کر سکے تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ کارڈینلز (Cardinals) کی بھی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ایسے کارڈینل کو Arch Bishop بنایا جائے جسے دو تہائی کارڈینلز (Cardinals) کی حمایت حاصل ہو۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو محض اکثریت کی بنا پر انتخاب کیا جائے۔

(6) شوریٰ فاروقی صرف نئے خلیفہ کے انتخاب کے لئے قائم ہوئی۔ خلافت کے مملات میں اس کا کوئی دوسرا کام (Role) نہیں تھا۔ کارڈینلز (Cordinals) کی اسمبلی (Assembly) کا بڑا کام یہی ہے البتہ جب بھی Arch Bishop ان سے مشورہ لینا چاہے لے سکتا ہے۔

(7) ازراہ دلچسپی عرض کروں کہ 80 سال سے زائد عمر والے کارڈینلز کو Arch Bishop نہیں بنایا جا سکتا۔ Arch Bishop خود کارڈینلز مقرر کرتا ہے اور اگر کسی کی کارکردگی سے مطمئن نہ ہو تو اس کی جگہ کسی اور کو کچھ کا تقرر کر سکتا ہے۔ یہ کارڈینلز (Cardinals) اپنے اپنے چرچوں (Churches) کے سربراہ (Heads) ہوتے ہیں اور اپنی اپنی ذمہ داری کے علاقوں میں کام کرتے رہتے ہیں۔

دنیا کی آبادی کے لحاظ سے رومن کیتھولکس (Roman Catholics) کی آبادی 17.2% ہے اور مسلمانوں کی 20% اس لئے موجودہ دور میں شوریٰ فاروقی ایک سو تیس یا ایک سو پچاس اراکین پر مشتمل ہو سکتی ہے۔

شورائی طریقے کے فوائد:

(1) شوریٰ فاروقی کی طرز پر شورائی طریقے سے خلیفہ کا چناؤ اتنا قابل اعتماد (Reliable) درست (accurate) تقریباً foolproof ہونے کے ساتھ ساتھ بے عیب باحکمت اوراعلیٰ ہے کہ اس طریقے کار کے بعد خلیفہ کو معزول کرنے کا کوئی طریقہ ایجاد کر کے نظام خلافت میں ٹھونسنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

(2) یہ تقریباً بعید از امکان ہے کہ امت کے اکابرین میں سب سے بزرگ ہستی جس کو تمام عمر لوگوں نے پیروی کی ہو ہزاروں کی دینی رہنمائی کی ہو اور جسے امت کے سب سے اعلیٰ اور زمانہ شناس لوگوں نے اپنے میں سے سب سے بہتر جانچا ہو بقدم ایسا ہو جائے کہ اسے تبدیل کرنے کی ضرورت پڑے۔

(3) اگر عالم اسلام میں شوریٰ فاروقی کے طریقے پر خلفاء مقرر کیئے جاتے تو شائد اسلامی تاریخ میں عمر بن عبدالعزیز سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان محمد فاتح جیسے بہت سے خلفاء دین کی سربلندی اور انسانی معاشروں میں بُرائیوں کے خاتمے کے لئے برسرپیکار نظر آتے۔

(4) شوریٰ فاروقی کے طریقے سے خلیفہ کے انتخاب میں غلطی کا امکان تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔

(It's almost a zero percent error free Syndrome)

البتہ جمہوری نظام میں غلطیوں کا اتنا زیادہ امکان ہوتا ہے کہ مجبوراً ہر 4 سال بعد دوبارہ الیکشن کروانا انہوں نے اپنے سسٹم میں شامل کر رکھا ہے۔غور کریں تو یہی اس امر کا واضح اور ثابت شدہ (Proven) حقیقت (truth) ہے کہ جمہوری نظام میں عوامی رائے سے لیڈرز کے انتخاب کا طریقہ اتنا صحیح اور قابل اعتماد نہیں جتنا عام جاہل لوگ سمجھتے ہیں۔

(5) قرآن میں ہے''(اے پیغمبر) تو کہہ (ان لوگوں سے پوچھ) کیا برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ، سوچتے وہی ہیں جن کو عقل ہو۔''(الذمر آیت:9)

اچھے اور بُرے لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے، پڑھے لکھے اور جاہل، شیطان کے چیلے اور حضور ﷺ کے غلام ایک جیسے نہیں ہوتے۔عوام ایک بار نہیں بار بار بے وقوف بنائی جاتی ہے۔ مومن کی فراست ایک تاریخی حقیقت ہے عالم اسلام کے سب سے بڑے جب کسی کا انتخاب کریں گے وہ ہمارے قیادت کے تمام موجودہ تصورات سے بہت بالا اور اعلیٰ ہونگے۔

(6) یہاں اقبال کا شعر دہرایا جاسکتا ہے۔

''گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کار شو — کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید''

اقبال نے کیا خوب کہا۔ جمہوریت سے نکل بھاگ ''دانائے راز اور پختہ کار کی پیروی کر کیونکہ دو سو گدھے مل کر بھی وہ بات نہیں سوچ سکتے جو کسی ایک انسان کی عقل میں آسکتی ہے۔ شوریٰ فاروقی کا طریقہ عقل اور تجربات پر بالکل پورا اترتا ہے اس سے بہتر طریقہ ابھی تک نہیں بنایا گیا۔

اسلامی نظام نماز اور روزے کا نام نہیں

آپ کی اجازت سے یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ اسلامی نظام نماز اور روزے کا نام نہیں۔ قرآن روحانی غذا کا بندوبست کرتا ہے اور جسمانی غذا کا بھی۔ اسلامی نظام خوف خدا سے سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے، عزیزوں، غریبوں اور تمام انسانوں کے حقوق ادا کرنے کا نام ہے یہ سمجھنے کے لئے ہمیں پھر خلفاء راشدین کی طرف دیکھنا ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے الفاظ نظام اسلام کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ فرمایا ''خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوۃ میں فرق کرے گا۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر دریائے فرات کے کنارے پر کتا بھی بھوک سے مر گیا تو عمر اس کا جواب دہ ہوگا۔'' اور بھوکے لوگوں اور بچوں کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری کا واقعہ ہم کیسے بھول سکتے ہیں کہ خلیفۂ وقت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بوری کمر پر اٹھائی اور غریب ماں کو دی جس کے بچے بھوک سے تلملا رہے تھے اور اس وقت خوش ہوئے جب بچیوں نے کھانا شروع کیا۔ آج جتنے پلازے اونچے ہوتے جا رہے ہیں۔ اشیائے خردنی کی قیمتیں بھی اتنی ہی اونچی ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمارا بگڑا ہوا معاشی نظام گھسے پٹے طریقوں سے درست نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے معاشی نظام میں قرآن کے مطابق بنیادی تبدیلیاں نہیں لائی جائیں گئیں کسی بھلائی کی توقع کرنا عقل مندی نہیں۔

دین اسلام جو ایک فرد کے عقیدے، اعمال شخصی، ذاتی اخلاق پر سیر حاصل بحث کرتا ہے اور فرد کی تعمیر کا ایسا تفصیلی ہدایت نامہ دیتا ہے جس میں کسی خلاء کو ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے اسی طرح وہ اجتماعی زندگی کی تمام ضرورتوں اور مدنیت صالحہ کی تمام بنیادوں کو بھی اُسی تفصیل سے ذکر کرتا ہے جس تفصیل سے فرد کی ضرورتوں کو گویا ایک فرد اللہ کا پسندیدہ کب بنے گا اس سوال کا شافی اور مکمل جواب بھی دین ہمیں فراہم کرتا ہے اور فرد انسانیت کا مفید رکن کیسے بنے گا جس سے ایک صالح تمدن پیدا ہو اس کا بھی مکمل جواب دین میں اسی تفصیل سے موجود ہے دین افراد کو کامل بنانے کی سکیم اور ان افراد سے پیدا ہونے والے اجتماع انسانیت کو کامل بنانے کی پوری سکیم پر حاوی ہے۔

مثال کے طور پر اسلامی معاشرے کے سیاسی طور پر منظم ہو جانے سے جب ریاست وجود میں آجاتی ہے تو اس کے نتیجے میں مطاع اور مطیع یعنی Superior اور Subordinate

وجود میں آتے ہیں جب یہ وجود میں آجائیں تو مطاع کو قانونی حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ مطیعوں سے جبراً اطاعت کروائے۔ اب اگر اطاعت طلب کرنے کا محرک ہوس اقتدار کی تسکین ہو تو ایک ظالمانہ نظام وجود میں آئے گا جس میں مطالبہ حقوق محرک عمل ہے مطالبہ حقوق محرک عمل ہو تو حقوق میں تصادم کبھی رفع نہیں ہو سکتا ہے۔

اب اسلام کی خوبی دیکھئے کہ مطالبہ حقوق کی بجائے ادائے حقوق (حقوق کی ادائیگی) کو محرک عمل بناتا ہے یعنی فرائض کی بجا آوری کو۔ اگر فرائض کی انجام دہی محرک عمل ہو تو تمام حقوق مطالبہ حقوق سے پہلے ادا ہو چکے ہوتے ہیں۔ اسلام اس تصادم کو روکنے کے لئے حکم کرتا ہے۔

یعنی ''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تم پر حاکم ہوں۔''

اب اس میں مطاع مطلق اگر تلاش کیا جائے تو وہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہے۔

''الوالامر کی اطاعت کا مشروط ہونا محتاج دلیل نہیں ہے یہاں یہ بات ضمناً سمجھنے کی ہے قرآن اور دین کو الوالامر کی مشروط اطاعت کا داعی ہے لیکن جمہوری نظام میں پیدا ہونے والے الوالامر غیر مشروط طور پر مطاع ہوتے ہیں اس کے باوجود نہ جانے جمہوریت کو کن معنوں میں اسلامی کہا جاتا ہے۔

جمہوریت تو مکمل طور پر لادینیت ہے کفر ہے اور اسلام کی ضد ہے اور اس کا ایک بڑا ثبوت بھی ہے کبھی ہم نے سوچا کہ وہ کیا وجہ ہے کہ جمہوریت ہندوؤں میں رائج ہے' بدھ مت (Budhists) میں بھی جمہوریت ہے' چینیوں (Confucionists) میں' عیسائی' یہودی' دہریوں روس وغیرہ سب میں جمہوری نظام ان کے مطابق کامیابی سے چل رہے ہیں۔ جمہوریت کا مذہب لادینیت (Secularism) ہے اور کیونکہ یہ تمام قومیں اپنے مذاہب اور نظریات سے مطمئن نہیں لادینیت اپنانے میں دیر نہیں کرتیں اگر جمہوریت کو اسلامی مانا جائے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ تمام دنیا پر اسلام کا نفاذ ہو چکا ہے اگر ایسا ہے تو پھر اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے کہ مغرب والے مسلمانوں کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے سفید کپڑے پر کوئی خون کا دھبہ ہو۔

خیر اسی طرح مطاع نامشہود معاہدہ عمرانی کا فریق نہیں بن سکتا اس لئے باذن اللہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی مطاع مطلق ہیں جیسے کہ قرآن پاک میں ہے۔

''رسول بھیجے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ اُن کی اطاعت کی جائے۔''

''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو بے شک اُس نے خدا کی اطاعت کی۔''

دین میں اور قرآن میں اس مطالبہ کا اسرار کیا گیا یعنی ''عدل کرو' یہی کمالِ انسانیت کے قریب ترین ہے۔''

اور عدل کا مطلب ہے کسی شخص، چیز یا معاملہ کو اس کی جگہ پر رکھنا وہ جگہ جو رسول ﷺ نے تعین کر دی ہے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ 'میں اپنے باپ سے اور اپنے بیٹے سے بالکل برابر کا سلوک رکھتا ہوں' میں بہت انصاف پسند ہوں، تو ہم کہیں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ بالکل عدل نہیں ہے باپ اور بیٹے کے مقام میں بہت فرق ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا انسانی تعلق نہیں، کوئی ایسا کام نہیں، کوئی ایسا معاملہ نہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کے توسط سے عدل پر مبنی احکامات نہ جاری کئے ہوں اور اس میں اسلامی نظام عدالت بھی شامل ہے۔ عدل ہو تو ذہنی سکون بھی ہوگا۔

لب لباب یہ کہ صرف نظام خلافت سے ایک ایک فرد کی زندگی معاشی اور معاشرتی طور پر یعنی مکمل عدل و انصاف کے ساتھ پر سکون ہو سکتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حضور ﷺ کی اطاعت والی زندگی بسر کر سکتا ہے اور خلافت کے جھنڈے کے نیچے اکٹھے ہونے ہی سے مسلمان اللہ اور اس کے رسول کے تمام دشمنوں کے گھناونے عظائم کا شکار ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور دنیا میں باعزت اور باوقار قوموں کی طرح اپنی تہذیب پر قائم رہ سکتے ہیں اور اگر مسلمان ایسا کر لیں تو مغربی تہذیب ان کے سامنے ٹوٹ کر ختم ہو جائے گی اور اقبال کا یہ پیغام مغرب کے لئے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانا بنے گا، ناپائیدار ہوگا

خلیفہ میں تین خصوصیات ضرور ہونی چاہئے، لیاقت، صداقت اور شراکت یعنی تمام کاموں میں اہل حل و عقد، اہل علم، ماہر (Specialists)، باہنر اور تجربہ کار لوگوں سے مشورہ کرے۔ خلافت کے تین مسلمہ اصول ہیں۔

1۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کیخلاف کوئی حکم سنا جائے اور نہ مانا جائے۔
2۔ امر بالعروف و نہی عن المنکر، یعنی نیکی کی تلقین اور برائی سے روکنے کی کوشش (دعوت)۔
3۔ جہاد، ظلم و فساد کیخلاف خواہ ظالم کفار ہوں یا مسلمان، خلافت کے باہر ہو یا اندر۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات قوموں کو آزمانے، تائب ہونے کے بعد سنبھلنے اور ابھرنے کا موقع ضرور فراہم عطاء فرماتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ سوچنے والے بھائیوں سے عرض کروں گا!!!

ان کو ملتی ہی نہیں منزل مقصود کبھی
جو آغاز کے انجام سے ڈر جاتے ہیں

ایک غلط فہمی کا ازالہ

جب حضور نے اللہ تعالیٰ کی خلافت کا قیام کیا تو انہوں نے اور ان کے رفقاء نے یہ امر واقعہ اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ ہمیں ایک طوفانی سمندر کے درمیان جو چھوٹا سا جزیرہ پاؤں ٹکانے کے لئے نصیب ہوا ہے اس کا وجود ہر آن معرض خطرے میں ہے یا تو طوفان کا منہ پھیر کر چوطرفہ سمندر کو مسخر کرنا ہوگا یا پھر یہ جزیرہ بھی ایک بلبلے کی طرح طوفان میں گم ہو جائے گا۔

They were not escapists.

یعنی وہ زندگی کے حقائق سے فراری اختیار کرنے والے نہیں تھے۔ نہایت تیزی سے اپنے آپ کو ایک متحرک (volatile) جنگی قوت (Military force) میں بدل لیا۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ سلطنت اور جنگ و پیکار کی راہ مسلمانوں کی راہ نہیں ہوتی، دین والوں کا کام تو بس پڑے پڑے مار کھاتے رہنا اور اس حالت میں برداشت کا کمال دکھانا ہوتا ہے۔ اگر وہ ایسا سوچتے تو چار تنکوں سے جو تحریک نے آشیانہ بنایا تھا وہ آشیاں سازوں کے جذبات کی اپنی ہی کسی چنگاری سے جل چکا ہوتا۔ یہ عقابی شان کے گنے چنے افراد جہاں اپنے نظریہ صداقت کے سرگرم داعی تھے وہاں یہ اسی نظریہ پر قائم ہونے والی ریاست کا دفاع کرنے کے لئے بہترین جانباز سپاہی بھی ثابت ہوئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو منظم سپاہ میں بدلنے کے لئے فوری اقدام کئے اور جہاں مدینہ ایک دارالامن، ایک تعلیم گاہ اور تہذیب اسلامی کا ایک چمن زار بن رہا تھا وہیں وہ ایک مضبوط فوجی کیمپ کی حیثیت بھی اختیار کر گیا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل   دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(اقبال)

ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں مگر آزادی کے لئے کچھ کرنا نہیں چاہتے

بہت سے لوگوں کی مشکل یہ ہے کہ دین کے مطابق زندگی بسر تو کرنا چاہتے ہیں مگر ماحول سے بیزار ہیں لیکن ماحول کو تبدیل کرنے کے لئے کچھ کرنا بھی نہیں چاہتے ورنہ انسان جب بھی کچھ کرنے کا پختہ عظم کر لے تو اسے کوئی دنیاوی طاقت نہیں روک سکتی کچھ لوگ امریکہ سے بھی خائف ہیں لیکن شائد انہیں اس کا ادراک نہیں کہ اگر مسلمان مجاہد مل کر امریکہ اور ہندوستان کو افغانستان پر قابض نہ ہونے دیں، اور ایک طویل گوریلا جنگ میں ان دونوں طاقتوں کو پھنسا لیں تو روس کی طرح امریکہ کو بھی پسپا ہونا پڑیگا۔ امریکہ کے لئے ہندوستان سے مل کر افغانستان اور پاکستان پر قبضہ اس لئے ضروری ہے کہ ان علاقوں کو استعمال کئے بغیر اس کا چین سے جنگ جیتنا تقریباً ناممکن ہوسکتا ہے۔ اگر فوجی ماہرین کا یہ تجزیہ درست ہے کہ امریکہ 2010ء تک چین پر حملہ

کرے گا تو پاکستان کے لئے یہی کہونگا کہ ہم لوگ آزاد رہنا چاہتے ہیں مگر آزادی کے لئے کچھ بھی نہیں کرنا چاہتے۔ بھائی، بغیر جہاد کے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبوب ترین ہستی محمد ﷺ کی بھی امداد نہیں کی۔ دیکھئے انہیں کتنے میدانوں میں جانا پڑا، کتنی جنگیں لڑنی پڑیں زخم بھی اٹھائے۔ ان کے محبوب ترین لوگ شہید ہوئے (منافقوں کے مقدر میں شہادت نہیں ہوتی)۔ ہم نے تو اسلام کو کھیل بنا رکھا ہے۔ ہمارا دین ہماری اپنی ذات پرستی ہے ہماری خواہشات کی تکمیل ہے کوئی قربانی نہیں اور خود کو جنت کے اولین حقدار بھی سمجھتے ہیں۔ ہم کم فہم لوگ حضور ﷺ کی زندگی پر غور ہی بہت کم کرتے ہیں۔ حضور ﷺ سے ہزاروں چیزوں میں ہم یہ بھی تو سیکھتے ہیں کہ ان کی زندگی سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ سمجھایا ہے کہ 'مختلف اعمال کے نتائج بھی مختلف ہوتے ہیں'۔ اللہ کے فیصلے بندوں کے فیصلوں پر ہیں۔ مکہ میں تبلیغ کے کچھ نتائج تھے، ہجرت سے نتائج کچھ اور ہو گئے' یہودیوں اور دوسرے قبیلوں سے معاہدے کے نتائج سیاسی قوت اور خلافت کے قیام میں ہوئے' صلح حدیبیہ کی تو اس کے نتائج کچھ اور ہوئے' قرآن سیکھنے سکھانے کے نتائج مختلف ہوئے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ اگر ایک شخص عبادت میں' نوافل اور قرآن پڑھنے میں زندگی بسر کرے' تمام عمر گناہ سے بچا رہے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں شامل ہو سکتا ہے اور وہ مقام حاصل کر سکتا ہے کہ لوگ اسے ہوا میں اڑتا دیکھیں، مگر اس عمر بھر کی عبادت کے نتیجے میں یہ نہیں ہوگا کہ لاکھوں بندوقیں' لاکھوں توپیں' لاکھوں ٹینک' لاکھوں میزائل اور ایٹم بم بن جائیں گے سب خود بخود لوڈ ہو جائیں گے اور دشمنوں کے فوجیوں پر خود بخود ایسے گرینگے کہ وہ دم دبا کر بھاگ نکلے گا ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ سبق ہے جو حضور ﷺ اپنی امت کو سکھا گئے۔

خدا حافظ

بات لمبی ہوگئی' خدا حافظ کہنے سے پہلے کچھ لوگوں کا ذکر کرنا چاہونگا۔

مفتی محمد سید خان سے مجھے آج بھی اتنا ہی لگاؤ ہے جتنا پہلے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصی دینی فہم سے نوازا ہے جو اُن کے تمام ملنے والوں کے لئے باعث رحمت ہے۔

کرنل لیاقت علی راجہ سے میرے لگاؤ اور محبت میں ذرا برابر بھی کمی نہیں آئی۔ اپنے بیوی بچوں کے علاوہ والدین اور بھائی' بہنوں سب کا انحصار ان کی ایک تنخواہ پر تھا۔ والد بھی ایک طویل بیماری میں مبتلا تھے اور سی ایم ایچ (CMH) میں زیر علاج رہتے تھے۔ ایک بیٹا بھی مفلوج تھا جو انہی کے سہارے پر جی رہا تھا میں تو اس بات پر حیران تھا کہ ان حالات میں بھی انہوں نے ہمارے ساتھ مل کر دین کی لگن میں اتنا بڑا خطرہ (Risk) لے لیا تھا۔ یقیناً وہ عظیم آدمیوں میں سے تھے۔

جہاں تک جنرل ظہیر الاسلام عباسی کا تعلق ہے میں کئی لحاظ سے ان کا مجرم بھی ہوں۔

ان سے اکثر میں گستاخی سے بھی بات کر جاتا تھا جس کا مجھے کافی دُکھ ہے مگر ان جیسا وسیع نظر، وسیع مطالعہ، فراخ دل، صبر اور تحمل والا جنرل بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

جنرل غلام محمد ملک (کمانڈر پنڈی کور) کے نیچے میں نے تین سال نوکری کی اور 1995ء تک پندرہ سال اُن کے بہت قریب رہا۔ آج تک فیصلہ نہیں کر سکا ان کی شرافت خوبصورتی سے زیادہ تھی یا اُن کی خوبصورتی شرافت سے زیادہ۔ اُن کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ دین کے لئے۔ بے خوف اور بے دھڑک کام کرنا، اصل میں ان ہی سے سیکھا۔ ایک مرتبہ جب وہ پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول کے کماڈانٹ مقرر ہوئے تو جاتے ہی اُنہوں نے تمبولا (Tambola) (ایک مہذب قسم کا جوا) بند کروا دیا۔ 50 - 40 افسروں نے سر دھڑ کی کوششیں کیں کہ انہیں تمبولا دوبارہ شروع کروانے پر مجبور کر دیا جائے مگر جنرل جی ایم ملک کو ہلانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مجھے ان کے وہ الفاظ کبھی نہیں بھولے۔ جنرل جی ایم ملک نے کہا:

"اگر ہم کوئی نیکی نہیں کر سکتے تو کوئی گناہ بھی نہیں کریں گے۔"

اس کے بعد کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ کچھ کہے۔

آخر میں آپ کے توسط سے کچھ ایسے لوگوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کے احسانات کا بدلہ میں تمام عمر ادا نہیں کر سکتا۔ انہوں نے پل پل میرا ساتھ دیا میری مدد کی اور مشکل سالوں میں میرے قدم جمائے رکھے۔ سب سے پہلے میرا بیٹا محمد دجانہ جس نے آٹھ سال ایک ایک لمحہ میرا ساتھ دیا، قیدی کی دیکھ بھال کوئی آسان کام نہیں ہوتا اور اس نے اس کے ساتھ اپنی تعلیم بھی جاری رکھی اور اس دوران ایف ایس سی (F.Sc) کر کے اے سی سی اے (Associate Certificate Chartered Accountant) کا کورس مکمل کیا۔ میری ہمشیرہ رخسانہ مسیح اللہ جس نے مردوں کی طرح میرا ساتھ دیا اور ہر لحاظ سے میری مدد کی۔ اللہ ایسی بہنیں سب کو عطا فرمائے۔ تیسرے شخص فرشتہ سیرت انسان جیل سینئر سپرنٹنڈنٹ جناب میاں محمد منیر احمد ہوتیانہ صاحب جنہوں نے بھائیوں سے بھی زیادہ میرا خیال رکھا، ان جیسے نیک، رحم دل اور ایمان دار افسر موجودہ دور میں بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں میرے ساتھ کی ہوئی تمام نیکیوں کی جزاء عطا فرمائے۔ آمین۔ ساتھ ہی میں ان عزیز و اقارب، دوستوں، بہی خواہوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس نفسا نفسی کے دور میں میری ہر طرح سے اعانت اور مدد کی حتیٰ کہ سفر کی صعوبتیں اُٹھا کر مجھ سے ملتے بھی رہے اللہ تعالیٰ ان تمام دوستوں، عزیزوں، بہی خواہوں کی عمر رزق اور اولاد کی صحت و تندرستی میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین)۔

آپریشن خلافت کا منشور

جس کا فیصلہ جنوری 1995ء میں حرم پاک میں کیا گیا

یہ ایک تقریر کی شکل میں تھا۔ آپریشن خلافت کی کامیابی کے بعد امیر المومنین نے یہ تقریر ریڈیو پر کرنی تھی اسے ڈیرہ غازی خان کے مولانا محمد عبدالقادر ڈیروی نے تحریر کیا تھا۔ یہ تقریر مفتی سعید خان کی تحویل سے اکتوبر 1995ء میں برآمد ہوئی۔

اسلام علیکم مسلمان بھائیو!

پاکستان کی تخلیق کی بنیاد کلمہ طیبہ ہے۔ ہر پاکستانی بخوبی آگاہ ہے کہ تقسیم ہندوستان کے وقت ہر مسلمان کی زبان پر صرف ایک ہی نعرہ تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔

ان چالیس برسوں میں ملک کے حکمران قوم کے اخلاق سے کھیلتے رہے ہیں۔ موجودہ انگریزی نظام، مفادات پر مبنی معاشی نظام اور فلموں پر مشتمل تفریح کی وجہ سے آج قوم تباہی کے کنارے پر ہے۔ اگر قوم کی غیرت ختم ہوگئی ہے تو پھر اسے آخیر سمجھیں۔

بے ضمیری، بے حسی اور خود غرضی ہمارے ملک میں اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اس ملک کے لوگوں نے اس شخص کی بیٹی کے ہاتھ میں اقتدار دے دیا جس نے طاقت اور اختیار کی خاطر اس ملک کے ٹکڑے کر دیئے۔ اپنے ہی ہزاروں لوگوں کا قتل عام کروایا اور ایک سازش کے تحت اس نے 90,000 ہزار فوجیوں کو جنگی قیدی بنوا دیا۔ اس کے علاوہ جو حشر ایک عورت کی حکمرانی اور ایک صنعت کار نے کیا وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ لیکن پھر بھی ہم نے اپنی آنکھیں نہیں کھولیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ دونوں اسلام کے دشمنوں کو خوش کرنے کی کوشش میں لگے رہے ہیں کہ ایک نے سود کو حلال کرنے کی اور دوسرے نے ملک سے شریعت کا نام مٹانے کی کوشش کی۔ اسلام کے لیے اس سے بڑی بے حرمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ جو خود کو مسلمان کہلواتے تھے اس طرح کی غیر شرعی سرگرمیوں میں ملوث تھے۔

ذہن میں یہ تمام باتیں رکھتے ہوئے اور اپنے تمام تر اخلاص کے ساتھ ہم نے اس صورت حال پر غور کیا جس کے بعد ہمارے پاس ایک ہی راستہ بچا کہ ہم مزید دیر کیے بغیر اسلامی نظام نافذ کر دیں اور پھر اس پر کاربند رہیں چاہے اس کی خاطر ہمیں اپنے بچوں اور خاندانوں کی زندگیاں ہی قربان کیوں نہ کرنی پڑیں۔ ہمارا یہ فیصلہ شعوری ہے اور ہم نے قوم کے خیر خواہوں سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد یہ قدم اُٹھایا ہے۔ انشاءاللہ ہم کامیاب ہوں گے۔

اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور بڑے اعتماد کے ساتھ پاکستان کو ایک سنی ریاست بنانے کا اعلان کرتے ہیں اور آج سے اس ملک پر شرعی قوانین نافذ کرتے ہیں۔ آج سے بلکہ اسی لمحہ سے پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کر دیا گیا ہے۔ اب انشاء اللہ ہمارے تمام کام شریعت محمدی ﷺ کے مطابق ہوں گے۔ اے مسلمان بھائیو مکمل اسلامی نظام کے لاگو کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ سب عدالتوں کو شریعت کورٹس میں بدل دیا جائے کیونکہ شریعت پر مبنی اسلامی عدالتی نظام کے بغیر دین کی نشر و اشاعت کا سارا خیال فضول ہے۔

آپ اس سے قبل موجودہ عدالتی نظام کا انصاف مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کی حکومتوں کے دوران ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ کس طرح انہوں نے اپنے لیے کچھ قوانین اور عام لوگوں کے لیے کچھ اور قوانین استعمال کیے۔ اس لیے ایسے نظام کی خاطر جس میں سب کو یکساں انصاف ملتا ہو، یہ ضروری ہے کہ تمام موجودہ عدالتوں کو شرعی کورٹس میں بدل دیا جائے اور یہ ہم کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی سود پر مبنی مالی نظام بھی ختم کیا جا رہا ہے، اور آج سے فیڈرل شریعت کورٹ کی سودی نظام کے بارے میں دی گئی رائے کو نافذ کیا جا رہا ہے۔ آج سے جو کوئی بھی سود سے پاک نظام کی خلاف ورزی کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔

تیزی سے پھیلتی ہوئی فحاشی، عیاشی اور بے پردگی قوم کے لیے کینسر ہے۔ شریعت میں انہیں بہت بڑا جرم قرار دیا گیا اس لیے ان کے تمام ذرائع پر پابندی لگائی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے تو فلم انڈسٹری پر پابندی نافذ کی جاتی ہے۔ تمام ویڈیو دوکانیں سیل کر دی گئی ہیں اور ان دکانوں کے مالکان کو ملک میں فحاشی پھیلانے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ انہیں شریعت کے تحت سزا دی جائے گی جب تک کہ وہ معافی نہیں مانگتے اور یہ ضمانت فراہم نہیں کرتے کہ آئندہ اس قسم کے کام میں ملوث نہیں ہوں گے۔

اسلام نے عورت کو ماں، بہن، بیٹی اور ایک نیک عزت دار بیوی کا درجہ دیا ہے۔ اس لیے شرعی پردہ عورت کا حق تصور کیا جاتا ہے۔ اس لیے آج سے پورے ملک میں عورتوں پر پردہ کرنے کی پابندی ہوگی اور عورتوں کے نامحرم سے تعلقات یا مردوں سے دوستی رکھنے پر پابندی ہوگی۔ ان کے فوٹو کھنچوانے پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ملک بھر سے ایسی تمام تصویریں فوراً ہٹا دی جائیں تاہم پاسپورٹ وغیرہ اس پابندی سے مستثنٰی ہوں گے۔ یہ پابندی اخبارات پر بھی ہوگی جو اس سے قبل عورتوں کی تصاویر استعمال کر کے بہت روپیہ کما چکے ہیں لیکن انہوں نے قوم کے اخلاق کو تباہ کر دیا ہے۔

اسلامی شریعت کی رو سے خاندانی منصوبہ بندی منع ہے کیوں کہ اس کا دوسرا مقصد فحاشی

فیملی قوانین کا مقصد مذہب پھیلانا ہے اس لیے اس پر بھی پابندی لگائی جاتی ہے۔ اس طرح فیملی قوانین کا مقصد مذہب مخالفانہ جذبات' فحاشی اور عیاشی کو ہوا دینا ہے۔ اس لیے ان کی ہر شق کو ختم کیا جارہا ہے۔ علاوہ ازیں صلوۃ و زکوٰۃ کا نظام دوبارہ شروع کیا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کوشش بھی کی جارہی ہے کہ تمام مساجد سے ایک ہی وقت اذان دی جائے تاکہ دکان داروں کے لیے آسانی رہے کہ وہ اپنی دکانیں بند کر کے نماز ادا کرسکیں۔ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے انتظامات کیے جارہے ہیں کہ نماز کے وقفہ میں تمام دوکانیں اور کاروبار بند رہیں۔ جوا' شراب نوشی' ہیروئن اور منشیات غیر قانونی اور قابل سزا ہوں گے۔ اس سلسلے میں مسلم اور غیر مسلم مقامی اور غیر مقامی میں کوئی فرق نہیں رکھا جائے گا۔ تمام عیاشی کے اڈے بند کردیئے جائیں گے جنہیں اسلام میں منع کیا گیا ہے۔ ریاست اپنے شہریوں کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی یہ ریاست اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاشرے کی اصلاح کی بھی ذمہ دار ہے۔ یہ ریاست کی سرکاری ذمہ داری ہوگی کہ ان خطوط پر چلے۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے کمیٹیاں تشکیل دی جائیں گی۔ یہ کمیٹیاں ملک کے ہر کونے کا دورہ کریں گی اور لوگوں کو اسلامی نظام کی اہمیت کے بارے میں بتائیں گی۔

ہم دوبارہ اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ علماء اس نظام کے علمبردار ہوں گے۔ ان علماء کو ضروری اختیارات دیئے جائیں گے جو وہ جب ضروری سمجھیں گے استعمال کریں گے۔ آج سے اسلام کی اشاعت کے لیے لاؤڈ اسپیکرز پر جاری پابندی ختم کی جارہی ہے۔ مسجدوں اور مذہبی تنظیموں کو لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت ہوگی۔ اس کی جگہ ان لاؤڈ سپیکرز کے ہوٹلوں' بسوں' ویگن اور ٹریکٹر ٹرالیوں پر استعمال پر پابندی لگائی جارہی ہے۔ آج سے گانے بجانے پر پابندی اور خلاف ورزی پر سزا ہوگی۔

اسلام کے نفاذ کے لیے ہم آخر میں جو بات اپنے ہم وطن مسلمان بھائیوں پر واضح کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اب تمام کلیدی عہدے صرف اور صرف سچے مسلمانوں کو ملیں گے۔ اسلام اس معاملے میں سخت حساس ہے اور یہ حساسیت فطری ہے۔ تاہم غیر مسلم کی حفاظت اور بہتری شریعت کے لیے اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری رہی ہے۔ اس لیے غیر مسلم اقلیت کی حفاظت اسلام کی رو سے ہوگی۔ لیکن جہاں تک ملک کے کلیدی عہدوں کا تعلق ہے وہ غیر مسلم کو نہیں دیئے جائیں گے۔ انہیں اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی اجازت ہوگی لیکن جو کچھ اسلام کی روح کے خلاف ہوگا اس کی انہیں اجازت نہیں ہوگی۔ (اللہ حامی و ناصر ہو)۔

یہ 1990ء کی دہائی کا ذکر ہے کہ پاک فوج کے کچھ افسروں نے فوجی انقلاب کے ذریعے ''نظام خلافت'' کی احیاء کی منصوبہ بندی کی۔ کئی فوجی افسروں کی ''ذہنی تربیت'' کی گئی۔ انہیں جانی و مالی قربانی کے لئے تیار کیا گیا۔ مگر ''آپریشن'' راہ میں رہ گیا۔ گرفتاریاں ہوئیں۔ جنرل فیلڈ کورٹ مارشل کے تحت انہیں سزاؤں سے نوازا گیا۔ کال کوٹھڑیوں میں بند کرایا گیا۔ میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی، بریگیڈیئر مستنصر باللہ، کرنل آزاد منہاس، کرنل عنایت اللہ، قاری سیف اللہ کے نام اسی آپریشن کے حوالے سے اخبارات کی زینت بنے۔ ''آپریشن خلافت'' کیا تھا۔ اس پر کیا گزری، اس کی کوئی تفصیل عوام کے سامنے نہیں آئی۔ کتاب کے مطالعہ سے ''آپریشن خلافت'' اور اس کی ناکامی کی وجوہ سمجھ میں آجاتی ہیں۔ کتاب خوبصورتی سے پیش کی گئی ہے اور قیمت کچھ زیادہ نہیں۔ یہ کتاب سبھی محب وطن افراد کو ضرور پڑھنی چاہیے۔

روزنامہ پاکستان (17 فروری 2008ء)

اس کتاب کو مرتب کرنے کا مقصد کسی فرد خاص یا افراد کی نظر میں سرخرو ہونا نہیں بلکہ اس کا مقصود انتہا اپنے رب کریم کی خشنودی اور سرکار دو عالم ﷺ کی نظروں میں سرخرو ہونا ہے۔ کتاب میں آپریشن خلافت کے فوجی افسران کے خلاف پیش کیے جانے والے اہم گواہوں کے بیانات ان پر جرح اور بریگیڈیئر مستنصر باللہ کا ایک طویل اور فکر انگیز انٹرویو خلافت اور جمہوریت کے موضوع پر تفصیلی بحث شامل ہے تا کہ قارئین کو نظام خلافت کی اہمیت کے بارے میں خاطر خواہ آگاہی ہو سکے۔ مختصر یہ کہ برصغیر کی اسلامی تاریخ میں آپریشن خلافت کو ''تحریک مجاہدین'' ''ریشمی رومال'' اور ''تحریک خلافت'' کے تسلسل کے طور پر مرتب کیا گیا ہے۔ خلافت کی اصل روح اور اہمیت کی سمجھنے کے لئے آپریشن خلافت 1995ء ایک نایاب کتاب ہے۔

روزنامہ خبریں (2 مارچ 2008ء)

مسلمان جس کے جان و مال اللہ تعالیٰ نے جنت کے عوض خرید لئے ہیں اور جس کی اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے جان نکلنے اور جنت میں پہنچنے میں ایک سیکنڈ کا وقفہ بھی نہیں ہوتا اگر دین کی اقامت کے لئے جدوجہد اور قربانی سے گریز کریں تو انہیں عملاً منافق کہنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ''اے مسلمان تو خود کو اتباع رسول پر قائم کر سچا مسلمان بن جا اور یقین کر کہ مسلمانوں میں ایک منافق کی کمی ہو گئی ہے۔

سزا یافتہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ

انقلاب پبلشرز™

اُردو بازار لاہور۔

E-mail: inqilabpublisher@yahoo.com

www.muhammadqurankhilafat.com